علمائے بستی

جلد اوّل

غلام یحییٰ انجم

المجمع الاسلامی مبارک پور

۴۸۶
۹۲

تذکرہ علمائے بستی

حصہ اوّل

از

ڈاکٹر مولانا غلام یحییٰ انجم بستوی

ملنے کا پتہ

المجمع الاسلامی

فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۴۰۳

سلسلہ اشاعت نمبر (۶۳)

کتاب ———— تذکرہ علمائے بستی

مصنف ———— مولانا غلام یحییٰ انجم بستوی

زمانۂ ترتیب و تصنیف ———— ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۶ء

کتابت ———— مولانا محمد نعیم مبارکپوری

اشاعت اول ———— شوال ۱۴۰۸ھ / جون ۱۹۸۸ء

صفحات ———— ۲۷۲ ———— تعداد اشاعت ایک ہزار

قیمت ———— ۲۵/=

ناشر ———— المجمع الاسلامی، مبارکپور

مطبع ———— نشاط آفسٹ پریس، ٹانڈہ۔ فیض آباد

معاونین اشاعت

(۱) الحاج احسان اللہ صاحب بستوی عرف پہلوان سیٹھ - دارو خانہ - بمبئی

(۲) سیٹھ محمد مصطفےٰ صاحب کرلا - بمبئی،

(۳) سیٹھ قاضی ظہیر احمد صاحب کرلا - بمبئی

ملنے کے پتے

(۱) المجمع الاسلامی فیض العلوم - محمد آباد گوہنہ اعظم گڈھ

(۲) دار العلوم فیض الرسول - براؤں شریف بستی،

(۳) دار العلوم تنویر الاسلام - امرڈوبھا - بستی

(۴) دار العلوم تدریس الاسلام، بسڈیلہ، چائیکلاں، بستی،

اِنتساب

اِن دو جلیل القدر ہستیوں کے نام جن کے شرف تلمذ میں

دین اور دنیا دونوں علوم سے بہرہ ور ہوا۔

استاذ العلماء جلالۃ العلم حضور حافظ ملت مولانا شاہ الحاج

عبدالعزیز مرادآبادی علیہ الرحمہ (متوفی سنہ ۱۹۷۶ء) بانی الجامعۃ

الاشرفیہ، مبارکپور، جنہوں نے جون سنہ ۱۹۷۵ء میں شرح جامی بحث

فعل کے چند اسباق پڑھاکر شرفِ تلمذ بخشا، اور جن کی مخلصانہ

دعاؤں کے طفیل درسِ نظامی اور دینی علوم کی تکمیل ہوئی۔

اور

ادر شہور محقق پروفیسر **مختار الدین احمد** بن ملک العلماء

حضرت مولانا **محمد ظفر الدین** قادری (متوفی سنہ ۱۹۶۲ء) جن کی

عنایات و نوازشات سے یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل ہوئیں

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام

وگر کشادہ جبینم گل بہار توام

عقیدت کیش

غلام یحییٰ انجم

مصنّف ایک نظر میں

○ نام ——— غلام یحییٰ انجم

○ ولدیت ——— عالیجناب الحاج علی رضا صاحب

○ پتہ ——— پرسا بزرگ، پوسٹ جگنا دھام، ضلع بستی (یوپی)

تعلیمی لیاقت
فاضل درس نظامیہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ
بی ٹی ایچ، ایم اے (عربی) ایم فل علیگ، پی ایچ ڈی
کامل، فاضل عربی ادب، فاضل معقولات (یوپی بورڈ)
(یونیورسٹی میڈلسٹ)

مشغلہ:— درس و تدریس، شعبۂ سنّی دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تصانیف
① کتاب المقفی الکبیر للمقریزی (الجزء الثانی)۔ پی ایچ ڈی کا مقالہ
② نویں صدی ہجری کے حوالے سے مصری مؤرخین: ایک تنقیدی مطالعہ (مطبوعہ)
③ مولانا حشمت علی اور تحریک پاکستان
④ نصرۃ الادب (نزہۃ الادب کا ترجمہ)
⑤ بحث و نظر (مقالات کا مجموعہ)
⑥ نقشِ آخرت (نعتوں کا مجموعہ) مطبوعہ
⑦ متنبی ایک تحقیقی مطالعہ۔

کلمۃ المجمع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ • نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور کے ہونہار فارغین میں سے مولانا غلام یحییٰ انجم بستوی بھی ہیں۔ پڑھنے ہی کے زمانے میں انہیں درسیات کے ساتھ تحریر و انشاء کا بھی ذوق مل چکا تھا۔ اشرفیہ سے سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد مزید سندات کے حصول ترقی کی غرض سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا رخ کیا، دینی تعلیم و تربیت سے تو آراستہ تھے ہی علی گڑھ کے علمی ماحول اور وہاں کے مخصوص تمدن نے ان کے ذہن و فکر اور علمی قابلیت میں دو چند جلا پیدا کر دی۔ عربی ادب و تاریخ آپ کا خاص موضوع رہا ہے، اسی فطری ذوق نے آپ کو اپنے وطنِ مالوف کے علماء کے تذکرے کی ترتیب کا حوصلہ بخشا، اور پھر آپ اس کام میں لگ گئے۔ کئی سال کی محنتِ شاقہ اور متعلقہ افراد سے بار بار کے رابطے کے بعد کہیں آپ کامیاب ہو سکے ہیں ——— ماضی قریب میں مولانا محمد محمود صاحب قادری مظفر پوری، شہزادہ امینِ شریعت حضرت علامہ شاہ رفاقت حسین صاحب مفتیٔ اعظم کانپور علیہ الرحمۃ والرضوان نے "تذکرہ علمائے اہلسنت" لکھ کر تذکرہ نویسی کی عصرِ حاضر میں داغ بیل ڈالی، جو بلاشبہ قابلِ تحسین کوشش ہے مگر اس کے بعد پھر کوئی اس روش پر چلنے والا نظر نہ آیا کہ اچانک فاضل نوجوان مولانا غلام یحییٰ انجم بستوی وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے، اور ضلع بستی کے علماء و مشائخ کا تذکرہ لکھ ڈالا۔ تصنیف و تالیف کا کام تو ویسے بھی مشکل ہے اور تذکرہ نویسی اور مشکل، پھر کسی ایک عالم کا تذکرہ ہو تو کچھ آسانی بھی ہو، مگر کثیر علماء کا تذکرہ جمع کرنا، اس کے لئے کتابوں کو کھنگالنا، علماء، اور تلامذہ نیز اہل خاندان سے رابطہ قائم کرنا، اور جمع شدہ مواد کو چھان پھٹک کر ایک انداز پر لانا کوئی معمولی کام نہیں جسے آسانی سے نظر انداز کیا جا سکے بلکہ بڑی جانکاہی اور عرق ریزی کا کام ہے جس کے لئے مصنف موصوف بجا طور پر شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں ——— المجمع الاسلامی اپنے محدود وسائل کی وجہ سے چند در چند دشواریوں کا شکار ہے۔ فی الحال اس لائق نہ تھا کہ اس ضخیم کتاب کی طباعت کا بار اٹھاتا۔ مگر مصنف کی حوصلہ افزائی کے پیش نظر اس کتاب کو منظرِ عام پر لا رہا ہے ——— کتاب اگرچہ صرف ضلع بستی ہی کے علماء پر مشتمل ہے مگر چونکہ ان کے تلامذہ، مریدین کی دینی خدمات کا سلسلہ پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے اس لئے یہ کتاب یک گونہ آفاقیت لئے ہوئے ہے ——— محمد عبد المبین نعمانی قادری

رکن المجمع الاسلامی، صدر المدرسین دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، اعظم گڈھ، ۲۰ صفر ۱۴۰۹ھ / ۳ اکتوبر ۱۹۸۸ء

فہرست "تذکرۂ علمائے بستی"

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
	تقریظ: علامہ شبیر احمد غوری	۱۲
	پیش لفظ: ڈاکٹر اختر بستوی	۱۶
	ا	
۱	مولانا آفتاب احمد خاں	۳۲
۲	مولانا محمد احمد	۳۳
۳	مولانا اختر حسین	۳۴
۴	مولانا محمد ادریس	۳۶
۵	مولانا اسلم بستوی	۳۷
۶	مولانا محمد اسلام	۴۱
۷	مولانا اشفاق احمد	۴۲
۸	مولانا انور علی	۴۵
۹	مولانا محمد ایوب	۴۶
۱۰	مولانا محمد ایوب	۴۶
۱۱	مولانا محمد ایوب رضوی	۵۰
	ب	
۱۲	مولانا باقر علی	۵۲
۱۳	مولانا بخش اللہ	۵۳
۱۴	مولانا بدر الدین احمد رضوی	۵۵
۱۵	مولانا محمد برکت اللہ	۵۹
۱۶	مولانا بشیر احمد اظہر	۶۰
۱۷	مولانا بلال احمد	۶۱
	ت	
۱۸	مولانا تفضل حسین خلیل آبادی	۶۴
۱۹	مولانا تفسیر القادری	۶۵
۲۰	مولانا توکل حسین	۶۸
	ج	
۲۱	مولانا جرار علی اشرفی	۷۱
۲۲	مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی	۷۲
۲۳	مولانا جمال احمد خاں رضوی	۸۰
۲۴	مولانا جمیل احمد	۸۲
۲۵	مولانا جمیل احمد شاہدی	۸۴
۲۶	مولانا جمیل احمد نوری	۸۵
۲۷	مولانا جمیل احمد قادری	۸۸

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۲۸	مولانا جیش محمد	۸۹
	ح	
۲۹	مولانا حبیب الرحمٰن رضوی	۹۲
۳۰	مولانا حبیب اللہ خاں	۹۳
۳۱	مولانا حسن محمد	۹۵
۳۲	مولانا حفیظ اللہ	۹۷
۳۳	مولانا محمد حلیم قادری	۹۸
۳۴	مولانا محمد حنیف قادری	۹۹
۳۵	مولانا حیدر علی	۱۰۱
	خ	
۳۶	مولانا خلیق اللہ خلیق فیضی	۱۰۴
۳۷	مولانا محمد خلیل	۱۰۵
	ذ	
۳۸	مولانا ذکر اللہ	۱۰۷
	ر	
۳۹	مولانا سید رئیس احمد جیلانی	۱۰۹
۴۰	مولانا روح اللہ برکاتی	۱۱۰
۴۱	مولانا حافظ محمد رئیس	۱۱۱
	س	
۴۲	مولانا سخاوت علی	۱۱۴
۴۳	مولانا سید حسن	۱۱۷
۴۴	مولانا سید احمد انجم	۱۱۹
	ش	
۴۵	مولانا شاہ محمد کیفی	۱۲۲
۴۶	مولانا شبیر حسن	۱۲۳
۴۷	مولانا شمس اللہ حشمتی	۱۲۵
۴۸	مولانا شمس الہدیٰ	۱۲۷
	ص	

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۴۹	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	۱۳۱
۵۰	مولانا محمد صدیق نوری	۱۳۳
۵۱	مولانا محمد صدیق	۱۳۶
	ض	
۵۲	مولانا حافظ سید ضیاء مصطفٰے	۱۳۹
	ط	
۵۳	مولانا طفیل احمد حشمتی	۱۴۲
	ظ	
۵۴	مولانا قاری محمد ظہور	۱۴۵
	ع	
۵۵	مولانا ملک محمد عارف اللہ	۱۴۸
۵۶	مولانا عبد الجبار اشرفی	۱۴۹
۵۷	مولانا عبد الرب نعیمی	۱۵۱
۵۸	مولانا قاضی عبد الرحیم	۱۵۲
۵۹	مولانا عبد الستار نوری	۱۵۴
۶۰	مولانا عبد العزیز	۱۵۵

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۶۱	مولانا عبد المبین خاں	۱۵۷
۶۲	مولانا عبد المجید خاں رضوی	۱۶۰
۶۳	مولانا عبد المنان بسمل قادری	۱۶۳
۶۴	مولانا عتیق الرحمٰن خاں نعیمی	۱۶۴
۶۵	مولانا عتیق اللہ خاں	۱۷۱
۶۶	مولانا عزیز احمد اشرفی	۱۷۳
۶۷	مولانا ابو القمر عزیز الرحمٰن	۱۷۴
۶۸	مولانا علی احمد بسمل عزیزی	۱۷۶
۶۹	مولانا قاری علی حسن نعیمی	۱۷۸
۷۰	مولانا محمد عیسیٰ انصاری	۱۸۱
	غ	
۷۱	مولانا غلام حسین یار علوی	۱۸۴
۷۲	مولانا غلام شبیر رضا	۱۸۵
۷۳	مولانا غلام عبد القادر علوی	۱۸۶
۷۴	مولانا غلام غوث علوی	۱۹۱
۷۵	مولانا غلام معین الدین	۱۹۴
	ف	
۷۶	مولانا حافظ فتح احمد مصباحی	۱۹۷

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۷۷	مولانا فتح محمد خاں	۱۹۹
۷۸	مولانا فرید احمد عثمانی	۲۰۰
۷۹	مولانا محمد فضل رضوی	۲۰۱
	ق	
۸۰	مولانا مفتی سید قدرت اللہ	۲۰۳
۸۱	مولانا قمر الحسن قمر القادری	۲۰۶
	ک	
۸۲	مولانا کاظم علی عزیزی	۲۱۰
۸۳	مولانا حافظ کریم بخش اشرفی	۲۱۴
۸۴	مولانا کفایت اللہ	۲۱۶
۸۵	مولانا کمال احمد رضوی	۲۱۸
	م	
۸۶	مولانا مجیب اللہ یار علوی	۲۲۱
۸۷	مولانا محمد مستقیم مصطفوی	۲۲۲
۸۸	مولانا محمد مستقیم قادری	۲۲۳
۸۹	مولانا معین الحق علیمی	۲۲۴
۹۰	مولانا معظم علی قادری	۲۲۶
۹۱	مولانا منصور احمد	۲۲۷
۹۲	مولانا منور حسین عزیزی	۲۲۸

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
	ن	
۹۳	مولانا نثار احمد	۲۳۱
۹۴	مولانا نظام الدین	۲۳۲
۹۵	مولانا صوفی نظام الدین	۲۳۳
۹۶	مولانا نعیم اللہ خاں	۲۳۸
۹۷	مولانا محمد نعیم	۲۴۱
۹۸	مولانا نور محمد قادری	۲۴۲
	و	
۹۹	مولانا وارث جمال بستوی	۲۴۵
۱۰۰	مولانا محمد وکیل	۲۴۷
	ہ	
۱۰۱	مولانا محمد ہارون قادری	۲۵۱
	مرتبِ کتاب	
۱۰۲	غلام یحییٰ انجم	۲۵۳

تقریظ

حضرت علامہ شبیر احمد خاں غوری سابق رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی
سررشتہ تعلیم اتر پردیش

تاریخ کا فن مسلمانوں سے پہلے بھی تھا لیکن مسلمانوں نے اسے نئی صیقل و جلا بخشی نہ صرف کماً بلکہ کیفاً بھی۔ بے شمار تواریخ لکھی گئیں جو محض قصۂ خواب آور بے اسکندر و جم پر موقوف نہیں تھیں بلکہ نغمۂ بیداری جمہور پر بھی مشتمل تھیں۔ انھوں نے ہفت کشور علم و دانش کے تاجداروں کے تذکرے بھی مرتب کئے اور پھر ان تذکروں میں تخصص در تخصص کا فریضہ انجام دیا۔ علماء کے تذکرے، شعراء کے تذکرے، صوفیاء کے تذکرے۔ علماء کے تذکروں میں مفسرین کے تذکرے، محدثین کے تذکرے، فقہاء کے تذکرے، لغویین و نحاۃ کے تذکرے، حکماء کے تذکرے، حکماء کے تذکروں میں فلاسفہ کے تذکرے، منجمین کے تذکرے، اطباء کے تذکرے اور پھر ان مختلف اقسام کے اندر جغرافیائی تقسیم، علمائے خراسان، علمائے شام کے تذکرے، علمائے بغداد کے تذکرے جن کی تفصیل تاریخ ادب کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

یہی اندازِ تحقیق لے کر مسلمان ہندوستان میں آئے مگر جن وجوہ سے بھی ہو یہ تنوع باقی نہ رہ سکا۔ زیادہ تر تذکرے شعراء یا صوفیاء کے لکھے گئے۔ ممکن ہے اور تذکرے زمانہ کی ناقدر شناسی کی وجہ سے گوشۂ گمنامی میں مخفی ہو گئے ہوں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ بہت سے بدنصیبوں کا تذکرہ جنھوں نے علم و حکمت کی تحقیق و کاوش میں خون جگر کھایا تھا صفحۂ دہر سے ایسے نسیاً منسیا ہوئے کہ تلاش بسیار کے

باوجود بھی ان کا پتہ نہیں چلتا۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم تونے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے

مسلمان جو علم کی شمع فروزاں لے کر اس ملک میں آئے اس کی روشنی سے شہر ہی نہیں بلکہ قریہ قریہ بقعۂ نور بن گیا بالخصوص پورب کا علاقہ جس کے متعلق شاہجہاں از راہ تفاخر کہا کرتا تھا "پورب شیراز ماست"۔ پورب کے انہیں مواضع میں سے بستی کا ضلع بھی ہے جس کی خاک مردم خیز نے بے شمار افاضلِ روزگار کو جنم دیا مگر ہنوز ان کا کوئی مرتب تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ نوجوان فاضل مولانا غلام یحییٰ انجم جن کا تعلق بستی سے ہے نہ صرف سکونت بلکہ حصول علم کے سلسلہ میں بھی وہاں کے اربابِ علم و فضل کے خوشہ چیں رہے ہیں۔ انھوں نے پورب کے ایک پس ماندہ علاقے کے ان علماء کا نام زندہ کرنے کی کوشش کی ہے جو زمانے کی بے اعتنائی کا شکار ہو چکے تھے۔ فاجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء مجھے امید ہے کہ ان کی یہ کوشش اس قسم کے دوسرے تذکروں کے لئے ہمت افزائی کا باعث ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

شمس الحق محمد

پیش لفظ

ڈاکٹر اختر بستوی شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی

پورے ملک کی سیاسی، مذہبی، علمی یا ادبی تاریخ لکھنا یا ان میں سے کسی ایک میدان میں خدمات انجام دینے والے سارے ملک کے لوگوں کا تذکرہ تحریر کرنا مستحسن کام ہے لیکن چونکہ اس کا پیمانہ بہت ہی وسیع ہوتا ہے اس لئے اس میں ملک کے ہر خطے اور ہر علاقے کے ان تمام افراد کا ذکر نہیں آپاتا جن کی اس مخصوص میدان میں خدمات ہوتی ہیں بلکہ ان میں صرف چند ایسے لوگوں ہی کے ناموں اور کاموں کا ذکر ہو پاتا ہے جو بہت ہی نمایاں ہوتے ہیں، حالانکہ مذکورہ بالا کسی بھی میدان میں مصروف کار ہونے والے تمام اشخاص کی مساعی جمیلہ اور زندگی کی تفصیلات کو تحریری طور پر محفوظ کیا جانا ضروری ہے تاکہ آئندہ نسلیں ان سب سے پوری طرح واقف ہوسکیں اس مقصد کے حصول کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کے چھوٹے چھوٹے حصّوں کا علیحدہ علیحدہ جائزہ پیش کیا جائے اور ہر جائزہ کسی ایک ہی میدان سے متعلق ہو۔ اس سلسلے میں ایک ایک صوبے کو بنیاد بنانا بھی زیادہ سود مند نہ ہوگا کیونکہ اس طرح بھی جائزے کا پیمانہ خاصا وسیع ہو جائے گا۔ اس کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ایک ایک ضلع کا الگ الگ جائزہ لیا جائے۔ صرف اسی صورت میں ہر میدان میں مختلف نوع اور مختلف معیار کے کارنامے انجام دینے ملک کے ہر ہر گوشے کے تمام افراد کے کارہائے نمایاں اور حالاتِ زندگی کا جائزہ ممکن ہوگا۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اب لوگ اس قسم کے ضلعی جائزوں

کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔

بستی، ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے اتر پردیش کا ایک بہت بڑا ضلع ہے۔ اس کا رقبہ بھی بہت وسیع ہے اور اس کی آبادی بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ ضلع معاشی طور پر پس ماندہ ہے لیکن سیاست، مذہب اور علم و ادب کے میدانوں میں مختلف ادوار میں یہاں کی متعدد شخصیتوں کی کارکردگی ناقابلِ فراموش رہی ہے۔ ملک کی جد و جہدِ آزادی کے زمانے میں اس ضلع کی کئی ہستیوں نے زبردست قربانیاں دے کر اور سخت ترین اذیتیں اور صعوبتیں جھیل کر مادرِ وطن کو غلامی کی زنجیروں سے نجات دلانے میں انتہائی اہم رول ادا کیا اور آزادی کے بعد بھی یہاں کے کئی اشخاص ملکی سیاست کے افق پر چاند اور سورج بن کر چمکے۔ مذہبی میدان میں اس ضلع سے تعلق رکھنے والے بہت سے مبلغین اور علماء نے تقریر اور تحریر دونوں کے ذریعے روحانی تعلیمات کو عام کرنے کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کو بھلانا ناممکن ہے۔ میدانِ ادب میں بھی یہاں کے متعدد اہلِ سخن اور اہلِ قلم نے شاعری اور نثر نگاری کا جادو شاندار طور پر جگایا اور اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں اس ضلع کے کئی شعراء اور اُدباء کو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی، لیکن یہ ضلع اس لحاظ سے ابتک انتہائی بدقسمت رہا ہے کہ ان میں سے کسی بھی میدان میں اپنے جوہر دکھانے والے یہاں کے افراد کا مفصل تذکرہ مرتب کرنے کی جانب توجہ نہیں کی گئی۔ بستی ضلع کی بدقسمتی کے اس اندھیرے میں اب ایک مشعل نمودار ہوئی ہے جسے جناب مولانا غلام یحییٰ انجم نے روشن کیا ہے۔ موصوف نے "علمائے بستی" کے نام سے بستی ضلع کے علماء اسلام کا تذکرہ تحریر فرمایا ہے جو کتابی صورت میں چھپ کر منظرِ عام پر آرہا ہے۔

بستی کے علماء کا تذکرہ لکھنے کا کام مولانا غلام یحییٰ انجم جیسے شخص ہی کے ہاتھوں بطرزِ احسن انجام پا سکتا تھا۔ وہ بستی ہی کے رہنے والے ہیں اور علمائے دین ہی کی صحبت میں ان کی تربیت ہوئی ہے، انھوں نے عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ

مبارکپور اعظم گڑھ سے انھوں نے درس نظامی کی تکمیل کی ہے اور پوزیشن کے ساتھ فضیلت کا امتحان پاس کیا ہے مزید برآں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے عربی میں ایم اے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کرکے میڈل حاصل کیا ہے۔ انجم صاحب کی بستی سے نسبت، ان کا خاندانی پس منظر، تربیتی ماحول، عربی زبان کا علم اور ریسرچ (یعنی تحقیق) سے تعلق۔ ان کے وہ اوصاف ہیں جو انھیں بستی کے علمائے اسلام کا تذکرہ لکھنے کے لئے موزوں ترین شخص قرار دینے کی ضمانت ہیں۔ انھوں نے یہ کام اٹھایا اور اسے بڑی خوبی سے انجام دیا۔

"علمائے بستی" میں جن علمائے کرام کا ذکر ہے ان کے حالات زندگی اور کارناموں کی تفصیلات انجم صاحب نے انتہائی محنت اور کاوش سے جمع کی ہیں۔ اس سلسلے میں انھیں تلاش و تحقیق کے جن دشوار گذار مراحل سے گزرنا پڑا ہوگا ان کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنھیں اس قسم کے کاموں سے کبھی واسطہ پڑا ہو۔ اس کتاب میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ بھی قابل قدر ہے اور اس کو پیش کرنے کا انداز بھی لائق ستائش ہے۔ تذکرہ نویسی میں عبارت آرائی کی گنجائش کم ہوا کرتی ہے۔ اس کے لئے ایسا انداز بیان درکار ہوتا ہے جس میں اشکال و ابہام کا شائبہ بھی نہ ہو اور ہر ہر فقرے اور ہر ہر جملے میں وضاحت بیان کی صفت نمایاں ہو۔ انجم صاحب کا اختیار کردہ طرز تحریر اس صفت سے پوری طرح مزین ہے۔ موصوف کی اس کتاب کا یہ وصف اسے خواص و عوام دونوں میں شرف قبولیت دلانے میں معاون ہوگا۔

ہندوستان کے ہر خطے کے علمائے دین میں ہر دور میں ایسے افراد کی بھی اچھی خاصی تعداد رہی ہے جنھوں نے مذہبی خدمات انجام دینے کے ساتھ ادب کے میدان میں بھی اپنی طبع رسا کے جوہر دکھائے ہیں۔ بستی کے علماء کی صفوں میں بھی متعدد ایسی شخصیتیں ہیں جن کا شعر و ادب سے بھی گہرا تعلق رہا ہے مثلاً حضرت مولانا اسلم بستوی، نسیم بستوی اور وارث جمال وغیرہ۔ انجم صاحب نے اپنی اس کتاب میں اس طرح کے علمائے کرام کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے

اس پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے جس کی بنا پر یہ کتاب اور بھی وقیع ہو گئی ہے۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ان کے سامنے جو چیز بھی آتی ہے اس میں وہ محاسن تلاش کرنے کے بجائے معائب ڈھونڈھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس قسم کے لوگ انجم صاحب کی اس کتاب میں یہ عیب نکالیں کہ بستی ضلع کے کچھ اور علماء بھی ہیں جن کا ذکر اس میں شامل نہیں ہے میں ان سے عرض کروں گا کہ اس طرح کا کوئی بھی کام حرف آخر نہیں ہوا کرتا۔

میں نے سطور بالا میں جناب مولانا غلام یحیٰی انجم کے اس کارنامے کو ایک مشعل سے تعبیر کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس مشعل سے فضاؤں میں اجالے بکھریں گے اور لوگ اس سے اکتساب نور کریں گے اس کے ساتھ ہی ساتھ چراغ سے چراغ جلنے کا سلسلہ بھی شروع ہوگا اور اس قسم کی دوسری مشعلیں بھی فروزاں ہوں گی یعنی دیگر میدانوں میں سرگرم عمل ہونے والے بستی کے افراد بالخصوص اس ضلع کے مجاہدین آزادی اور سیاسی رہنماؤں اور شاعروں اور ادیبوں کے علیحدہ علیحدہ تذکرے لکھے جائیں گے۔

مقدمہ

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ ٭ لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا،

خود نیک نہیں تسلیم مگر نیکوں سے محبت کرتے ہیں اس خاص کرم کے بدلے میں امید سعادت رکھتے ہیں

علماء، فضلاء، اور دیگر ارباب علم و دانش کی سوانح لکھ کر بعد کی نسل کے لئے ایک نمونہ عمل پیش کرنا ہر زمانہ میں مستحسن کام سمجھا جاتا رہا ہے۔ عرب مورخین کے علاوہ ہندوستانی مورخین نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے اور بڑی بڑی ضخیم جلدوں میں علماء و فضلاء کے کارناموں کو قلم بند کیا ہے اور ان کی زندگی کے تمام تر پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

عرب مورخین نے سوانح نگاری کے فن میں عجیب عجیب انوکھے انداز اختیار کئے ہیں۔ سنہ وار، صدی وار، اور ملکی و علاقائی علماء کی سوانح لکھنے ساتھ ساتھ ان کے یہاں خودنوشت سوانح کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ اس موضوع پر درج ذیل کتابیں اہم سمجھی جاتی ہیں۔

(١) ابن ندیم (متوفی ٤٣٨ھ) کی "الفہرست"، (٢) خطیب بغدادی (متوفی ٤٦٣ھ) کی "تاریخ بغداد (٣) السمعانی (متوفی ٥٦٢ھ) کی "کتابُ الانساب"، (٤) یاقوت الرومی (متوفی ٦٢٦ھ) کی "مُعجمُ الاُدباء"، (٥) ابن خلکان (متوفی ٦٨١ھ) کی "وفیاتُ الاعیان" (٦) الصفدی (متوفی ٧٦٤ھ)، "الوافی بالوفیات"، (٧) ابن حجر (متوفی ٨٥٢ھ) کی "الدُّرَرُ الکامنۃ لاعیان المائۃ الثامنۃ"، (٨) السیوطی (متوفی ٩١١ھ) کی "حُسْنُ المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاھرہ" (٩) ابن شاکر الکیتی (متوفی ٧٦٤ھ) کی "فوات الوفیات"، (١٠) السخاوی (متوفی ٩٠٢ھ) کی "الضَّوءُ اللامع لاھل القرن التاسع"، (١١) العیدروسی (متوفی ١٠٣٨ھ) کی "النور والسافر عن الاخبار القرن العاشر"، (١٢) الغزی (متوفی ١٠٦١ھ) کی "الکواکب السائرہ باعیان المائۃ العاشرہ"، (١٣) المحبی (متوفی ١٠٦١ھ) کی "خُلاصۃُ الاثر فی تراجم اھل القرن الحادی عشر" (١٤) البیطار (متوفی ١٣٣٥ھ) کی "حِلیۃ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر"

ہندوستانی مورخین نے بھی اس موضوع پر جو کام کیا ہے وہ قابل ستائش ہے، مگر اتنا ضرور ہے کہ بہت سے ہندوستانی مورخین نے سوانح نگاری جیسے پاکیزہ اور لطیف فن میں بھی تعصب اور تنگ نظری کو جگہ دی ہے البتہ بعض حضرات نے سوانح لکھتے وقت انصاف اور دیانت داری کا دامن ہاتھوں سے نہیں چھوڑا ہے۔ ہندوستانی مورخین کی یہ کتابیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق (متوفی ۱۰۵۲ھ) کی "اخبار الاخیار"، میر غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) کی "سبحۃ المرجان" اور "مآثر الکرام"، مولوی رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ) کی "تذکرہ علمائے ھند" اور ان کے علاوہ حکیم عبدالحیٔ رائے بریلوی (متوفی ۱۳۱۴ھ) کی "نزھۃ الخواطر" جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ بعد کے ادوار میں مولانا محمود احمد رضوی کی کتاب "تذکرہ علمائے اہلسنّت" بھی اہمیت کی حامل ہے۔

ان تذکرہ نگاروں نے جو محنت کی وہ یقیناً لائق ستائش ہے مگر اس طرح عمومی طور پر تذکرے لکھنے میں کچھ ایسے افراد مورخ کے قلم سے رہ جاتے ہیں جن کا شمول کتاب میں ناگزیر ہوتا ہے اس لئے صوبائی اور ضلعی پیمانے پر تذکرہ نویسی کا کام انجام دیا جائے تو اس کی گرفت تذکرہ نویسی سے کہیں زیادہ مضبوط ہو سکتی ہے۔ صوبائی پیمانے پر کوئی ایسی کتاب دیکھنے میں نہیں آئی جو صرف علماء کے تذکروں پر مشتمل ہو البتہ ماہنامہ "رفیق" پٹنہ کا علمائے بہار نمبر نظر سے گزرا مگر اس میں بھی سارے علمائے بہار کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے جس کا خاص سبب کام کی وسعت اور دشواری کو ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے ضلعی پیمانے پر کام کا میں نے آغاز کیا ہے تاکہ لوگ اسی کو نمونہ بنا کر اپنے اپنے ضلع کے اکابر علماء کا تذکرہ جمع کریں اور آنے والی نسل ان کی زندگیوں کو مشعل راہ بنا کر اپنی حیات تابناک کر سکے۔ اس چھوٹے پیمانے پر بھی کام کرنے میں جو مشقتیں اور دشواریاں مجھے اٹھانی پڑی ہیں وہ میں ہی جانتا ہوں۔ کن کن مراحل سے گزر کر یہ کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ان کی تفصیل بڑی طویل اور عبرت انگیز ہے لیکن مختصر یہ کہ

سنوار آئے ہیں زلفِ آدمیت   جہاں تک ہاتھ پہونچے ہیں ہمارے

ضلع بستی کے علمار کا تذکرہ معلوم کرنے سے پہلے اس سرزمین کا جائزہ لینا مناسب ہوگا جس سرزمین پر رہ کر ان علمار کرام نے علم و فن کی شمع جلائی اور مادرِ وطن سے جہالت کی تاریکی دور کی۔ ساتھ ہی ساتھ اس ضلع کے حالات، آب و ہوا، اور علمی ماحول کو سمجھنا بھی ضروری ہے تاکہ اس پس منظر میں ان علمار کے حالات پڑھ کر بھرپور لطف اندوز ہوا جا سکے۔

ضلع بستی کی تاریخ اور علمی نشو و نما کے سلسلہ میں میں نے بہت چھان بین کی مگر کہیں کوئی مواد فراہم نہ ہو سکا۔ بالآخر "ہمارا جغرافیہ ضلع بستی" نامی کتاب اور جناب حامد علی صاحب گورکھپوری کا مضمون "ضلع بستی تاریخ کے آئینہ میں" جو ہفتہ وار "بستی کی آواز" میں یکم جنوری ۱۹۸۱ء میں چھپا تھا اسی سے خوشہ چینی کرتے ہوئے اس ضلع کی مختصر تاریخ ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں۔

ضلع بستی دریائے گھاگھرا کے شمال میں واقع ہے۔ اس ضلع کے مشرق میں گورکھپور، مغرب میں گونڈہ، جنوب میں فیض آباد اور شمال میں سرحد نیپال ہے اس ضلع کی کل آبادی ۳۵۷۶۷۸۹ ہے جب کہ کل رقبہ ۷۳۰۹ء۰ مربع کلو میٹر ہے جس میں گھاگھرا کے راستے بدلنے کی وجہ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

ضلع بستی میں کل چھ تحصیلیں ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱	ڈومریاگنج	رقبہ	۱۳۰۷ء۷	آبادی	۴۸۲۴۵۱	گاؤں	۱۰۷۲
۲	نوگڑھ	"	۱۱۷۴ء۶	"	۴۳۸۷۲۱	"	۸۹۳
۳	بانسی	"	۱۰۳۵ء۲	"	۴۱۸۸۸۰	"	۱۱۹۳
۴	ہرّیا	"	۱۲۲۳ء۳	"	۴۴۶۱۵۴	"	۱۵۳۷
۵	بستی	"	۱۳۶۰ء۰۱	"	۵۷۲۲۹۶	"	۱۴۹۴
۶	خلیل آباد	"	۱۳۳۹ء۳	"	۶۲۴۵۸۶	"	۱۴۳۴

بستی ایک ضلع کی صورت میں ۱۸۶۵ء میں سامنے آیا، پہلے یہ گورکھپور میں تھا اس سے پہلے اس خطے کی تاریخ کچھ دھندلی سی ہے، پرانی کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ جنگلات سے ڈھکا ہوا تھا، جنگلی درندوں کی یہاں حکومت تھی لیکن

جو کچھ پران، رامائن اور مہابھارت سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ضلع پہلے کوشل سلطنت میں شامل تھا جس کے حکمرانوں کی ابتدا، منو کے بیٹے اچھواسے ہوتی ہے۔ مسلسل اس خاندان کے متعدد افراد اس علاقہ پر حکمراں رہے اس خاندان کے نیست و نابود ہو جانے کے بعد رام چندر جی کا جب اس علاقہ پر قبضہ ہوا اور انھوں نے جب اپنا راج اپنے لڑکوں اور بھتیجوں میں تقسیم کیا تو ،، کاپتھ ،، نام کا منطقہ لچھمن کے لڑکے انگد کے حصہ میں آیا جس میں یہ ضلع بھی دوسرے اور اضلاع کے ساتھ شامل تھا۔ اس کے بعد کی تاریخ کیا ہے کچھ حتمی طور پر نہیں لکھا جاسکتا البتہ پالی زبان کی چند اہم کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں یہ علاقہ چھوٹے چھوٹے راجاؤں میں تقسیم ہو گیا تھا اس طرح کپل وستو گوتم بدھ کا راج بھی ان ہی میں سے ایک تھا جو نیپال کے جنوبی اور ضلع بستی کے شمالی حصوں پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کپل وستو کے علاقہ پر شک خاندان قابض تھا جس میں گوتم بدھ پیدا ہوئے۔ شک خاندان کے بعد اس علاقہ کی سربراہی نند خاندان کے راجہ مہاپگ کے قبضہ میں رہی مگر چونکہ اس کا طرز عسکری اور جابرانہ تھا اس لئے زیادہ دنوں تک حکومت نہ کر سکا کچھ عرصہ بعد چندر گپت موریہ کے قبضہ میں آیا۔ مختصر یہ کہ اس طرح اشوک، کشن، کنشک، گپت، پرت پار خاندان کے مدبر حکمرانوں نے اس علاقے کی سربراہی کی ہے جس میں یہ ضلع شامل تھا۔

مشہور راجہ چندر گپت بہادری کی وجہ سے جس نے اپنا لقب وکرمادتیہ اختیار کر لیا تھا اس کے پوتے سمندر گپت کی ۴۲۶ تا ۴۷۵ اس علاقہ میں حکومت تھی۔ اس وقت اس علاقہ کی حالت کیا تھی چینی سیاح فاہیان کی زبانی سنئے۔

،، کپل وستو (ضلع بستی کا شمالی حصہ) اجاڑ ہو گیا تھا اور جنگلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ راستوں پر جو جنگلوں سے ہو کر گزرتے تھے ہر وقت شیر، ہاتھی، اور دیگر خطرناک جنگلی جانور گھوما کرتے تھے، صرف کہیں کہیں مزدوروں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں قائم تھیں۔،،

قنوج کے راجہ ہرش وردھن نے اس علاقہ کو زیر نگیں کر کے حکومت کی ہے اور یہ ۶۰۶ تا ۶۴۹ کا زمانہ ہے اس کے مرنے کے بعد پورے ملک میں طوائف الملوکی

کا دور دورہ شروع ہوگیا جو تقریباً پچاس سال رہا لیکن گونڈوا ہو نامی کتاب کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ لیشور دمن نامی راجہ نے ان ایام میں اس علاقہ پر حکومت کی، جب اس علاقہ میں پرت پار خاندان کی حکومت قائم ہوئی تو اس کے تیسرے راجہ مہر طبوج جس کی حکومت ۸۴۱ء سے ۸۹۰ء تک تھی۔ اس علاقہ کی حالت قابل ستائش تھی۔ بڑا ہی امن وامان تھا۔ دولت کی کافی فراوانی تھی۔ یہ مثل جو مشہور ہے " کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو ا تیلی "، اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اس خاندان کا آخری راجہ راج پال تھا اسی کے دور حکومت میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور علاقہ پر سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ فتح و نصرت کے بعد اس علاقے کے سب سے پہلے مسلم حکمراں سید سالار مسعود علیہ الرحمہ ہی ہوئے لیکن محمود غزنوی کے انتقال کے بعد ۱۰۳۰ء میں مقامی باشندوں نے بغاوت کر دی باغیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ۱۰۳۳ء میں وہ شہید ہو گئے اور اس علاقہ میں دوبارہ مقامی راجاؤں کا اقتدار ہو گیا۔ آپ کا مزار اقدس شہر بہرائچ میں مرجع خلائق ہے

۱۱۹۹ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے جب قنوج فتح کیا تو اس وقت بستی، گورکھپور اور گرد و نواح کے تمام علاقے قنوج کی حکومت میں شامل تھے، اس فتح کے بعد تمام علاقہ پر سلطان غوری کی سلطنت اور اس کے بعد مملوک خاندان خلجی خاندان، تغلق خاندان کے حکمراں اس علاقہ پر قابض رہے۔ پندرھویں صدی میں جب بھگتی تحریک کا ہندوستان میں فروغ ہوا تو اس وقت مشہور بھگت کبیر داس (۱۴۴۰ء، ۱۵۱۵ء) نے مگھر بستی مقام پر اپنی زندگی کا آخری حصہ گزارا۔ ان کی تعلیمات کافی عام ہوئیں ان کے معتقدین کا حلقہ وسیع ہوا۔ مگھر ہی میں ۱۵۱۵ء میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں پر دفن ہوئے۔

شہنشاہ اکبر کے زمانے میں اس خطے کی اہمیت بڑھی اور اس پر مغلیہ سلطنت کی توجہ ہوئی۔ اکبر کی فوج نے یہاں کے خود سر راجاؤں کی سرکوبی کرنے کے بعد ان کو مطیع کیا، اکبر کے دورِ حکومت میں اودھ کے صوبے کی پانچ سرکاروں میں گورکھپور

بھی ایک سرکار (کمشنری) تھی جو ۲۴ پرگنوں پر مشتمل تھی اس میں گرد و نواح کے اضلاع سمیت پورا موجودہ بستی بھی شامل تھا۔ گورکھپور میں ایک فوجی چھاؤنی بھی تھی۔ جہانگیر کے وقت تک اس علاقہ پر حکومت مغلیہ کا پورا کنٹرول تھا لیکن افضل خاں کے انتقال کے بعد کچھ اس طرح افراتفری ہوئی جسے اورنگ زیب نے اپنے عہد حکومت میں اپنی مدبرانہ صلاحیتوں سے دور کیا۔ ہوا یوں کہ انھوں نے ۱۶۸۰ء میں ایک لائق افسر قاضی خلیل الرحمٰن کو گورکھپور کا ضلعدار مقرر کیا انھوں نے اپنی دانائی اور ہوشیاری سے تمام سرکش راجاؤں کو اپنے علاقہ سے نکال باہر کیا ان کے ضلع افسر مقرر ہوتے ہی ایک قسم کا نظم و ضبط قائم ہوگیا، سرکاری مال گزاری کی باقاعدہ وصولی ہونے لگی۔ انھوں نے دریائے راپتی کے کنارے خلیل آباد آباد کیا اور گورکھپور سے اجودھیا تک ایک سڑک بنوائی جس کی وجہ سے اس خطہ پر حکومت مغلیہ کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ ایک روایت کے مطابق قاضی صاحب مگہر میں سکونت پذیر تھے اور کچہری خلیل آباد روزانہ گھوڑے سے آیا جایا کرتے تھے۔

۱۷۲۲ء میں جب نواب برہان الملک سعادت خاں اودھ کے صوبہ دار ہوئے تو انھوں نے مضبوط راجاؤں کو کمزور کرنے کی حکمت عملی اختیار کی اس وقت شمالی علاقے کی حالت بہت خراب تھی لوٹ مار قتل و غارت گری عام تھی جب ۱۷۵۰ء میں خان ایک مسلح فوج کے ساتھ یہاں آئے تو انھوں نے سرکش لوگوں کی سرکوبی کی اور انھیں اپنا مطیع و فرمانبردار بنالیا۔

۱۷۶۴ء میں بکسر کی جنگ میں شکست کے بعد شجاع الدولہ اس خطہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نظم و ضبط اور مالیات کا افسر اعلیٰ بناکر میجر ہینے کو بھیجا۔ یہ بڑا ظالم اور سخت دل انسان تھا، اس نے مال گزاری کے وصول میں دلچسپی لی جس میں اس نے ظالمانہ طور طریقے بھی اختیار کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ گاؤں اور کھیت چھوڑ کر بھاگ گئے بالآخر اس علاقے کی حالت بد سے بدتر ہوگئی۔

۱۸۰۱ء میں نواب سعادت علی خاں نے اپنے قرض کی ادائیگی کے عوض میں شمال

کا علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیدیا اس طرح یہ علاقہ بستی سمیت انگریزوں کے زیر اختیار آگیا مسٹر روٹ لیج کو اس علاقہ کی ذمہ داری سونپی گئی انھوں نے یہاں کے حالات پر قابو حاصل کیا اور نئے سرے سے مالیات کے شعبہ کو منضبط کیا اور اپنی حکومت کی توسیع کرتے رہے بالآخر ان کا قبضہ نیپال میں بٹول کے علاقہ تک پھیل گیا، وہاں کے راجہ کو انگریزوں نے قتل کر دیا اور اس راجہ کے ورثانے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا جس کی رو سے وہ پنشن کے حقدار ہو گئے اور بٹول کے علاقہ میں انگریزوں کی عمل داری ہو گئی پھر بعد میں نیپالیوں اور انگریزوں میں کچھ اس قدر انتشار ہوا کہ نوبت جنگ وجدال تک پہنچ گئی۔

۱۸۱۴ء میں جنرل جے۔ ایف وڈ کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی گئی جو ۳ر جنوری ۱۸۱۵ء کو بٹول پہنچ گئی، اس نے نیپالیوں کو ایک معمولی جھڑپ کے بعد پسپا کر دیا ۱۸۱۶ء میں انگریزوں نے دو طرف سے نیپال پر حملہ کر کے اس کو صلح کے لئے مجبور کر دیا اور صلح نامے کی رو سے گنڈک اور سرجو کے درمیان کا تمام علاقہ انگریزوں کے قبضہ میں آگیا اور اس خطے کے لوگوں کی گردنوں میں طوق غلامی پوری طرح پڑ گیا، کچھ دنوں تک لوگوں میں بے چینی اور خلفشار رہا مگر پھر حالات بتدریج معمول پر آگئے۔

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے موقعہ پر یہاں ہنگامی صورت پیدا ہوئی اس موقعہ سے بھی اس علاقہ کے جیالوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کلکتہ فوجیوں کو انگریزوں کے خلاف اکسانے والے منگل پانڈے تھے جو گورکھپور کے ہی رہنے والے تھے اس کے علاوہ جب غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے سارا ملک کوشاں تھا تو اس میں بھی اس علاقے کے زمینداروں، راجاؤں نے انگریزوں کے خلاف صف آرائی کی اور ہر طرح مقابلہ کر کے ان کی افرادی ومعاشی قوت کمزور کر دی۔

اس جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جم گئے اور اور انھوں نے اپنے وفاداروں کو انعام اور وطن کے وفاداروں کو تختۂ دار سے نوازا اور مطمئن ہو کر حکومت کرنے لگے۔ انتظامی سہولت کی خاطر ۶ر مئی ۱۸۶۵ء کو گورکھپور ضلع کی پانچ تحصیلوں کو الگ کر کے بستی کا علیحدہ ضلع قائم کر دیا گیا۔

انیسویں صدی کے آخر میں انڈین نیشنل کانگریس کی قیادت میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی جس نے بالآخر ۱۹۴۷ء میں ملک کو غلامی کی لعنت سے نجات دلائی اس میں بھی اس ضلع کے لوگوں نے پورے جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

آب وہوا کے اعتبار سے یہ ضلع دوسرے اضلاع سے مختلف ہے، اس ضلع میں ہر موسم مناسب اور موافق ہوتا ہے، ترائی کے علاوہ بقیہ حصوں میں جاڑے کا موسم ہوتا ہے اور سردی زیادہ ہوتی ہے۔ گرمی کے دنوں میں زیادہ گرمی اور برسات کے دنوں میں بارش خوب ہوتی ہے، اولے بھی گرتے ہیں، اس ضلع کی زمین زرخیز ہے۔ سال بھر میں کافی بارش ہوتی ہے۔ سینچائی کے لیے جھیلیں، ندیاں، نالے وغیرہ کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اس ضلع میں تین فصلیں ہوتی ہیں خریف، ربیع، زائد، ہر فصل میں مختلف قسم کے اجناس کاشتکار بوتے اور کاٹتے ہیں۔

ضلع بستی کے اندر بہت سی مشہور ومعروف ندیاں ہیں جن کی مٹی نرم اور زرخیز رہتی ہے اس ضلع کی سب سے بڑی ندی گھاگھرا ہمالیہ پہاڑ سے نکلی ہے اور ضلع بستی کی مغربی حد بناتی ہوئی اعظم گڑھ میں داخل ہو کر گنگا ندی سے مل گئی ہے اور اس کے علاوہ آمی ندی برار ندی، بوڑھی راپتی، کنوانوں، یہ تمام ندیاں ضلع بستی کی شہرت کے اسباب میں اہم مقام رکھتی ہیں۔

صنعت کے لحاظ سے اس ضلع میں کپڑے، مٹی اور پیتل کے برتن، جوتے، برف شکر وغیرہ چیزیں تیار ہوتی ہیں اور صنعت کے کچھ تربیتی مراکز بھی قائم ہوئے ہیں۔

تعلیم کے اعتبار سے یہ ضلع ایک اچھا مقام رکھتا ہے، اس ضلع میں تعلیم یافتگاں کی تعداد پہلے ۲۷/۰ فیصد تھی اور اب بڑھ کر ۳۰/۲ فی صد ہو گئی ہے جس میں مردوں کی تعلیم ۲۵ فی صد اور عورتوں کی تعلیم ۵/۲ فی صد ہے۔ اس ضلع میں ایک انٹر

سے زائد پرائمری اسکول اور ہر پانچ میل کی دوری پر جونیر ہائی اسکول اور اس کے علاوہ انٹر کالج اور ڈگری کالج بھی مناسب جگہوں پر قائم ہیں جس کی وجہ سے یہ تعلیم عام وتام ہے۔ یہ سلسلہ کب سے ہے اس کی صحیح تاریخ پردۂ خفا میں ہے اتنا ضرور ملتا ہے کہ کبیر داس (فوت ۱۵۱۵ء) جو ہندی زبان کے اچھے اور مستند شاعر تھے وہ ضلع بستی ہی کے رہنے والے تھے، ان کا زمانہ صدیوں پہلے کا ہے اس سے اس ضلع میں ہندی تعلیم کے رسم ورواج کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ رہا دینی اور مذہبی تعلیم وتعلم کا سلسلہ تو میری معلومات کے مطابق اس کی تاریخ قدیم نہیں بلکہ ابھی دو سو برس پہلے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ممکن ہے کوئی ادارہ دینی تعلیم کے لئے رہا ہو مگر پھر استداد زمانہ کی نظر ہو گیا ہو۔ کتب تواریخ کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جعفر علی (۱۲۱۰-۱۲۸۸ھ) جو سید قطب علی کے لڑکے اور مجھوا میر تحصیل ڈومریا گنج ضلع بستی کے رہنے والے تھے ان کا گھرانا پڑھا لکھا تھا۔ موصوف نے دینی مدارس کے قیام کی جدوجہد کی اور کئی مدرسے اس تعلیم کے فروغ کے لئے کھولے۔ کہا جاتا ہے کہ کرہی کا مدرسہ ہدایت المسلمین موصوف ہی کا قائم کردہ ہے جو دارالعلوم دیوبند سے قدیم ہے مگر ان مدارس میں صرف ایک ہی مکتب فکر کے لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے مذہب اہل سنت وجماعت کی نشر واشاعت کے لئے جو پہلا مدرسہ ضلع بستی میں درس نظامی کی مکمل تعلیم وتدریس کے لئے قائم کیا گیا وہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف ہے جو ایک خدا رسیدہ بزرگ حضرت صوفی شاہ یار علی علیہ الرحمہ کی دینی حمیت اور ان کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ یہ موصوف کے خلوص نیت کا نتیجہ ہے کہ آج ضلع بستی کے بیشتر دینی اداروں میں وہیں کے فارغ التحصیل طلبا دینی خدمات انجام دے رہے ہیں یہ ادارہ ہندوستان میں مذہب اہل سنت وجماعت کی نشر واشاعت میں ایک اہم مقام رکھتا ہے

مکاتب فکری کا لحاظ کئے بغیر دینی مکاتب کی تعداد کتنی ہے ان کی صحیح تعداد بتانی مشکل ہے اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ تقریباً ۵۰۰ اسلامی مکاتب ہیں جو بڑی گرم جوشی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں اور خاص طور سے جب ۱۹۵۱ء میں قاضی عدیل عباسی (متوفی ۱۹۸۰ء) نے "انجمن تعلیمات دین" بستی میں قائم کی اس وقت کئی مکاتب اس

انجمن سے ملحق ہوئے اور ان کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا، ہر مدرسہ کی فہرست موجب تطویل ہوگی۔ یہاں ان چند اداروں کی مختصر فہرست دی جارہی ہے جہاں اردو ذریعہ تعلیم کے ساتھ درس نظامی کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔

۱	دار العلوم فیض الرسول	براؤں شریف
۲	دارالعلوم تدریس الاسلام	بسڈیلہ
۳	دار العلوم تنویر الاسلام	امرڈوبھا
۴	مدرسہ دار الہدیٰ	یوسف پور

جن اداروں میں متوسطات تک تعلیم دی جاتی ہے ان میں مندرجہ ذیل اسماء قابل ذکر ہیں۔

۵	دار العلوم امداد العلوم	مٹہنا
۶	مدرسہ اشاعت الاسلام	بڑھنی بازار
۷	مدرسہ غوثیہ فیض العلوم	بڑھیا
۸	دار العلوم معراج العلوم	بھدوکھر بازار
۹	دار العلوم علیمیہ	جمدا شاہی
۱۰	انجمن معین الاسلام	شہر بستی
۱۱	مدرسہ مفتاح العلوم	ٹکریا
۱۲	مدرسہ اتحاد قوم	مینا پرسا
۱۳	مدرسہ انوار العلوم	پرساعماد
۱۴	الجامعۃ الاسلامیہ	تلکھنا

ضلع بستی کے اندر علماء، شعراء اور اصحاب صنعت وحرفت کے علاوہ ملکی اور ملی سیاست سے تعلق رکھنے والے افراد کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ بزرگان دین جو کسی قوم علاقہ اور ملک کے استحکام اور بقا کی ضمانت ہوتے ہیں ان کی اس ضلع میں اچھی خاصی

تو اد ہے۔ تمام علوم و فنون کے ماہرین پر قلم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ سردست میں اس ضلع کے ان علماء و فضلاء کا تعارف کرا رہا ہوں جن کے دم قدم سے ضلع بستی کے اندر مذہبی اور دینی تعلیم کی شمع روشن ہے۔

قارئین کے ذہن میں یہ سوال ضرور سر اٹھا رہا ہوگا کہ جب اس ضلع میں متعدد علوم و فنون کے ماہرین پائے جاتے ہیں تو صرف جماعت اہل سنت کے علماء کو کیوں موضوع قلم بنایا گیا اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا جا سکتا ہے مگر یہاں اتنا جاننا چاہیے کہ میں نے خود اپنی علماء کرام کی جھرمٹ میں رہ کر علوم کی تکمیل کی ہے اور زندگی کا بیشتر حصہ انہی کے درمیان رہکر گزارا ہے اور ان ہی کے حالات حاصل کرنا میرے لئے کسی حد تک متوقع نظر آیا اس لئے اسی کو میں نے موضوع قلم بنانے میں اوّلیت دی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ضلع بستی کی سرزمین جو پہلے کفر و ظلمت کی وادی بنی ہوئی تھی یہ علماء کرام ہی ہیں جنھوں نے شبانہ روز کوششوں سے اس ضلع کے اندر اسلامی پرچم بلند کیا اور شریعت پر چلنے اور اس کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کا سلیقہ بتایا اور یہی وہ علماء کی مقدس جماعت ہے جس کی موت کو عالم کی موت کہا گیا ہے۔ ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے "مَوْتُ العَالِمِ مَوْتُ العَالَمِ"۔ ایسا کیوں نہ ہو اس لئے کہ اس مقدس جماعت نے شمع کی طرح پگھل کر معرفت خداوندی حاصل کرنے کی سعی کی ہے۔

پئے علم چوں شمع باید گداخت | کہ بے علم نتواں خدا را شناخت
پگھلنا علم کی خاطر مثال شمع زیبا ہے | بغیر اس کے نہیں پہچان سکتے ہم خدا کیا ہے

دنیا میں قدیم و جدید علوم کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان کا احاطہ مشکل ہوگا مگر علم دین کے بارے میں کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے یہ مسلّم ہے کہ دینی تعلیم کو بقدر ضرورت فرض قرار دیا گیا ہے اور اس کے ماہرین کو بلند مقام بخشا گیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور نااہل کو علم سکھانے والا ایسا ہے جیسے خنزیر کے گلے میں موتی اور سونے کا ہار پہنانے والا" (ابن ماجہ مشکوٰۃ)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ علم سے مراد مذہبی علوم جن کا حاصل کرنا بندہ کے لئے ضروری ہے جیسے خدا تعالیٰ کو پہچاننا، اس کی وحدانیت، اس کے رسول اکرم کی نبوت کی شناخت اور ضروری مسائل کیساتھ نماز پڑھنے کے طریقے کو جاننا، اس لئے کہ ان چیزوں کا علم فرض عین ہے اور فتویٰ و اجتہاد کے رتبہ کو پہنچنا فرض کفایہ ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکواۃ ۱/۲۳۳)

ایک دوسری حدیث حضرت معاویہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایک فقیہہ یعنی ایک عالم دین شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

(ترمذی، مشکواۃ)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور انھیں علم دیا گیا ہے، اللہ ان کے مراتب بلند کرے گا۔ (بخاری)

انھیں سے ایک اور روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک گھڑی علم دین کا پڑھنا پڑھانا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ (دارمی، مشکواۃ)

یہ چند احادیث علم دین کی فضیلت سے متعلق میں نے اس لئے لکھی ہیں تاکہ قارئین بآسانی فیصلہ کر سکیں کہ میں نے تمام دانشوروں سے قطع نظر ان ہی علماء کی جماعت کو کیوں موضوع قلم بنایا ہے۔

ترتیب کتاب سے پہلے بلا لحاظ مسلک تمام معیاری اور مشہور علماء کا تذکرہ لکھنے کا ارادہ تھا، اس سلسلے میں ان تمام علماء سے ۱۹۸۰ء میں خط و کتابت شروع کر دی جن کے پتے مختلف ذرائع سے دستیاب ہو سکے۔ رسائل میں اشتہار بھی دیا۔ ہندوستان کا شاید ہی ایسا کوئی گوشہ ہو جہاں میرے خطوط "علمائے بستی" سے متعلق نہ پہنچے ہوں۔ اس کتاب کی ترتیب میں اس کا خیال ضرور کیا گیا ہے کہ جن سے میری ملاقات ممکن تھی ان سے میں نے ملاقات کر کے براہ راست تعارف حاصل کیا ہے اور جو علماء پردہ فرما چکے ہیں ان کے پس ماندگان سے ان کی تفصیل جاننے کی کوشش کی ہے۔ مراسلات کی حیثیت ہمارے یہاں ثانوی ہے، پھر اس

تگ و دو میں آٹھ سال کا وقفہ گزارنے اور مسلسل خط و کتابت اور یاددہانی کے باوجود چند علماء ایسے رہ گئے ہیں جن کا تذکرہ اس کتاب میں ناگزیر ہے اور بعض حضرات تو ایسے ہیں کہ جن سے صرف ملاقات اور تعارف حاصل کرنے کی غرض سے علی گڑھ سے ان کے مقام تک کا سفر کیا مگر وہ عدیم الفرصتی کا عذر کر کے بعد میں ارسال کرنے کا وعدہ کر بیٹھے جس کی تکمیل آج تک نہ کر سکے۔ لہٰذا احباب متعلقین میں سے کسی کا تذکرہ رہ گیا ہو تو کسی آخری نتیجہ تک پہنچنے سے پہلے اس پہلو پر ضرور غور کر لیں اور اس سلسلہ میں مجھے معذور سمجھیں ؎

والعذر عند کرام الناس مقبولُ

جب میں اس کتاب کی ترتیب کے ابتدائی مرحلہ میں تھا تو ارادہ یہ تھا کہ اب تک کے تمام فارغین علوم اسلامیہ کو اس کتاب میں شامل کر لوں گا مگر میرا یہ ارادہ طباعت، کتابت اور دیگر اخراجات کے لحاظ سے انتہائی دشوار گزار تھا اس لئے مجبوراً مجھے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا اور جلد اوّل کر کے یہ کتاب شائع کرنی پڑی تاکہ وہ علماء جو اپنی تساہلی، عدیم الفرصتی یا اور کسی وجہ سے اب تک تعارف نہیں دے سکے ہیں وہ اگر انھوں نے اپنا تعارف دیا تو جلد دوم میں انھیں شائع کر دیا جائے گا۔

اس کتاب کی ترتیب میں ایک بڑا دشوار مرحلہ یہ تھا کہ ضلع بستی میں علماء کی تعداد بہت زیادہ ہے، سب کو شریک کتاب کرنا ممکن نہیں اس لئے میں نے بستی کے علماء کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے صرف دو حصوں کو شامل کتاب کیا ہے، بعض حضرات نے ڈاک کے ذریعہ اپنے تعارف ارسال کئے، اگر وہ میرے معیار پر پورے اُترے تو انھیں شامل کتاب کیا گیا ورنہ نہیں۔

ذیل میں وہ تقسیم دی جا رہی ہے جس کے پیش نظر علماء کے انتخاب میں مجھے سہولت ملی ہے

(۱) اول وہ افراد جنھیں دینی و مذہبی معلومات کی بنا پر عوام انھیں عالم کہتی ہے مگر وہ درحقیقت مستند نہیں، اگرچہ وہ اپنی معلومات کے سہارے دین متین کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل رہے، ایسے لوگوں کا ذکر کہیں کہیں حواشی میں کر دیا گیا۔

(۲) وہ افراد جنھوں نے ایک طویل مدت تعلیم میں صرف کی اور درس کی تکمیل کے بعد

انھیں سند فضیلت تفویض ہوئی مگر کسی وجہ سے انھوں نے درس و تدریس کا شغل نہیں جاری رکھا اور گھریلو معاملات میں الجھ کر رہ گئے۔

(۳) وہ افراد جنھوں نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد سند فضیلت اور دستار فراغت حاصل کی مگر وہ مکتب میں صرف درجات تحتانیہ کے استاد رہے۔

(۴) وہ افراد جنھوں نے انتہائی محنت اور لگن کے ساتھ درس نظامی کی تکمیل کر کے سند حاصل کی اور عربی مدارس میں متوسطات یا اعلیٰ درجات کے استاد رہے۔

(۵) وہ افراد جنھوں نے سند تکمیل حاصل کی مگر درس و تدریس کے فرائض انجام نہیں دیئے لیکن اپنی تقریری، تحریری اور دیگر صلاحیتوں کے ذریعہ دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دیا اور انھیں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔

زیر نظر کتاب میں میں نے مؤخر الذکر دو طبقوں یعنی چہارم اور پنجم کو کتاب میں شامل کیا ہے ناموں کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے رکھی ہے۔ اگر اس کتاب کی دوسری جلد میں عمومیت کا لحاظ رکھا گیا تو ہر فارغ التحصیل کے تذکرے کو جگہ دی جائے گی۔ وہ تمام حضرات جنکے تعارف میرے پاس آئے اور وہ معیار پر نہیں اترے انھیں بھی جلد دوم میں شامل کیا جائیگا۔

اس کتاب کی ترتیب میں ہمارے وہ چند اکابر علما جن کا تعلق ضلع بستی سے وطنی نہیں مگر ان کا تذکرہ ضمناً آیا ہے تو بعض مقامات پر ان حضرات کا پورا نام نہیں لکھا گیا ہے، صرف القاب لکھ دیئے گئے ہیں جیسے حضرت علامہ مفتی شاہ امام احمد رضا خاں کے لئے " اعلیٰ حضرت " شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں کے لئے " مفتی اعظم ہند " حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی کے لئے " شیر بیشۂ اہل سنت " اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قادری علیہم الرحمۃ والرضوان کے لئے " مجاہد ملت " لکھا گیا ہے، اور مولانا عبد العزیز مرادآبادی کیلئے حضور حافظ ملت لکھا گیا ہے

زیر نظر کتاب " علمائے بستی " یعنی ضلع بستی کے سینکڑوں علماء کا مختصر تعارف جسے میں آپ کی جناب میں دشوار گزار مراحل سے گزار کر پیش کیا ہے یہ میری ایک حقیر کاوش ہے۔ اہل نظر سے مخلصانہ اپیل ہے کہ اگر اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی خامی نظر آئے تو اسے میری نو آموزی پر محمول کرتے ہوئے فوراً مطلع کریں کرم ہوگا۔ خلوص کا تقاضا یہی ہے۔

آخر میں اپنے اُن تمام معاونین کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب اور اسے منظرعام پر لانے میں تعاون فرمایا۔ علامہ شبیر احمد خاں غوری اور ڈاکٹر اختر بستوی کا خصوصی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ ان حضرات نے کرم فرما کر اپنی گراں قدر آرا سے نوازا۔ استاذ گرامی مولانا لیٰسین اختر مصباحی کا بے حد ممنون ہو کر انھوں نے مسودہ پر نظر ثانی فرمائی۔

حضرت مولانا اسلم بستوی، مولانا قمر الحسن، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا شمس الہدیٰ اور مولانا محمد مستقیم مصطفوی کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ ان حضرات نے میری ہر مشکل کو آسان کیا اور ہر موڑ پر میرا بھرپور تعاون کیا۔

سیٹھ احسان اللہ عرف پہلوان سیٹھ، قاضی ظہیر بھائی، سیٹھ نور محمد اور مولانا معین الحق علیمی کا بھی بہت شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے مسودہ کو کتابی شکل دینے کیلئے کچھ مالی تعاون فرمایا۔

علی گڑھ کے بعض کرم فرماؤں کا خصوصی طور سے شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس کتاب سے متعلق مفید دیئے اور علمی کاموں میں میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے ہیں جن میں استاذ گرامی ذو المجد والمعالی حافظ ڈاکٹر عبد العلیم خاں شعبۂ دینیات اور استاذی المحترم ڈاکٹر عبد الباری شعبۂ عربی اور احباب میں بھائی قمر الہدیٰ فریدی شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

فجزاھم اللّٰہ خیر الجزاء فی الدنیا والآخرۃ

تاریخ: ۲۱ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
مطابق: ۱۶ ستمبر ۱۹۸۷ء

غلام یحییٰ انجم
استاذ شعبۂ دینیات
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱

مولانا آفتاب احمد خان

لمبا قد، پکا رنگ، باوقار چہرہ، ستواں ناک، عظیم الجثہ، لپٹی داڑھی، مزاج میں گرمی، گفتگو جذبات سے پُر، اپنوں میں نرم، غیروں میں سخت، یہ ہیں مولانا آفتاب احمد قادری بن شہرت علی خاں قادری۔

۱۷ر مئی ۱۹۵۸ء کو مقام لبڑیلہ پوسٹ چایکلاں ضلع بستی کے ایک کسان گھرانے میں پیدا ہوئے۔

ابتداءً والدین نے دینی علوم حاصل کرنے کے لئے گاؤں کے مدرسہ دار العلوم تدریس الاسلام میں داخل کر دیا جہاں آپ نے پرائمری کی تکمیل کی پھر وہیں مولانا اعجاز احمد ندوی و مولانا حافظ عبدالشکور گیاوی کی خدمات میں رہ کر ہدایہ اولین اور مشکوۃ شریف تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد معقولات پڑھنے کے لئے الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد مولانا شبیر حسن صاحب کے پاس چلے گئے، ان سے صدرا، حمد اللہ کا درس لیا مگر جب بھرپور سیرابی ہوتی ہوئی نظر نہ آئی تو الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لیا جہاں انھوں نے مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی، علامہ ضیاء المصطفٰے صاحب قادری اور مولانا محمد شفیع صاحب ناظم جامعہ کے زیر نگرانی ۲ سال رہ کر معقولات میں تخصص حاصل کیا، پھر راقم السطور کے ہمراہ ۲۸ر اپریل ۱۹۷۸ء کو دستار فضیلت حاصل کی، تعلیمی سال کی تکمیل اور اختتام امتحان کے بعد سند ملی

مولانا آفتاب احمد صاحب انتہائی چست اور ذی ہوش آدمی ہیں، منطق وفلسفہ سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہیں، اختصاص فی المعقولات آپ کی اس موضوع سے وابستگی کا بہترین ثبوت ہے

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ اشرفیہ سے مولانا محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد یٰسین اختر صاحب مصباحی کے توسط سے جامعہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم ادری اعظم گڑھ کے صدر مدرس ہو کر گئے، وہاں ڈھائی سال تک تعلیم دی پھر مدرسہ نور العلوم ٹنڈوا (بستی) آگئے، یہاں چند ہی ماہ رہ سکے تھے کہ کچھ نامساعد حالات کی بنا پر اسے بھی خیرباد کہہ کر دار العلوم فاروقیہ

مدہ نگر گونڈہ میں انچارج صدر المدرسین کی حیثیت سے اراکین ادارہ کے پیہم اصرار پر آنا پڑا،
اِس وقت بھی اسی حیثیت سے بھرپور لگن کے ساتھ وہاں کام کر رہے ہیں۔

مولانا محمدؐ احمدؔ

سڈول بدن۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں، بھری ہوئی داڑھی، ہنس مکھ، گول چہرہ، متوسط قد، کشادہ پیشانی، یہ ہیں مولانا محمد احمد رضوی بن مولانا سمیع اللہ بن سعد اللہ صدیقی بن ضیاء اللہ صدیقی۔

یکم جنوری ۱۹۵۷ء میں مقام چرکھوا پوسٹ بعدد کھر بازار ضلع بستی میں صدیقی گھرانے میں ولادت ہوئی۔ آپ کی ولادت کے سال آپ کے والد گرامی مدرسہ ہدایت الاسلام موضع بھاں ضلع گونڈہ میں ہیڈ مدرس تھے۔ جب آپ سنِ شعور کو پہنچے تو والد گرامی آپ کو علمی تربیت دینے کے لئے بھاں لے گئے، وہاں آپ نے درجہ پنجم پاس کیا پھر مخزن العلوم بھاؤپور میں داخل ہو گئے۔ مولانا آغا حسن قادری سے گلستاں کا درس لیا اور دیگر اساتذہ سے اس کی متبادل کتابیں پڑھیں، جب آپ امداد العلوم مٹہنا میں داخل ہوئے اس وقت مولانا عبد الرحمٰن تلشی پوری منصب صدارت پر فائز تھے، وہاں آپ نے ان کی نگرانی میں کافیہ تک پڑھا۔ ۱۹۷۰ء میں دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں داخلہ لے لیا۔ مولانا بدر الدین احمد صاحب کی سرپرستی میں نحومیر سے کافیہ تک دوبارہ تعلیم حاصل کی، اس طرح علم نحو میں مہارت حاصل کرلی۔ ۱۹۷۳ء میں اس ادارہ کو چھوڑ کر دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا بازار گونڈہ آگئے ۱۹۷۶ء تک یہاں زیر تعلیم رہے۔
۱۹۷۷ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور پہنچے، وہاں کی فضا راس نہ آنے کی وجہ سے ایک ہی سال میں فضل رحمانیہ واپس آکر درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۹۷۸ء میں سندِ تکمیل (درس نظامی) انھیں تفویض ہوئی۔

جس مدرسہ میں آپ نے تعلیم حاصل کی تھی اس کی جب توسیع ہوئی تو فراغت کے بعد وہیں

صدر المدرسین کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا۔ اس وقت بھی آپ اسی ادارہ میں تعلیمی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد احمد نے دار العلوم فضل رحمانیہ کی مدتِ قیام میں منشی، مولوی، عالم الہ آباد بورڈ کے امتحانات بھی دیئے۔ اب تو غالباً فاضل کا بھی امتحان پاس کر چکے ہیں، جس زمانہ میں موصوف اشرفیہ میں زیر تعلیم تھے، راقم الحروف سے بھی علمی بحث و مباحثے ہوتے رہے۔ موصوف بہت خلیق اور ملنسار انسان ہیں۔ حق بات کو تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے۔ پیشرو علماء کے طرز زندگی کو اپنے لئے نمونۂ عمل سمجھتے ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند سے ۱۹۷۱ء میں شرف بیعت وارادت حاصل کیا اسی لئے نام کے ساتھ "رضوی" لکھتے ہیں۔

مولانا اختر حسین

مولانا اختر حسین ضلع بستی کی تحصیل خلیل آباد کے مشہور گاؤں دیوریالال کے ایک خوشحال گھرانے میں ۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو پیدا ہوئے، درجہ پنجم تک پرائمری اسکول ہندی تعلیم اردو میڈیم سے حاصل کی۔ اس کے بعد جونیر ہائی اسکول میں داخل ہوئے لیکن چونکہ گھر کا ماحول دینی تھا بالخصوص والد گرامی جدید تعلیم سے بہرہ مند ہونے کے باوجود دین کا خالص رجحان رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے جونیر ہائی اسکول سے تعلیمی رشتہ منقطع کرا کے ضلع کے مشہور دینی و تعلیمی ادارہ دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ میں داخلہ کرا دیا اور اسی ادارے سے درجہ مولوی تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد ضلع فیض آباد کی مشہور درسگاہ دار العلوم منظر حق ٹانڈہ سے درجۂ عالم پاس کیا پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دار العلوم اشرفیہ مبارکپور پہنچے وہاں درس نظامی کی تکمیل کر کے درجۂ فضیلت پاس کیا اور فضیلت کی دستار و سند حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ میں استاذ العلماء حضور حافظ ملت، شمس العلماء قاضی شمس الدین جونپوری حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی، مولانا اعجاز احمد اعظمی، مولانا حافظ عبد الشکور گیاوی مولانا ظہیر الحسن اعظمی وغیرہم ہیں۔

حضرت شمس العلماء سے اکتساب علم وعرفان، حضور حافظ ملت کا فیضان اور حافظ عبد الرؤف کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اثر ہے کہ مولانا موصوف ایک باصلاحیت عالم اور صاحب استعداد مدرس کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔

مولانا معاشی حالت سے یکسر بے نیاز ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لئے خلیل آباد میں کپڑے کی دوکان کھولی جسے ۴ سال تک نہایت کامیابی سے چلاتے رہے لیکن اس تجارتی شغف کے باعث علمی مشاغل سے یکسر دوری تکلیف دہ ثابت ہوئی جس کی وجہ سے دوکان اپنے چچا زاد بھائی کے سپرد کرکے خود اس سے دست بردار ہو گئے اور ارکان دار العلوم تدریس الاسلام کی خواہش پر دار العلوم کی تدریسی خدمت قبول کرلی جو منشا کے عین مطابق تھی۔ یہاں تین سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ درس دیتے رہے لیکن والد بزرگوار کی پیرانہ سالی کی وجہ سے ان کا بار کچھ کم کرنے کے لئے وسیع وعریض آراضی کی دیکھ بھال اور زراعت کی نگرانی میں والد صاحب کا ہاتھ بٹانے لگے اور کچھ ہی دنوں میں والد ماجد کو زرعی کاموں سے بالکل بے نیاز کر دیا اس طرح ایک بار پھر علمی مشاغل سے دور ہو گئے جس سے آپ کو کافی تکلیف ہوئی لہذا کچھ ہی دنوں بعد قریب کے موضع چاپی کلاں کے مدرسہ تنویر الہدیٰ میں اعزازی طور پر چند اسباق کا درس دینے لگے اس طرح رفتہ رفتہ تدریسی کام بڑھتا گیا اور زراعتی کام کم ہوتا گیا یہاں تک کہ مدرسے کے ہو کر رہ گئے اگرچہ روز اول سے تاہنوز مولانا تدریسی کام کو صرف اعزازی حیثیت سے انجام دیتے ہیں لیکن ارکین مدرسہ کے پیہم اصرار کی وجہ سے برائے نام تنخواہ بھی لیتے ہیں مگر اصل منشا دین کی بے لوث خدمت کرنا ہے۔ بلاشبہ مولانا اپنے اس جذبہ کے باعث اپنی صف کے تمام علماء میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے پناہ مال و دولت بھی نوازا ہے لیکن بے لوثی کا یہ جذبہ مولانا کی فطرت میں خاص طریقہ سے ودیعت کیا گیا ہے

آپ سے پہلے تنویر الہدیٰ کی حیثیت ایک مکتب کی تھی لیکن آپ کے آنے سے اسے اس قدر فروغ ہوا کہ وسیع وعریض آراضی پر اس کی تعمیرات کا سلسلہ پھیلتا جا رہا ہے اور تعلیم بھی ناظرہ سے بڑھ کر منشی، مولوی کے زینوں کو پار کرتے ہوئے درجہ عالم تک پہنچ چکی ہے

مولانا محمد ادریس

مولانا محمد ادریس ابن الحاج محمد سلیم بن محمد اسلام بن رحمت علی بن بلاطو بن بکانی قصبہ ہنداول ضلع بستی میں ایک اندازے کے مطابق ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے۔

قصبہ کے مدرسہ میں تعلیمی سلسلہ کا آغاز ہوا۔ بسم اللہ خوانی منشی محمد سلیم مرحوم نے کرائی، اس کے بعد مولانا محمد فاروق فیض آبادی کی صحبت اختیار کی اور ان سے کسب فیض کیا، حضرت مولانا صوفی نظام الدین صاحب سے گلستاں، بوستاں کا درس لیا جب آپ ۱۹۵۲ء میں تدریس الاسلام بڈیلہ میں داخل ہوئے تو ذہن وشعور میں اور بالیدگی پیدا ہوئی۔ مولانا اعجاز احمد صاحب صدر المدرسین کے زیر سایہ رہ کر کافیہ، مرقات، منیۃ المصلی وغیرہ پڑھیں ۱۹۵۷ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارکپور پہنچے جہاں پورے پانچ سال مصروف تحصیل رہے۔ آپ نے درج ذیل اساتذہ سے کسب علم کیا۔

استاذ العلماء مولانا حافظ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ

فخر الاماثل حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری علیہ الرحمۃ

شمس العلماء حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری جونپوری علیہ الرحمۃ

حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ

حضرت مولانا مظفر حسن صاحب ظفرادیبی

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی

حضرت مولانا سید حامد اشرف صاحب کچھوچھوی

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ نے تجارت کرنی شروع کر دی اور اس میں کافی حد تک کامیاب رہے مگر احباب نے آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر تدریسی خدمت کا مشورہ دیا، چنانچہ احباب کے مشوروں کے پیش نظر ۱۹۶۵ء میں دار العلوم فیض الاسلام ہنداول میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہو گئے اور اب تک اس ادارہ کی تدریسی و انتظامی خدمات آپ کے سپرد ہیں، ۱۹۸۱ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کے نائب ناظم بھی مقرر ہوئے، اس عہدہ کی متعلقہ خدمات بھی

بحسن وخوبی انجام دیتے رہتے ہیں
مولانا محمد ادریس صاحب بیک وقت کئی صلاحیتوں کے مالک ہیں، ایک عمدہ خطیب اور بہترین مدرس ہونے کے ساتھ سیاسی وصحافی مذاق بھی رکھتے ہیں علوم متداولہ میں معقولات اور تاریخ سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں، آپ کی خطابت کا بھی دین وسنّیت کی تبلیغ میں موثر کردار ہے
مولانا محمد ادریس ایک متحرک وفعال شخص ہیں ان ہی صلاحیتوں کے پیش نظر اراکین اشرفیہ نے آپ کو نائب ناظم منتخب کیا اور ہنداول میں "انجمن تحفظ ناموس رسالت" کے صدر ہوئے
مولانا زبان وقلم دونوں کے دھنی ہیں، آپ کا رسالہ " ہنداول سے او نچہرا تک " جس میں دیوبندی جماعت کے تحریری مقابلہ کی رپورٹ درج ہے، ۱۹۷۶ء میں گورکھپور سے شائع ہوا ہے مگر کسی دیوبندی عالم سے اس کا جواب نہ ہو سکا
اس کے علاوہ متعدد موضوعات پہ مختلف کتابیں زیر ترتیب ہیں اور بعض مراحل ترتیب سے گزر کر طباعت کی منتظر ہیں۔

مولانا اسلم بستوی

حساس دل. بشاش چہرہ. لمبے ہاتھ. ستواں ناک. چمکدار آنکھیں. چوڑی پر شکن پیشانی کھچڑی بال، لمبی داڑھی، عظیم الجثہ، طویل القامت، تیکھے نقوش، سیمابی مزاج، خاموشی میں سنجیدگی، تکلم میں بذلہ سنجی، متنوع ومرنجاں مرنج، بہترین ادیب، عمدہ نقاد مولانا اسلم بستوی۔
اصل نام محمد اسلم ابن محمد اشرف (مرحوم) ہے، خلیل آباد تحصیل کے مردم خیز گاؤں دیوریالال میں (اسکول کی سرٹیفکٹ کے اعتبار سے ۱۹۴۶ء میں) پیدا ہوئے۔
ابتدائی تعلیم درجہ پنجم تک موضع لبڈیلہ کے مکتب میں حاصل کی اور وہیں کے مدرسہ تدریس الاسلام سے فارسی وعربی کی تعلیم درجہ مولوی تک حاصل کی، درجہ عالم کی کتابیں دار العلوم علیمیہ دامودر پور منظر پور میں پڑھیں، مزید فنون دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں

حاصل کیے، امتحانات عربی و فارسی سرشتۂ تعلیم اتر پردیش الہ آباد بورڈ سے عالم و فاضل کے امتحانات پاس کیے۔

آپ کے قابل ذکر اساتذہ (۱) استاذ العلماء جلالۃ العلم حضور حافظ ملت جن سے آپ نے حدیث، تفسیر، و فقہ کی تعلیم حاصل کی اور آپ ہی کے فیضان نظر سے شعور دین و دانش کو پختگی بھی حاصل ہوئی، (۲) حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب بلیاوی سے اصول حدیث، تفسیر و فقہ، عقائد و کلام، ہیئت و فرائض، منطق و فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، (۳) مفتی عبد المنان صاحب سے عربی ادب اور علم بلاغت و عروض حاصل کیا مزید اردو ادب میں بھی ان کی حوصلہ افزائیوں نے کافی سہارا دیا۔ ان کے علاوہ مولانا عبد الرشید مونگیری، مولانا محمد کاظم علی عزیزی بستوی، مولانا ظہیر الحسن صاحب اعظمی، مولانا اعجاز احمد خاں اعظمی وغیرہم سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

فراغت کے بعد ۱۹۶۶ء میں بحکم حضور حافظ ملت (علیہ الرحمہ) جامعہ انوار العلوم تلسی پور ضلع گونڈہ میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لائے اور وہاں آپ نے مسلسل چار سال تک دورۂ حدیث کی تعلیم دی، پھر حسان الہند جناب بیکل اتساہی کے اصرار اور ڈاکٹر عبد المجید اور مولانا غلام محمد عزیزی کی مخلصانہ کوششوں پر حضور حافظ ملت سے اجازت لے کر جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور گونڈہ میں فقیہ عصر حضرت مولینا مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی کی نیابت میں علمی و تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے ۱۹۶۹ء میں آئے، ۱۹۷۵ء میں مفتی صاحب کے بلرامپور چھوڑنے کے بعد بھی آپ اب تک اس ادارۂ مذکور میں نائب شیخ الحدیث کی حیثیت سے چلے آرہے ہیں، مفتی صاحب کے دوران قیام آپ نے فقہ و فتویٰ کی بہت سی غیر درسی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا اور مفتی صاحب کی کرم فرمائی سے افتاء کا کام بھی انجام دیتے رہے جو تادم تحریر جاری ہے۔

مولانا اسلم بستوی ایک متنوع شخصیت کا نام ہے، کسی حلقہ میں مقرر، کہیں اچھے صحافی اور کہیں ایک شاعر کی حیثیت سے متعارف ہیں، نثر ہو یا نظم دونوں میں آپ کو یکساں قدرت ہے۔

مولانا کی شاعری کے متعلق بجائے اس کے کہ میں کچھ لکھوں ڈاکٹر اختر بستوی کا تبصرہ برمحل ہوگا لکھتے ہیں

"اسلم بستوی صاحب کے کلام کا بہت بڑا وصف اس میں صالح منطقی شعور کی کافی فراوانی ہے، وہ اکثر اپنے اشعار میں جو باتیں کہتے ہیں ان کے لئے انتہائی روشن دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں .... اسلم صاحب کے کلام میں منطقی شعور کی تابکاری سے جگنوؤں کی طرح دمک اٹھنے والے اشعار خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ ...... حقیقت یہ ہے کہ اسلم بستوی کی شاعری کی تاب و تپش جذبے اور فکر کی حرارتوں کی آمیزش کا نتیجہ ہے۔"

مولانا موصوف نے ہر قسم کے مضامین پر طبع آزمائی کی ہے، سنجیدگی سے لیکر مزاح نگاری تک، سیاست، صحافت، مذہب، ادب کے موضوعات پر لکھتے رہے جو ماہنامہ صبح نو پٹنہ، ماہنامہ گلستاں دہلی، ماہنامہ بیسویں صدی دہلی میں ایم اسلم، ایم اے بستوی، الف بستوی اور اسلم بستوی مختلف قلمی ناموں سے چھپتے رہے۔

فن خطابت میں بھی آپ نے زبردست شہرت حاصل کی ہے، اپنے افکار و خیالات کو جلسۂ عام میں پیش کرنے کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو گورکھپور، رام پور، لکھنؤ، اور پٹنہ کے ریڈیو اسٹیشنوں سے پیش کرتے رہتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں حکومت پاکستان کی دعوت پر ہماری حکومت نے آپ کو ایک وفد کے ہمراہ کراچی "عالمی کانفرنس" میں شرکت کے لئے پاکستان بھیجا جہاں آپ نے ایشیاء، افریقہ، عرب، امریکہ اور یورپ کے ۲۷ ملکوں کے مندوبین سے خطاب کیا اور وہاں سے آپ نے نقرئی تمغہ اور انٹرنیشنل ایوارڈ حاصل کرکے نہ صرف ضلع بستی بلکہ پورے ملک کا نام روشن کیا۔ اس کی اطلاع ہند و پاک کے رسائل و اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ ملک کے کونے کونے میں پہنچائی گئی۔

موصوف مندرجہ ذیل تنظیموں اور مجلسوں کے اہم عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں

(۱) الجامعۃ الاشرفیہ کی انجمن ابنائے قدیم کے جنرل سکریٹری، (۲) کل ہند بزم عزیزیہ امجدیہ کے ناظم اعلیٰ (۳) آل انڈیا مسلم کونسل کے کارگزار صدر، (۴) ماہنامہ پاسبان الہ آباد

کے اعزازی مدیر، (۵) اور ہفت روزہ "تاجدار" بمبئی کے آنریری ایڈیٹر، اب تک آپ کی درج ذیل کتابیں مراحل ترتیب سے گزر چکی ہیں،

(۱) اسلام اور فیملی پلاننگ (مطبوعہ ۱۹۷۱ء) (۲) اوراقِ گُل (منظوم ترتیب مطبوعہ ۱۹۷۶ء) (۳) شعورِ جمال (منتخب نعتیہ مجموعہ ۱۹۸۰ء) (۴) جمال نور (منتخب نعتیہ کلام مطبوعہ ۱۹۸۳ء)

مندرجہ ذیل کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔

(۱) حیات حافظ ملت (سیرت و سوانح) (۲) دیارِ حبیب (حج و زیارت) (۳) بے ادبیاں (طنز و مزاح) (۴) پاکستان بیتی (سفرنامہ) (۵) مقالات اسلم (زیر ترتیب مضامین)

شعر و سخن کا نمونہ درج ذیل ہے۔

روز ازل میں پی تھی جو حُبّ نبی کی مے　　اسلم اسی کا آج بھی کیف و سرور ہے

زلفوں پہ حُسن شامِ بہاراں نثار ہے　　چہرے سے نور لیتا سویرا دکھائی دے

ہم کو امید ہے برزخ سے اُٹھے گا پردہ　　بہرِ دیدار اگر عشق بلالی جائے

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے مشہور زمانہ سلام "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" پر آپ کی شاہکار تضمین ہے جو پاک و ہند میں ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ ایک بند ملاحظہ فرمائیں۔

روئے گیتی سے پردے سرکنے لگے　　سینۂ سنگ میں دل دھڑکنے لگے

چادرِ شب میں تارے چمکنے لگے　　اندھے شیشے جھلاجھل دمکنے لگے

جلوہ ریزی دعوت پہ لاکھوں سلام

مولانا محمد اسلام

مولانا محمد اسلام تحصیل ڈومریا گنج میں ایک گاؤں مہوا خورد ضلع بستی میں یکم جنوری ۱۹۵۴ء کو ملک خاندان میں پیدا ہوئے۔ آبار و اجداد زمین دار تھے والد محترم ملک محمد یونس علاقے کے با اثر اور مشہور و معروف اشخاص میں شمار ہوتے ہیں۔ والدہ محترمہ کا سایۂ رحمت عہد طفولیت ہی میں سر سے اٹھ گیا، والد محترم کے زیر شفقت تربیت پائی، چونکہ موصوف خود بھی ذی علم ہیں اور مذہبی شعور رکھتے ہیں اس لئے تربیت اس انداز میں فرمائی کہ کم سنی ہی میں علمی شوق بیدار ہو گیا۔ ۹ سال کی عمر میں آپ نے درجات پرائمری پاس کر لیا اور جولائی ۱۹۶۲ء میں ضلع بستی کی مشہور درسگاہ دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف سے وابستہ ہو کر ابتدائی فارسی سے کافیہ تک کی تعلیم حضرت مولانا بدر الدین احمد رضوی جیسے تجربہ کار استاذ سے حاصل کی، اور دیگر قابل و مشہور اساتذہ سے معقول و منقول کا اکتساب کیا۔ جناب مولانا قاری علی حسین نعیمی سے ۲۳ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ میں فن تجوید و قرأت کی سند حاصل کی اور ۲۳ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء کو درس نظامیہ سے فراغت حاصل ہوئی، نیز درس عالیہ کے امتحانات مولوی، عالم، فاضل دینیات، فاضل ادب یوپی بورڈ سے پاس کئے۔

اساتذۂ کرام میں شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی جیسی عظیم المرتبت شخصیت سے تا فراغت فیض یاب ہوئے۔

فراغت کے بعد گھریلو مصروفیات کی وجہ سے تقریباً تین سال درس و تدریس کے لئے کہیں نہ جا سکے پھر حالات نے اجازت دی تو ۱۵ر فروری ۱۹۷۶ء کو ہندوستان کی صد سالہ درسگاہ الجامعۃ العربیہ احسن المدارس قدیم نئی سڑک کانپور میں نائب جامعہ کے منصب پر منتہی کتابوں کی تدریس کے فرائض انجام دینا شروع کیا اور قلیل عرصہ میں اپنی تدریسی کارکردگی سے ۱۹۷۸ میں نائب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہو گئے۔ سرپرست جامعہ سلطان المناظرین حضرت مولانا شاہ رفاقت حسین صاحب علیہ الرحمۃ مفتی اعظم کانپور

کی عدم موجودگی میں وقتاً فوقتاً فتویٰ نویسی کا کام بھی انجام دے لیتے تھے، خصوصاً ایسے فتاویٰ جن کا تعلق وراثت سے ہوتا تھا حضرت اپنی موجودگی میں کام کی مشغولیت کی بنا پر آپ ہی کے سپرد فرماتے تھے۔

عرصۂ دراز تک دینی علوم سے سیکڑوں طلبہ کو فیض پہنچانے کے بعد اراکین اور منتظمہ کی باہمی چپقلش سے اس طرح بے زار ہوئے کہ درس وتدریس سے سبکدوش ہو کر بمبئی میں تجارت کا مشغلہ شروع کر دیا اور اب اپنے اسی کاروبار میں مصروف ہیں۔

موصوف بہت ہی مستقل مزاج اور خلیق ہیں، دوران تعلیم جملہ طلبہ واراکین جامعہ پابندیٔ وقت اور حسن اخلاق سے بے حد خوش اور متاثر تھے۔

موصوف نے ۱۳۹۷ھ میں عرس رضوی کے موقع پر شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل کیا۔

مولانا اشفاق احمد

اشفاق احمد صدیقی بن محمد سمیع صدیقی بن عبداللہ بن شہادت علی صدیقی، آپ تقسیم ہند کے سال ۲۵؍ اگست (۱۹۴۷ء) کو مقام وپوسٹ بیراگل ضلع بستی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے زندگی کی دو ہی بہاریں دیکھی تھیں کہ والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد صاحب عروس البلاد بمبئی عظمیٰ میں سروس کرتے تھے اس لئے آپ کو وہیں لیجا کر تربیت کی اور آپ وہیں جوان ہوئے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے بمبئی کے مدرسوں اور اسکولوں میں حاصل کی، عربی تعلیم کے حصول کے لئے مولانا مسیح الدین صاحب کے توسط سے دارالعلوم فیض الرسول براؤں تشریف آئے یہ وہ وقت تھا جب کہ بانیٔ درسگاہ شعیب الاولیا حضرت صوفی یار علی علیہ الرحمۃ کے فیوض وبرکات سے ایک خلق کثیر مستفید ہو رہی تھی، ۱۹۶۲ء میں آپ نے باضابطہ داخلہ لے کر حضرت مولانا بدرالدین احمد صاحب گورکھپوری سے ابتدائی فارسی، دوسرے اساتذہ سے متوسطات اور حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کا

درس لےکر ۱۳۸۹ھ میں مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ، مولانا سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمہ اور دیگر اکابر کے مبارک ہاتھوں سے دستار فضیلت حاصل کی۔

مولانا اشفاق احمد صاحب ایک خوش گلو اور خوش الحان عالم ہیں، خداوند قدوس نے یہ صلاحیت انھیں روز اوّل ہی سے ودیعت کردی تھی اس لئے انھوں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت مولانا قاری علی حسن صاحب بستوی سے فن قرأت کی تکمیل کر کے ایوان فیض الرسول ہی سے ۱۳۸۸ھ میں سند حاصل کرلی۔

مولانا موصوف کے ساتھ بانی درسگاہ فیض الرسول کی دعائیں ہیں۔ دوران تعلیم انھوں نے حضرت صوفی یار علی صاحب علیہ الرحمہ کی بے لوث خدمت کی اور ان کے قریب رہے جس سے ان کو بے شمار فوائد حاصل ہوئے، ان ہی سے سنہ ۱۹۶۷ء میں بیعت بھی ہوئے۔

تحصیل علم کے بعد مدرسہ اسلامیہ رفاقت العلوم ولی نگر بارہ بنکی صدرالمدرسین ہوکر چلے آئے، وہاں تین سال لگاتار علم دین کی خدمت کی، پھر مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا ضلع بستی آگئے۔ یہاں آپ ڈھائی سال رہے بعد میں کچھ دنوں تعلیم و تعلم کا سلسلہ بمبئی میں تجارتی کاروبار کرنے کی وجہ سے بند رکھنا پڑا مگر جب اس میں سکون حاصل نہ ہوسکا تو آپ نے بستی وطن مالوف میں آکر اشاعتِ دین کی خاطر ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس میں آج بھی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے۔ اپنے قائم کردہ مدرسہ میں چند وجوہ کی بنا پر نہ رہ کر جامعہ لطیفیہ چھاؤنی بازار ضلع بستی میں صدرالمدرسین کا عہدہ سنبھال لیا اور تادم تحریر وہیں علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مولانا اشفاق احمد کئی خصوصیات کے حامل ہیں۔ ایک عمدہ مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ مقرر، قاری اور شاعر بھی ہیں۔ شاعری میں اپنا تخلص "شفق" فرماتے ہیں۔ دینی حمیت کا جذبہ وافر نصیب میں آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دشمنان رسول کو ہمیشہ لاجواب اور ہزیمت زدہ کرنے کے لئے کمربستہ رہتے ہیں۔

مولانا امیر علی

متوسط قد، دوہرا بدن، خوبصورت چمکتی پیشانی، چھوٹی موٹی انگلیاں، مزاج میں سنجیدگی، طاقتور بازو، اعضاء میں صلابت، نرم خو، متواضع، یہ ہیں مولانا امیر علی شہیر بستوی بن محمد تسلیم بن مولوی بابو رضا صاحب

مولانا محمد امیر علی صاحب کی پیدائش پڑھے لکھے گھرانے میں مقام دھنکھر پور، پوسٹ بھانپور خاص جو ضلع بستی کی مشہور تحصیل ڈومریا گنج کے جنوب میں تقریباً ۸ کلومیٹر دوری پر واقع ہے، ۳ر اگست ۱۹۵۷ء میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم آپ نے پدر بزرگوار کے آغوش ہی میں حاصل کی، "انجمن تعلیمات دین" ضلع بستی بورڈ سے درجہ پنجم پاس کیا۔ ابتدائی عربی آپ نے مولانا شاہ محمد صاحب دھنکرپوری کے زیر عاطفت رہ کر گاؤں ہی کے مدرسہ ضیاء العلوم اہلسنت میں پڑھی لیکن جب مولانا موصوف سلسلۂ تبلیغ دین افریقہ چلے گئے تو آپ بھی وہاں سے کوچ کرکے دار العلوم امداد العلوم مٹہنا چلے آئے جہاں تقریباً تین سال رہے اور وہیں سے امتحانات عربی وفارسی بورڈ اترپردیش میں سے منشی ۱۹۷۶ء اور مولوی ۱۹۷۷ء پاس کئے اور عالم کورس کی بھی کچھ کتابیں زیر تدریس رہیں ۱۹۷۸ء کے اواخر میں دار العلوم فاروقیہ مدھ نگر ضلع گونڈہ میں داخلہ لیا اور عربی کی منتہی کتابیں پڑھیں اور عالم، کامل، فاضل ادب کے امتحانات وہیں زیر تدریس رہ کر پاس کئے، یہ سلسلہ ۱۹۸۱ء تک جاری رہکر دفعۃً ختم ہوگیا۔

دوران تعلیم جن اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے ان میں بطور خاص مولانا زین العابدین شمسی مولانا عبد الرحمٰن تلسی پوری، اور مولانا الحاج محمد حفیظ اللہ قابل ذکر ہیں۔

درس وتدریس سے فراغت کے بعد ضلع گونڈہ ہی میں مدرسہ عثمانیہ فضل المدارس موضع ملدہ میں ۱۹۸۱ء میں صدر فوقانیہ کی حیثیت سے تقرر ہوگیا اور تادم تحریر اسی درسگاہ میں اسی عہدہ پر فائز ہو کر بحسن وخوبی اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مولانا امیر علی صاحب بلند ذوق اور بلند خیال کے حامل ہیں۔ ہر فن کی تحصیل کی

طرف ضرور قدم بڑھاتے ہیں مگر صحیح راہنما نہ ہونے کے سبب وہ مایوس ہو جاتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۰ء کے درمیان شعر و شاعری کے جذبہ نے انگڑائی لی، چند نظمیں اور غزلیں بھی زیب قرطاس بنیں مگر صحیح رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے جذبات کی صحیح عکاسی کر سکے۔ شبیر بستوی تخلص فرماتے ہیں۔

درسیات میں فارسی ادب سے کافی شغف ہے، کتب بینی آپ کا سب سے اہم مشغلہ ہے راقم الحروف کو بھی شرف ملاقات حاصل ہے۔

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہونے کی وجہ سے نام کے ساتھ کبھی کبھی "نوری" بھی لکھا کرتے ہیں۔

مولانا انور علی

ضلع بستی کے علماء کی کثیر تعداد دوسری ریاستوں میں اشاعت علم دین میں سرگرم عمل ہے، انھیں لوگوں میں ایک نام مولانا محمد انور علی بن فرمان علی بن مراد علی کا بھی ہے۔

تپہ اجیار کا مشہور گاؤں لبڈیہ میں ۲۵ر مارچ ۱۹۴۴ء کو آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم تدریس الاسلام لبڈیہ ہی میں حاصل کی۔ علوم متداولہ کی تکمیل کیلئے دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور میں داخل ہو گئے، وہاں کئی سال مقتدر اساتذہ کے زیر سایہ رہ کر درسیات میں درک پیدا کیا اور وہیں سے ۱۹۶۵ء میں انھیں سند فضیلت تفویض کی گئی۔ اپنے رفقاء درس میں آپ ایک نمایاں استعداد کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔

دار العلوم علیمیہ انوار العلوم داموار پور، مظفرپور بہار، مدرسہ مؤید الاسلام مگہر ضلع بستی میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۷۱ء میں ہندوستان کی مشہور ریاست کرناٹک چلے گئے اور پھر وہیں کے ہو رہے۔ تادم تحریر اسی سرزمین پہ تدریس و تبلیغ اور دوسرے دعوتی کاموں میں مصروف رہ کر اشاعت دین کر رہے ہیں۔

۱۳۸۰ھ میں شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی علیہ الرحمۃ سے بیعت حاصل کی۔

مولانا محمدایوب

متوسط قد، دوہرا بدن، اُبھری پیشانی، گہرا سانولا رنگ، چہرے پر دبی مگر موزوں ناک، انتہائی خلیق، چمکتی آنکھیں۔ یہ ہیں مولینا محمد ایوب بن عبد المصطفیٰ بن قمر الدین بن بن بابا عطار اللہ شاہ مرحوم۔ اسی دیندار گھرانے میں آپ مقام امرڈوبھا تحصیل خلیل آباد پرگنہ مگہر ضلع بستی میں ۱۹۴۸ء کے اواخر میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم ایک بزرگ سے حاصل کرکے مکتب میں داخل ہوگئے۔ درجہ پنجم پاس کرنیکے بعد تنویر الاسلام امرڈوبھا میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۵ء تک وہاں رہنے کے بعد منظر حق ٹانڈہ میں حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، مولانا قدرت اللہ اور مولانا محمد طیب صاحب کی شاگردی اختیار کی ۱۹۶۹ء میں سند فضیلت تفویض ہوئی۔

فراغت کے بعد ۱۹۷۰ء سے مدرسہ رضویہ شمس العلوم موضع کیتھولیا ضلع گورکھپور میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۵ء میں گوراخرد ضلع بستی آگئے اور اب تک وہیں خدمتِ دین کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

مولانا محمد ایوب صاحب تدریسی صلاحیت رکھنے کے ساتھ ایک بہترین خطیب بھی ہیں۔ علوم متداولہ میں فقہ سے خاص رغبت رکھتے ہیں۔ اپنی متحرک اور فعال طبیعت کے پیش نظر دین کی ہر خدمت کے لئے تیار رہتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل ہے۔

مولانا محمدایوب

محمد ایوب بن حبیش محمد خاں اشرفی بن باب اللہ خاں مرحوم مقام جمدا شاہی، پوسٹ مجھوا میر ضلع بستی کے دیندار گھرانے میں ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء میں پیدا ہوئے۔

اس زمانے میں جمدا شاہی کے اندر مذہبی تعلیم کے حصول کے لئے کوئی انتظام

نہ تھا۔ جب سیٹھ شمس الحق علیمی مرحوم اور دوسرے محبین اسلام وسنیت کی باہمی کوششوں سے ۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ مطابق ۲۱؍ جنوری ۱۹۵۳ء کو سیاح عالم مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (علیہ الرحمہ) کے اسم گرامی سے منسوب کر کے "مدرسہ علیمیہ" کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور تعلیمی سلسلہ کا آغاز ہوا تو والد گرامی نے فروری ۱۹۵۳ء میں اسی مدرسہ میں داخل کر دیا۔ مولوی حکیم قاضی غریب اللہ فاروقی سے رسم بسم اللہ خوانی ادا ہوئی اور قرآن مجید و مروجہ درجات پرائمری درجہ چہارم تک ان ہی سے پڑھا دینیات کی تعلیم مولانا عبدالاحد بہاری سے حاصل کی۔ مولانا نورالدین نظامی سے اردو دینیات، ابتدائی فارسی اور مولانا عبدالشکور پورنوی سے یوسف زلیخا، اخلاق محسنی اور عربی کی چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

ذوقعدہ ۱۳۸۰ھ / اپریل ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف آگئے جہاں آپ نے متوسطات تک کا درس لیا، اس کے بعد ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ / مئی ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور سے وابستہ ہوئے درس نظامی کی منتہی کتابیں وہیں رہ کر مندرجہ ذیل اساتذہ کے ظل عاطفت میں پڑھیں۔

(۱) استاذ العلماء حضور حافظ ملت (۲) مولینا حافظ عبدالرؤف صاحب (۳) مولینا مفتی عبدالمنان صاحب (۴) مولانا محمد شفیع صاحب (۵) مولانا مظفر حسن صاحب ظفر ادیبی (۶) مولانا سید حامد اشرف صاحب کچھوچھوی (۷) مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب۔

سنہ ۱۹ء میں مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اعظم گڑھ سے مولوی کا امتحان بھی پاس کیا۔ شوال ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء میں جامعہ عربیہ سلطانپور سے متعلق ہو کر حضرت مولانا معین الدین خان اعظمی سے کسب فیض کیا۔ ایک سال وہاں رہ کر سند فضیلت کے حصول کے لئے شوال ۱۳۸۷ھ / جنوری ۱۹۶۷ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد چلے گئے مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب، مولانا شاہ محمد یونس صاحب، مولانا طریق اللہ صاحب اور مولانا محمد ایوب صاحب وغیرہم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور درس نظامی کی تکمیل کر کے ۱۹؍ شعبان ۱۳۸۷ھ / ۲۲؍ نومبر ۱۹۶۷ء چہارشنبہ کو سالانہ جشن دستار بندی

کے موقعہ پر حضور مفتی اعظم ھند اور حضرت مولانا سید شاہ مختار اشرف صاحب کچھوچھوی کے مقدس ہاتھوں سے سند فضیلت حاصل کی۔

۲۰ر نومبر ۱۹۶۷ء سالانہ امتحان کے موقعہ پر شیخ الحدیث مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب نے نتیجہ امتحان کے فارم پر کلمات تصدیق بایں طور لکھا ہے۔

"انا نصدق و نشھد ان المولوی محمد ایوب قرأ فی الدرجۃ الاولیٰ (العلیا) و فرغ عنھا و قد تمت کتب التفاسیر و الاحادیث و الفقہ و العقائد وغیرھا فاز بالدرجۃ الاولیٰ فی اللسان العربی و فاز فی جمیع المضامین من الکتب المروجۃ فی الدرس النظامی و فرغ من تحصیل العلوم الدینیۃ فی الجامعۃ النعیمیۃ الواقعۃ ببلدۃ مراد آباد و ھو فیھم ذکی مزین بخلق حسن و علم نافع و عمل صالح وفقہ اللہ تعالیٰ الحسنات فی الدارین" (آمین)

فراغت کے بعد رمضان ۱۳۸۷ھ / دسمبر ۱۹۶۷ء کو شہر بستی سے تقریباً بیس کلومیٹر جانب مغرب موضع کپتان گنج کے مدرسہ اسلامیہ سے تدریسی سلسلہ کا آغاز کیا۔ اپریل ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۱ء تک صوبہ میسور ضلع چکمنگلور قصبہ آردر میں درس و امامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ جامع مسجد آردر میں بعد حمد و صلاۃ خطبہ اولیٰ اردو میں پڑھا جاتا تھا، آپ نے پہونچنے کے بعد ہی ارباب علم و دانش دیندار و ذمہ دار حضرات سے کہا کہ اردو میں خطبہ پڑھنا سنت کے خلاف ہے اگر اردو خطبہ سننے کا مقصد دین اسلام کی معلومات فراہم کرنا ہے تو میں قبل اذان اردو میں دین اسلام کی بات بتادیا کروں گا لوگوں نے اسے تسلیم کیا اور اسی وقت سے عربی میں خطبہ پڑھا جانے لگا، جو مسنون ہے۔

۱۹۷۲ء میں اراکین مدرسہ علیمیہ جمداشاہی کے اصرار پر اس ادارہ میں کام کرنا شروع کیا، انتہائی محنت اور لگن سے اس ادارہ میں تدریسی خدمات انجام دیں اور انتظامی امور

میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، چنانچہ ناظم عبدالوہاب علیمی، مولانا عبدالرحیم بکوروی کے باہم مشورہ سے مدرسہ کی تعمیری ترقی کے لئے ایک نیا خاکہ ارکین کے سامنے پیش کیا جو اس طرح تھا۔
شمالی حصہ میں مدرسہ کی قدیم عمارت قائم شدہ ۱۹۵۳ء کے سامنے کشادہ میدان جلسہ وجلوس کی تقریبات کے لئے۔ گراؤنڈ کے جنوبی حصہ کے بائیں جانب صدر گیٹ "باب علیمی"۔ صدر گیٹ کے دائیں طرف چھ وسیع کمروں پر مشتمل "دارالتعلیم"۔ اور صدر گیٹ کے بائیں پچھم درسگاہ کے لئے دو وسیع کمرے اور دیگر چند چھوٹے کمرے۔ گراؤنڈ کے مغربی نصف میں "رضا ہال"۔ مغربی جنوبی گوشے میں گودام۔ اس نئے نقشے کے مطابق شیخ الحدیث براؤں شریف نے اپنے دستِ مبارک سے ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم علیمیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور دارالعلوم کی ترقی کے لئے ادعیہ وافرہ نافعہ سے نوازا۔
جولائی ۱۹۸۵ء میں جب راقم الحروف دارالعلوم علیمیہ کی مجلس منتظمہ کے صدر مولانا معین الحق صاحب کے ساتھ جمداشاہی گیا تو دارالعلوم کو اسی نقشے کے مطابق پایا۔
جمداشاہی میں موجود جماعت علیمیہ کے افراد قیام دارالعلوم کے لئے بیتاب تھے اس لئے تاخیر کرنا مناسب نہ تھا اور بمبئی میں جماعت علیمیہ سے متعلق حضرات کو دارالعلوم علیمیہ کے سنگ بنیاد کی خبر بذریعہ خط کر دی گئی تھی، بمبئی میں موجود حضرات خصوصاً مدرسہ کے سرپرست سیٹھ شمس الحق علیمی مرحوم، جناب سعید احمد، سیٹھ غلام مصطفی رضوی انور خاں وغیرہم نے بسر وچشم قبول کرتے ہوئے دارالعلوم کی تعمیر میں بیش از بیش حصہ لیا۔
سیٹھ غلام مصطفی رضوی نے جدید تعمیر میں کثیر رقم مرحمت کی، اس طرح درسگاہی کمروں اور گودام کی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچی اور "رضا ھال" ابھی زیر تعمیر ہے۔
دارالعلوم علیمیہ کے گراؤنڈ کے مغربی حصے میں "نورانی مسجد" کا سنگ بنیاد استاذ العلماء حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۸۴ھ کو رکھا تھا۔ قیام دارالعلوم کے بعد مسجد کی تنگی کا احساس ہوا تو مولانا موصوف نے مسجد کے پورب، اتر، دکھن وسیع صحن کی تعمیر ۱۹۷۲ء میں شروع کرا دی۔ مینارہ اور مسجد کی صفائی سیٹھ غلام مصطفی رضوی نے اپنے صرف خاص سے کرائی۔

جماشاہی میں ربیع الاول ۱۳۹۲ھ/اپریل ۱۹۷۲ء سے بمشورۂ مولانا عبدالرحیم صاحب عید میلاد النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلسۂ جلوس کا پرجوش آغاز کیا جواب قرب و جوار میں بھی جاری ہو گیا ہے۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ جولائی ۱۹۷۴ء کو مولانا موصوف شہرواسکوڈی گاما تشریف لے گئے اور وہاں کی جامع مسجد کے امام و خطیب مقرر ہوئے اور چند دنوں اسی جامع مسجد سے متعلقہ مدرسہ میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں مگر قضا راس نہ آئی ابھی آگئے اور دو سال یہیں گزار دیئے۔ "امام احمد رضا نمبر" جس کی اشاعت ماہنامہ "المیزان" کے دفتر سے ہوئی ہے، اس کی ترتیب میں لگ گئے، کچھ دنوں بعد مدرسہ عربیہ شمس العلوم سکری گنج گورکھپور میں بحیثیت صدر مدرس مقرر ہوئے مگر چند نامساعد حالات کی وجہ سے وہاں سے مستعفی ہو کر مدرسہ عربیہ سراج العلوم برگدہی گورکھپور کے صدر المدرسین کی حیثیت سے کام کرنے لگے، موصوف اس وقت اسی ادارہ کی خدمات میں مصروف ہیں۔

مولانا بہت محرک اور فعال ہیں، کئی مکاتب آپ کے زیر نگرانی چل رہے ہیں، آپ نے "چہل حدیث" کے نام سے ایک کتابچہ لکھا ہے۔ شعر و شاعری سے بھی تعلق ہے۔ انور تخلص رکھتے ہیں۔

مولانا محمد ایوب رضوی

محمد ایوب ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۳ء کو موضع بسڈیلہ پوسٹ چائیکلان ضلع بستی کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

تدریس الاسلام بسڈیلہ کے اندر ۱۹۶۵ء میں باضابطہ اردو، ہندی، حساب اور دوسرے مروجہ نصاب کے درجہ پنجم پاس کیا پھر اسی دارالعلوم میں عربی، فارسی تعلیم کی ابتدا کی اور کچھ دنوں تحصیل علوم کے بعد بہرائچ شریف پہنچ کر مدرسہ مسعود العلوم "، چھوٹی تکیہ میں داخل ہو گئے اور مولانا حافظ عبدالشکور صاحب گیاوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور مولانا موصوف کے سایۂ عاطفت میں رہ کر درس نظامی کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا

حافظ عبدالشکور صاحب جس زمانہ میں دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ میں مدرس تھے اس وقت سے ان کی نگہ التفات آپ پر رہا کرتی تھی، اسی ادارے سے ۱۹۷۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ سے آپ نے تدریسی سلسلے کا آغاز کیا۔ تین سال تدریسی خدمات انجام دے کر ۱۹۷۶ء میں مستعفی ہو گئے اور اکتوبر ۱۹۷۶ء سے الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ روناہی ضلع فیض آباد میں بحیثیت مدرس درجات عالیہ مقرر ہوئے اور دوران تدریس آپ نے عالم، فاضل، منشی، کامل کے امتحانات پاس کئے اور اسی ادارے میں تادم تحریر اسی عہدہ پر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

منقولات میں تفسیر، حدیث اور ادب سے گہری وابستگی ہے، انھیں فنون کو شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ معقولات سے زیادہ دلچسپی نہیں۔

تدریسی امور کی انجام دہی کے علاوہ وعظ و تبلیغ بھی محبوب مشغلہ ہے، یوپی کے متعدد اضلاع میں بحیثیت خطیب بلائے جاتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند سے ۱۹۶۲ء میں عہد طفولیت میں شرف بیعت حاصل کیا۔

ب

مولانا باقر علی

متوسط قد ، اکہرا بدن ، سانولا رنگ ، سلیم الطبع ، صوفی مزاج ، سادہ لباس ، دور اندیش ۔ یہ ہیں مولانا باقر علی مصباحی بن محمد شفیق بن منصب رضا ۔

موضع ٹنڈوا یار سہرا میں ۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۸ء میں پیدا ہوئے ۔

ابتدائی تعلیم آپ نے گاؤں کے مدرسہ نور العلوم ہی میں حاصل کی ۔ عربی و فارسی علوم کی تحصیل کے لئے آپ نے امداد العلوم مٹھنا ، ندائے حق جلالپور اور تنویر الاسلام امرڈوبھا کا سفر کیا ، مقتدر علماء سے اکتساب فیض کے بعد درس نظامی کی تکمیل کے لئے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور پہونچے ، بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب ، علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب ، اور مولانا عبد اللہ خاں عزیزی کے زیر نگرانی تفسیر و حدیث کی منتہی کتابیں پڑھ کر ۱۹۷۹ء میں دستار و سند حاصل کی ۔

تکمیل علوم کے بعد گاؤں کے مدرسہ نور العلوم ہی میں اراکین کی پیشکش پر مدرس ہو گئے ، آج بھی اسی ادارہ میں درس و تدریس میں مصروف ہیں ۔

مولانا باقر علی صاحب کے اندر بے پناہ ملی حمیت موجود ہے ۔ قوم کی فلاح و بہبود کے لئے آپ ہمہ دم سوچتے رہتے ہیں ۔ رفتار ، گفتار اور کردار سے اصلاح قوم کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں ۔

مولانا بخش اللہ

متوسط قد ، گندمی رنگ ، گول چہرہ ، چمکتی آنکھیں ، دوہرا بدن ، مزاج میں سنجیدگی ، گفتگو میں حلاوت ۔ یہ ہیں مولانا بخش اللہ ابو النعیم بن محمد اسحاق بن عبد الحکیم علیہ الرحمہ ۔ تپہ اجیار کے ایک مشہور قریہ سسوا المعروف بہ سرسہوا پوسٹ میر گنج تحصیل خلیل آباد ضلع بستی میں ۱۳ر ستمبر ۱۹۵۸ء میں متدین گھرانے

میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب برکات العلوم میں صوفی الحاج محمد یحییٰ صاحب پچپوکھری بازار سے حاصل کی، پھر تدریس الاسلام لبڈریلہ میں ماسٹر محمد علی اور ماسٹر محب اللہ صاحب سے پرائمری کی تکمیل کی، عربی و فارسی کی تعلیم حضرت مولانا محمد نعمان خان اعظمی اور مولانا اعجاز احمد خاں صاحب اور حافظ عبدالشکور گیاوی سے حاصل کی۔ اول الذکر استاذ سے مولانا بخش اللہ صاحب اس قدر متاثر ہوئے کہ جب وہ علامہ قمرالزماں اعظمی کے ایما پر الجامعۃ الاشرفیہ قصبہ روناہی ضلع فیض آباد میں صدر المدرسین کے عہدہ پر مامور ہوکر آئے تو مولانا موصوف انھیں کی معیت میں روناہی چلے آئے۔ یہاں مولینا مفتی شبیر حسن صاحب بستوی اور دیگر قابل قدر اساتذہ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ اور اسی دوران فن قرات بھی پڑھا اور ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۷۸ء میں سند قرات حفص تفویض ہوئی۔

اگرچہ درس نظامی کی تعلیم الجامعۃ الاسلامیہ روناہی میں ہو چکی تھی مگر علم میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لئے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے درجہ تخصص میں داخل لینا چاہا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ درجۂ فضیلت میں رہ کر راقم الحروف کے ہمراہ ۱۹۷۹ء میں عرس عزیزی کے موقع پر سند فضیلت تفویض ہوئی۔

فراغت کے بعد ہی مولانا بخش اللہ صاحب اپنی ذہانت کے پیش نظر دار العلوم اہل سنت انوار العلوم تلسی پور گونڈہ میں یکم ستمبر ۱۹۷۹ء کو نائب صدر المدرسین کی حیثیت سے آگئے پھر ۱۹۸۰ء میں اپنے مخلص استاذ مولانا محمد نعمان صاحب اعظمی کے ایما پر دار العلوم اشاعت الاسلام کوٹوا پیپریا متصل پرتاول چوراہا ضلع گورکھپور میں نائب صدر المدرسین ہو کر چلے آئے اور تادم تحریر اسی عہدہ پر رہ کر دین متین کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔

مولانا بخش اللہ صاحب بہترین صلاحیت کے مالک ہیں، درس و تدریس سے کافی شغف رکھتے ہیں علوم متداولہ اکثر دلچسپی سے پڑھتے پڑھاتے ہیں، علوم عقلیہ سے

سے خصوصی لگاؤ ہے۔ الہ آباد بورڈ سے فاضل دینیات، فاضل معقولات، اور منشی کامل کے امتحانات دے چکے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہے۔

مولانا بدر الدین احمد رضوی

وہ علماء جو اصلاً ضلع بستی کے تو نہیں ہیں مگر عمر کا بیشتر حصہ انھوں نے اس ضلع میں گزارا ہے اور ہمیشہ کے لیے ضلع بستی ہی کے ہو رہے، ایسے حضرات میں مولانا بدرالدین احمد قادری کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ مولانا موصوف ضلع بستی میں عرصہ دراز سے خدمت دین متین میں مصروف ہیں۔ انھوں نے اپنا مکان اٹوا بازار کے پورب موضع بڑھیا پوسٹ کھنڈسری بازار میں بنالیا ہے اور اب وہ یہاں کے مستقل متوطن ہو چکے ہیں۔

بدرالدین احمد بن عاشق علی بن احمد حسن بن غلام نبی بن محمد نادر صدیقی غفراللہ تعالیٰ لھم۔ شیخ محمد نادر مرحوم کے آباء و اجداد قصبہ یوسف پور محمد آباد ضلع غازی پور یوپی کے باشندے تھے جن کے تعلقات شاہ پور کوٹ تحصیل بانس گاؤں ضلع گورکھپور کے نواب سید شاہ عنایت علی مرحوم کے سادات شاہی خاندان سے قدیم زمانہ سے قائم تھے پھر اسی دیرینہ خاندانی تعلق کی بنا پر شیخ محمد نادر مرحوم کے والد اور چچا سید صاحب کی ایک جنگی مہم میں بحیثیت افسر فوج میں شریک ہو کر کام آگئے۔

اس زمانہ میں شیخ محمد نادر مرحوم ننھے بچے تھے۔ حضرت سید صاحب نے ایک جاں نثار فوجی افسر کی سعادت مند یادگار کو اپنی تربیت و کفالت میں پروان چڑھایا جب شیخ نادر مرحوم سن شعور کو پہونچے تو سید صاحب ممدوح نے اپنے دیوان خاص میں ایک ممتاز عہدہ دے کر ان کو اپنا مقرب بنایا اور دو گاؤں بطور جاگیر عطا فرمائے، ایک موضع "راوت پار"، جو قصبہ شاہ پور سے ایک میل کے فاصلہ پر اتر جانب ہے اور دوسرا

موضع "کھوکھر جوت" جو تحصیل سگڑی ضلع اعظم گڑھ میں ہے۔ علام نبی مرحوم نے شاہ پور کے بجائے راوت پار کو وطن بنایا، جہاں آپ کے خاندان والے آج بھی آباد ہیں رہا کھوکھر جوت تو اس کی پوری آراضی رفتہ رفتہ فروخت ہو کر دوسروں کے قبضے میں جا چکی ہے۔

آپ کی پیدائش آپ کے ننھال موضع حمید پور میں جو راوت پار سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے ایک اندازہ کے مطابق ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں ہوئی۔

اردو تعلیم مقامی درسگاہ قصبہ شاہ پور میں حاصل کی۔ فارسی، عربی تعلیم کے لئے والد گرامی عالی جناب عاشق علی (متوفی ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ/۱۸ دسمبر ۱۹۷۶ء) نے ایک سنی درسگاہ مدرسہ انوار العلوم قصبہ جین پور ضلع اعظم گڑھ میں داخل کیا۔ کچھ دنوں ابتدائی فارسی پڑھنے کے بعد ۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۹ مارچ ۱۹۴۴ء کو عربی قواعد میں صرف کی پہلی کتاب میزان الصرف کی تعلیم شروع ہوئی۔ تقریباً ۴ سال اسی ادارہ میں حضرت مولانا مولوی محمد خلیل صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے زیر تلمذ رہے، پھر شوال ۱۳۶۷ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۸ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ سے وابستہ ہو گئے اور وہاں تقریباً ۴ سال تک حسب ذیل اساتذہ سے استفادہ کرتے رہے۔

بانی الجامعۃ الاشرفیہ استاذ العلماء حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ۔ شیخ العلماء حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ۔ شیخ الخطباء حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ محقق عصر حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب مبارکپوری۔ ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ مطابق ۵ مئی ۱۹۵۲ء کو دستار بندی ہوئی، اور سند فضیلت تفویض ہوئی۔

رمضان کی تعطیل کلاں کے بعد شوال ۱۳۷۱ھ میں مولانا بدر الدین احمد صاحب دار العلوم اشرفیہ آئے اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم کے مطابق اس ادارہ کے کچھ طلبہ کو پڑھانے سے تدریسی مشق کا آغاز کیا۔ یہ سلسلہ ۲۵ رجب ۱۳۷۲ھ تک رہا۔ پھر حضور حافظ ملت نے تبلیغی خدمات انجام دینے کے لئے آپ کو موضع کوٹواری ضلع یوپی بھیجدیا جہاں

انھوں نے ۲۸ رجب ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۵۳ء تک بڑے انہماک کے ساتھ اپنا فریضہ انجام دیا اس کے بعد حضور حافظ ملت نے درسی خدمت کے لیے شہر بستی بھیج دیا۔ ۲۲ ذو قعدہ ۱۳۷۲ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۵۳ء کو انجمن معین الاسلام پرانی بستی شہر بستی یوپی میں درس نظامیہ کی تدریس کے لیے آپ کا تقرر ہوگیا۔ انجمن میں ڈھائی برس تعلیم دی پھر اراکین کی نافہمی اور ناچاقی کے باعث مستعفی ہوگئے۔

انجمن معین الاسلام بستی سے مستعفی ہوئے تقریباً ۴ مہینے گزرے تھے کہ درسگاہ فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی کے بانی حضرت صوفی شاہ محمد یار علی علیہ الرحمہ نے اپنے قائم کردہ ادارے میں آپ کو بلالیا۔ یکم ذوالحجہ ۱۳۷۵ھ/۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء سے ۲۰ شوال ۱۳۹۴ھ/ ۵ نومبر ۱۹۷۵ء تک ادارۂ مذکور میں صدر المدرسین رہ کر تدریسی فرائض انجام دیئے۔ پھر بعض نامساعد حالات کی بنا پر ۲۱ شوال ۱۳۹۴ھ کو تدریسی خدمت کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو بری کرلیا اور استعفاء داخل کر دیا۔

بانی ادارہ حضرت سید صوفی شاہ محمد یار علی علیہ الرحمہ کا ۲۲ محرم ۱۳۸۷ھ کا دن گزار کر ۲۳ ویں محرم کو شب میں وصال ہوا تو آپ اس وقت اسی ادارہ میں تھے۔ حضرت صوفی صاحب کی ذات بابرکت اور زہد واتقاء سے آپ کافی متأثر تھے۔ فرماتے ہیں

"میں نے بفضلہٖ تعالیٰ ۱۱ سال حضرت کی حیات مبارکہ کا زمانہ پایا جس سے دین کی تربیت میں مجھے بہت کچھ مدد ملی"

براؤں شریف کے ادارے سے مستعفی ہونے کے بعد مدرسہ غوثیہ بڑھیا ضلع بستی کے اراکین نے آپ کو بلایا ۹ ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ/ ۲۴ نومبر ۱۹۷۵ء سے تادم تحریر مولانا بدرالدین احمد صاحب قادری اسی ادارے میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا بدرالدین احمد صاحب جب دارالعلوم اشرفیہ میں زیر تعلیم تھے اسی وقت ۷ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ/ ۱۶ جنوری ۱۹۵۱ء کو بعد نماز عشاء شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے نورانی ہاتھوں پر سلسلۂ قادریہ نوریہ رضویہ میں بیعت کا شرف حاصل کیا اور زمانہ قیام شہر بستی میں حضرت شیر بیشۂ سنت

مظہر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ حشمت علی خاں لکھنوی علیہ الرحمہ نے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ اور سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ وغیرہ سلاسل مقدسہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی پھر زمانہ قیام براؤں شریف میں جب کہ آپ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے عرس پاک کے موقع پر بریلی شریف حاضر ہوئے تو حضور مفتی اعظم ہند (علیہ الرحمہ) نے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ اور دیگر سلاسل مبارکہ کا مجاز بنایا اور خلافت نامہ عطا فرمایا۔

حضرت مولانا بدرالدین احمد قادری درس نظامی کی تعلیم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف آپ کی زندگی کا بہترین شغل ہے، منقول و معقول میں انھیں ید طولیٰ حاصل ہے۔ آپ سے کسب فیض کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ کا اشہب قلم مختلف موضوعات پر یکساں اپنی جولانیٔ فکر دکھاتا ہے۔ ڈیڑھ درجن کتابوں کے آپ مصنف ہیں بعض کتابیں تو سدا بہار تصنیف کا درجہ رکھتی ہیں اور بعض کتابیں ماخذ کی حیثیت سے استعمال کی جاتی ہیں۔

۱۔ عروس الادب ۲۔ تلخیص الاعراب ۳۔ فیض الادب اول۔
۴۔ فیض الادب ثانی ۵۔ جواہر المنطق ۶۔ سوانح اعلیٰ حضرت۔
۷۔ نورانی گلدستہ ۸۔ تذکرہ سرکار غوث ۹۔ تذکرہ سرکار خواجہ۔
۱۰۔ تعمیر ادب قاعدہ ۱۱۔ تعمیر ادب اول تا پنجم ۱۲۔ تعمیر قواعد اول و دوم

ان تمام کتابوں کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں

"میں نے زمانہ تدریس میں محسوس کیا کہ موجودہ نسل کے اکثر بچے عربی، فارسی ماحول کے فقدان اور کثافت ذہن کے باعث منطق نحو و صرف کے ابتدائی بنیادی مسائل سمجھنے سے کورے ہوتے ہیں اس لئے میں نے ان کی سہولت کی خاطر عروس الادب، تلخیص الاعراب، فیض الادب اول، فیض الادب ثانی اور جواہر المنطق تالیف کی۔

اردو پڑھنے والے ننھے سنی اطفال کی تعلیم کے لئے تعمیر ادب قاعدہ، تعمیر ادب اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، تعمیر قواعد اول، دوم لکھی
اور عام مسلمانوں کی دینی اصلاح اور مذہبی معلومات کے لئے نورانی گلدستہ سوانح اعلیٰ حضرت، تحقیقی جواب، اور تذکرہ سرکار غوث و سرکار خواجہ مرتب کیا۔"
تصنیف و تالیف کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ آپ وقت کے نباض ہیں، عصر حاضر کے مسائل اور تقاضوں پر آپ کی گہری نظر ہے، اسی مناسبت سے آپ اپنے قلم کو حرکت میں لاکر وقت کی اہم ضرورت پوری کرتے ہیں۔ مولانا موصوف کی مذکورہ ساری کتابیں متعدد بار متعدد مطابع سے شائع ہوکر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔

مولانا کی چند خوبیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔
۱۔ عقیدہ و مسلک کے اعتبار سے بہت متصلب سنی اور سنی گر ہیں۔ ۲۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ سے زبردست عقیدت رکھتے ہیں۔ ۳۔ ان کی ہدایات عام کرنے کے لئے ہمہ دم فکر مند اور متحرک رہتے ہیں۔ ۳۔ زہد و تقویٰ میں علمار صالحین کی روش پر سختی سے کاربند ہیں۔ ۴۔ اپنے طلبہ اور متعلقین کو بھی شریعت کا پابند اور صالحین کا نمونہ بنانے کے لئے بیتاب و مضطرب رہتے ہیں اور اس راہ میں انتھک کوشش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ۵۔ آپ کی تعلیم و تربیت بڑی بافیض ہے چنانچہ آپ کی درس گاہ میں رہ کر بہت سے طلبہ نے اپنی علمی استعداد کیساتھ عملی زندگی اور فکری سطح بھی استوار کی ہے۔

مولانا محمد برکت اللہ

متوسط قد، اکہرا بدن، سانولا رنگ، چہرے پر حلقہ بنائے ہوئے گول ناک؛ ایک ہاتھ فالج زدہ ــــ یہ ہیں مولانا محمد برکت اللہ بن منشی رضا بن شکر اللہ مرحوم ۱۲ر مئی ۱۹۵۸ء میں مقام گورا کلاں ضلع بستی میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم موضع نوردوں میں سید سلطان ضمیر الحق شاہ کے زیر عاطفت میں چلنے والے ادارہ میں حاصل کی پھر تنویر الاسلام امرڈوبھا میں داخل ہو کر درس نظامی کی تکمیل کر کے ١٩٧٦ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ مزید تحصیل علم کیلئے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور گئے، وہاں بھی ایک سال رہ کر ١٩٧٧ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ممبئی سے بہت آگے میرج میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے گئے، مگر اجنبی ماحول اور بعد مسافت کی وجہ سے جگہ راس نہ آئی چند سال رہ کر وطن مالوف واپس آگئے اور تنویر الاسلام امرڈوبھا میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، تادم تحریر یہیں اشاعت علم دین میں منہمک ہیں۔

مولانا بشیر احمد اظہر

مولانا بشیر احمد مقام سنہواں ضلع بستی میں ٨ ستمبر ١٩٥١ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب چار پشتوں کے بعد ایک ایسے شخص سے جا ملتا ہے جو علاقے اور قرب وجوار میں انتہائی شہرت کے حامل تھے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

"بشیر احمد بن عبداللہ عرف ڈگر بن لعل محمد بن جگئی بن چھتو"

چھتو مرحوم کثیر جائداد کے مالک تھے، اپنے علاقے کے امیر بھی تھے اور پنچایتی طور پر مقدمات کا فیصلہ بھی کرتے تھے، جس کی وجہ سے قوم میں وہ "منصف" کے نام سے مشہور ومعروف تھے۔

موضع گلہریا کے مکتب میں جناب محمد شائق مرحوم سے تعلیم کی ابتدا کی اور پرائمری درجات کی تکمیل مدرسہ فیض الاسلام مہنداول میں کی، اسی ادارہ میں حضرت مولانا احسان علی اعظمی سے گلستاں، بوستاں کا درس لیا۔ متوسطات کی تعلیم کے لئے دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا پہنچے، ایک سال جامعہ عربیہ سلطانپور میں بھی زیر تعلیم رہے، سند فضیلت کے حصول اور درسیات کی تکمیل کے لئے دار العلوم منظر حق ٹانڈہ سے

منسلک ہوگئے، تین سال وہاں رہ کر درس نظامی کی تکمیل کی۔ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں علمائے ملت اسلامیہ کے ہاتھوں جبہ و دستار سے مشرف ہوئے۔

دورانِ تعلیم جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں مندرجہ ذیل اساتذہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی۔ حضرت مولانا سخاوت علی بستوی۔ حضرت مولانا صوفی نظام الدین بستوی۔ حضرت مولانا ابو اللیث اعظمی۔ حضرت مولانا معین الدین خاں اعظمی فتح پوری، حضرت مولانا مفتی محمد اسلم بیاری۔ حضرت مولانا کبیر الدین تحفی نگپوری وغیرہم۔

ذوالحجہ ۱۳۹۰ھ سے آپ نے مدرسہ مخدومیہ سبحانیہ مصباح العلوم، علاء الدین پور، ضلع گونڈہ میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ شدید علالت کی وجہ سے ایک سال بعد وہاں سے مستعفی ہوگئے۔ ۳؍ مارچ ۱۹۷۲ء سے تادم تحریر مدرسہ اظہار العلوم موضع ارجی ضلع بستی میں بحیثیت صدر المدرسین تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ ادارہ جو ۱۹۵۹ء میں قائم ہوا تھا صرف مکتب کی شکل میں تھا مولانا موصوف کی جد و جہد اور مخلص اساتذہ کا تعاون شامل حال ہوا تو آج اس میں طالبانِ علوم کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ اس مدرسہ میں درس نظامی کی تعلیم کے علاوہ حفظ و قرارت کا بھی معقول انتظام ہے۔

مولانا بلال احمد

متوسط قد، گندمی رنگ، مسکراتا ہوا چہرہ، صحت مند جسم، گفتگو میں خود اعتمادی مزاج میں سنجیدگی، ارادہ میں پختگی، ان خصائص کے حامل ہیں مولانا بلال احمد قادری بن ماسٹر محمد علی خاں بن نواب علی خاں (سندوں پر مندرج تاریخ کے اعتبار سے ۷؍ جولائی ۱۹۵۹ء کو) موضع لبڈیہ پوسٹ چائیکلاں ضلع بستی میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی۔ دیندار باپ نے بیٹے کے اندر دینی رجحان

دیکھ کر علم دین کی تحصیل کے لئے گاؤں کے دارالعلوم تدریس الاسلام میں داخل کر دیا
مولانا اعجاز احمد خان اعظمی اور مولانا حافظ عبدالشکور صاحب گیاوی کی نگرانی میں چھ سال
کی مدت میں مشکوٰۃ شریف تک پڑھا، مگر علوم عقلیہ کا کوئی خاص انتظام نہ ہونے کی
وجہ سے مولانا شبیر حسن صاحب سے صرف منطق و فلسفہ پڑھنے الجامعۃ الاسلامیہ
رونا ہی فیض آباد چلے گئے جہاں مولانا شبیر حسن صاحب کے علاوہ مولانا محمد نعمان صاحب
اور دوسری قابل قدر شخصیتوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے علوم مروجہ و متداولہ
میں مزید نکھار پیدا کیا۔ جس مقصد کو لے کر مولانا بلال احمد صاحب تدریس الاسلام بسڈیلہ
چھوڑ کر الجامعۃ الاسلامیہ آئے تھے جب اس مقصد میں بھرپور کامیابی ہوتی ہوئی نظر نہ
آئی تو ہندوستان کی مایۂ ناز درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور پہونچے اور راقم السطور
کے رفقاء درس میں شامل ہو گئے۔ علوم مروجہ و متداولہ میں منطق و فلسفہ خصوصی طور
پر مولانا ضیاء المصطفےٰ اعظمی اور مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی سے پڑھا اور راقم السطور
کے ساتھ ہی ۲۸ / اپریل ۱۹۷۸ء میں عرس عزیزی کے موقع پر سند و دستار حاصل کی۔

مولانا بلال احمد حساس ذہن و دماغ اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک ہیں۔ علوم
عقلیہ سے گہری دلچسپی ہے۔ الہ آباد بورڈ سے کئی مضمونوں میں فاضل ہیں اور دوسرے
امتحانات میں نمایاں کامیابی آپ کی علمی صلاحیت کا بہترین ثبوت ہے۔ تبلیغ مذہب
کے معاملہ میں ہمہ وقت چاق و چوبند رہتے ہیں۔ تدریسی خدمات انجام دینے کے علاوہ
وعظ و تقریر کے ذریعہ بھی دین حق کی اشاعت کرتے رہتے ہیں۔

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند سے بچپن ہی میں بیعت کا شرف حاصل
کیا تھا۔

ت

مولانا تفضل حسین صاحب خلیل آبادی

قصبہ خلیل آباد کے کسی نواحی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اس وقت عمر سو سال کے قریب پہونچ رہی ہے۔ علم و فضل کے لحاظ سے یکتائے روزگار، فقہ و تفسیر و حدیث کے زبردست عالم منطق و فلسفہ کے امام، اسلاف کی زندہ یادگار، زاہد مرتاض کی صورت میں خلیل آباد ہی کے قریب ایک گاؤں "مڑیا" کے باغ میں کٹی بنا کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز عرصہ دراز سے ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہیں، اور دیہاتیوں کی زبان میں فقط "اللہ اللہ" کر رہے ہیں۔ لوگ انھیں "مڑیا کا بابا" کہتے ہیں اور کثیر تعداد میں لوگ روزانہ ان کے آستانے پر حاضری دے کر دعا تعویذ لیتے اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ مولانا نے خدمت خلق کے ارادے سے دعا تعویذ کا کچھ سلسلہ رکھا ہے ورنہ اکثر اوقات اپنی کٹی میں بند ہو کر عبادت و ریاضت میں لگے رہتے ہیں۔

وہ اسباب تو معلوم نہ ہو سکے جن کی بنا پر ترک دنیا کر کے گوشہ نشینی اختیار کی اور نہ ہی مولانا موصوف اپنے بارے میں کسی سوال کا جواب دینے کے لئے رضامند ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ذرائع سے رابطہ قائم کرنے کے باوجود صحیح تاریخ پیدائش، سلسلہ تعلیم و ارشاد اور خدمات کا علم نہ ہو سکا۔

البتہ بڑے بوڑھوں کا بیان ہے کہ مولانا موصوف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت قدست اسرارہما کی بارگاہوں کے فیض یافتہ ہیں اجیسا کہ مولانا موصوف بہت بیان فرمایا کرتے تھے/ ایک بزرگ کا بیان ہے کہ مولانا موصوف نے مولانا عبدالحمید صاحب مفتی آگرہ سے بھی کسب فیض کیا ہے اور منظر حق ٹانڈہ سے سند فراغت حاصل کی ہے۔ واللہ اعلم

آج سے پچاس سال پہلے مدھیہ پردیش، اور گجرات کے علاقوں کو اپنے علمی و روحانی فیضان سے سیراب کر چکے ہیں۔ طبیعت میں پہلے بھی دنیا سے ایک طرح کا استغناء تھا اور آخر وقت میں تو بالکل تارک دنیا ہو کر بیٹھ گئے۔

کٹی سے متصل مولانا موصوف کے لئے غالباً گاؤں والوں نے ایک پختہ مکان بنایا ہے جس میں مولانا موصوف کا ذاتی کتب خانہ ہے۔ اس میں علم حدیث و تفسیر، فقہ و اصول فقہ، تاریخ و سیر، فلسفہ و منطق، عقائد و کلام جیسے اہم موضوعات پر عربی و فارسی کی ہزاروں نادر و نایاب کتابیں موجود ہیں جس سے مولانا کے علمی ذوق کے ساتھ ساتھ ان کی اہلیت و قابلیت کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آج تو کیا پورے ہندوستان میں آپ کے پایہ کا کوئی عالم شاید موجود ہو۔

بایں ہمہ دیکھنے سے کسی طرح یہ محسوس نہیں ہو پاتا کہ آپ عالم بھی ہیں، اس لئے کہ وضع قطع نہ صرف سادہ بلکہ بہت پرانی۔ گاڑھے کی لنگی، دیہات کے پرانے طرز کا بنا ہوا گاڑھے رنگ کا انگرکھا، گاڑھے نگین کا رومال (جس کو رومال کے بجائے انگوچھا کہنا زیادہ درست ہے)، گھنی اور اور سفید داڑھی، سفید بھویں، ہاتھ میں عصائے پیری (یعنی سونٹا) بالکل بڑے میاں یا سادہ منش فقیر نظر آتے ہیں۔ البتہ آنکھیں جب کبھی کھلتی ہیں تو چمکتی ہوئی اور چہرہ ہمیشہ دمکتا ہوا نظر آتا ہے جو شب زندہ داری کی علامت ہے۔

ملاقات کرنے پر سلام کا جواب ضرور دیتے ہیں اور اپنی کوئی غرض لے کر جائیے تو عرض مدعا بھی سن لیتے ہیں، اس پر ایک آدھ حوصلہ افزا جملہ بھی ارشاد فرما دیتے ہیں لیکن اپنے متعلق کسی ذاتی سوال پر بالکل خاموش ہو جاتے ہیں یا محاورے کی زبان میں "چپ سادھ لیتے ہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا موصوف کی حیات اور کارناموں پر صحیح روشنی نہ ڈالی جا سکی۔

مولانا تفسیر القادری

آپ تاریخی و مشہور بکھرا جھیل کے شمال مغرب میں واقع ایک گاؤں املی ڈیہہ میں ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو پیدا ہوئے۔ والدین نے محمد تفسیر نام تجویز کیا، سادگی اور بھولاپن کی وجہ سے خاندان کے ایک بزرگ نے ایک بار اچھو میاں کہہ دیا تو

بزرگ کی زبان سے نکلا ہوا یہ کلمہ اتنا مشہور ہوا کہ زبان زد خاص وعام ہو گیا۔ نسب نامہ اس طرح ہے۔ ,, محمد تفسیر بن محمد لسین بن جان محمد بن الحافظ صوفی کریم بخش مرحوم موخر الذکر بزرگ بڑے عبادت گزار اور شب زندہ دار تھے۔

پانچ سال کی عمر میں والد نے ابتدائی تعلیم کے لئے خاندان کے ایک بزرگ شکر اللہ میاں مرحوم کے سپرد کیا جنھوں نے قرآن پاک کی تعلیم دی اس کے بعد مکتب پرائمری فیض الاسلام قصبہ مہنداول میں داخلہ لیا جہاں شفیق اساتذہ ماسٹر مرتضیٰ حسن خان اشرفی اور منشی محمد سلیم نے خصوصی توجہ فرمائی اور اردو، ہندی، حساب، جغرافیہ وغیرہ کی تعلیم دی اور پرائمری نصاب مکمل کرایا۔

١٩٥٩ء میں ضلع بستی کی مشہور درسگاہ دار العلوم تنویر الاسلام قصبہ امر ڈوبھا میں داخلہ لیا، جہاں حضرت مولانا سخاوت علی بستوی (بانی تنویر الاسلام) سے ابتدائی فارسی کتب کا درس لیا اور جب مولانا صوفی نظام الدین صاحب کا اس ادارہ میں تقرر ہو گیا تو ان سے متوسطات کی تعلیم حاصل کی اور انھیں دنوں یعنی ١٣٨٣ھ میں یوپی بورڈ سے مولوی کا امتحان بھی پاس کیا۔

١٠ر شوال المکرم ١٣٨٥ھ کو دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں داخلہ لیا اور تلمیذ صدر الشریعہ، مولانا الحاج مبین الدین امروہوی (شیخ الحدیث)، مولانا تحسین رضا (صدر المدرسین)، مولانا محمد اعظم ٹانڈوی کے ظل عاطفت میں رہ کر تفسیر بیضاوی، طحاوی شریف، صحاح ستہ، ہدایہ اولین، اور مناظرہ رشیدیہ کا درس لیا۔

شعبان ١٣٨٧ھ میں ختم بخاری کا جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی مصنف بشیر القاری فی شرح البخاری اور مولانا محمد خلیل احمد امروہوی نے تبرکاً حدیث کا درس دیا اور شب میں سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں سند فراغت کے ساتھ دستار اور خرقہ بھی آپ کو حضور مفتی اعظم ہند کے دست اقدس سے مرحمت ہوا۔ صدر المدرسین نے سند پر دستخط کرتے وقت یہ عبارت بھی لکھی۔

التلمیذ الرشید محمد تفسیر القادری الخ

اجیزہ بالاشتغال فی الاوراد والاعمال والاوقات والاشغال فاجزتہ علی برکۃ اللہ ثم علی برکۃ حبیبہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کما اجازنی شیخی و مولائی حضرۃ السید مصطفیٰ رضا القادری المعروف بمفتی اعظم فی الہند،،

آپ کی سب سے پہلی تقرری ۱۳۸۶ھ میں مدرسہ غوثیہ حبیب المدارس سون برسا گورکھپور میں ہوئی۔ وہاں ۵ سال تک درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے، اس کے بعد مستعفی ہوکر دارالعلوم فیض الرسول برگدہی گورکھپور چلے گئے جہاں تدریس کے ساتھ کچھ تعمیری کام بھی کیا لیکن سال بھی مکمل نہ ہوا تھا کہ ناساعد حالات کے تحت الگ ہونا پڑا۔

ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ میں دارالعلوم معین الاسلام قصبہ نوہرسن ضلع بستی کی خدمات کا موقع ملا۔ یہاں سب سے پہلے جس چیز نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کیا، وہ نوہرسن میں آرام فرمانے والے حضرت سید نا دل بہادر،، شاہ علیہ الرحمہ کا عرس تھا جو عقیدتمندوں میں عجیب طرح رائج تھا، آپ نے اُسے قرآن خوانی، جلوس، چادر پوشی اور وعظ و نصیحت کے پروگرام میں تبدیل کرا دیا، اس سلسلہ میں نوجوانوں کی ایک انجمن ،،بزم نور،، کے نام سے قائم کی جس کے زیر اہتمام دارالعلوم کا سالانہ جلسہ، ربیع الاول کا جلوس، وغیرہ منعقد ہونے لگا۔ مولانا اس انجمن کے اب بھی صدر ہیں جب کہ ۱۹ ذو قعدہ ۱۳۹۸ھ سے دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قطب وقت حضرت مولانا سید عبدالسبحان بلہری علیہ الرحمہ سابق صاحب سجادہ آستانہ عالیہ چشتیہ مخدومیہ بلبھرگھاٹ ضلع فیض آباد سے شرف بیعت حاصل ہے۔

مولانا توکل حسین

متوسط قد، چہرے پر ابھری ہوئی لمبی موزوں ناک، لمبا چہرہ، ابھری آنکھیں، سانولا رنگ، مزاج میں گرمی، پیشانی شکن آلود، اکہرا بدن، فلسفیانہ دماغ، محققانہ گفتگو، یہ ہیں مولانا توکل حسین خاں بن محمد سعید بن محمد تقی عرف بھیکن بن محمد سلطنت مرحوم۔

آپ ۱۷ ؍ مارچ ۱۹۴۲ء بدھ کے دن موضع اگیا پوسٹ چھاتا (موجودہ پوسٹ بھیرا) تحصیل خلیل آباد ضلع بستی میں پیدا ہوئے۔

اسی قرب وجوار میں مولانا سخاوت علی صاحب سے جو وقت کے مایہ ناز عالموں میں سے ہیں مولانا توکل حسین صاحب نے جون ۱۹۵۲ء میں بسم اللہ خوانی کی۔ مولانا موصوف کا گھرانا ناخواندہ تھا اس لئے مولانا سخاوت علی صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی اور انھوں نے صحیح رہنمائی فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی اور مذہبی تعلیم کے حصول کا جذبہ آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر گیا۔ مولانا موصوف سے ہی فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ تدریس الاسلام بسڈیلہ میں داخل ہوکر مولانا اعجاز احمد خاں اعظمی سے قطبی اور نور الانوار کی تعلیم حاصل کی پھر آپ ہی کی اجازت سے سند فراغت کے حصول کے لئے ۱۹۶۱ء میں دار العلوم اشرفیہ چلے گئے جہاں حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمہ اور علامہ ظفرادیبی صاحب معقولات اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے منقولات کی منتہی کتابوں کی تعلیم حاصل کی اور سالانہ جشن دستار فضیلت کے موقع پر ۱۹۶۵ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت تفویض ہوئی۔

تحصیل علم دین سے فراغت کے بعد ہی ۱۹۶۵ء کے اواخر میں دار العلوم حشمت الرضا پیلی بھیت میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا پھر ۱۹۶۹ء میں مدرسہ انوار العلوم تلسی پور چلے آئے اور ۱۹۷۹ء تک منصب صدارت بحسن وخوبی انجام دے کر

سبکدوش ہو گئے۔ چونکہ مزاج میں گرمی اور بے استقلالی ہے اس لئے اور بھی مختلف مدارس میں چند ماہ یا چند سال قیام کر کے سبکدوشی حاصل کرتے رہے۔

مولانا نے درس و تدریس میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ صرف کیا ہے اس لئے آپ کے شاگردوں کی فہرست تیار کرنی مشکل ہے پھر بھی مولانا موصوف کو جن پر ناز ہے وہ یہ ہیں مولانا بخش اللہ صاحب، مولانا بلال احمد صاحب بستوی، مولانا آفتاب احمد صاحب بستوی اور مولانا معصوم الرضا خاں پیلی بھیتی۔

مولانا توکل حسین تمام علوم متداولہ بڑی محنت اور لگن سے پڑھاتے رہے ہیں اس پر آپ کی کئی سالہ تدریسی خدمات شاہد عدل ہیں لیکن علوم عقلیہ سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ ہے، بحث و مباحثہ، مذاکرہ اور درس و تدریس میں بھی زیادہ تر آپ انھیں علوم کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ اسی قلبی لگاؤ کا نتیجہ ہے کہ آپ نے "عزیزیہ" کے نام سے شرح ہدایۃ الحکمت اور "عزیز العلوم" کے نام سے شرح سلم العلوم لکھی ہے اور مناظرہ کے موضوع پر بھی ایک رسالہ ترتیب دیا ہے۔ یہ تمام کتابیں ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔

مولانا توکل حسین صاحب مذاہب باطلہ کی تردید اپنا اولین فریضہ سمجھتے ہیں جو ایک حد تک صحیح بھی ہے اگر اس سلسلہ میں انھیں کافی نقصان اٹھانا پڑا ہے مگر پھر بھی مذہب اہل سنت وجماعت کی ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔

مولانا توکل حسین صاحب نے حضور شیر بیشہ سنت مظہر اعلیٰ حضرت حضرت مولانا حشمت علی صاحب سے ۱۹۶۰ء میں شرف بیعت حاصل کیا ہے۔

ج

مولانا جرّار علی اشرفی

دوہرا بدن، ملبا بدن، عظیم الجثۃ، پھیلی ہوئی داڑھی، سر پر لمبے بال، سانولے رنگ کا پر گوشت چہرہ، ستواں ناک، سر پر ترچھی جناح ٹوپی، طبیعت مرنجاں مرنج، مزاج میں سختی، یہ ہیں مولانا محمد جرار علی اشرفی بن عبد الرحیم بن محمد سردار صاحب مرحوم۔

اٹوا بازار سے ۶؍میل پورب سمت موضع دھوبہا جنید ڈیہہ میں آپ کی ولادت فروری ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔ سات سال کی عمر میں اپنی ہی بستی میں ماسٹر محمد امین صاحب سے بسم اللہ خوانی کی اور درجہ پنجم پاس کرنے تک انھیں کے ظل عاطفت میں رہے۔ ابتدائی عربی تعلیم دار العلوم امداد العلوم مٹھنا میں ایک سال اور دو سال دار العلوم فاروقیہ مدہ نگر گونڈہ میں حاصل کی۔ مؤخر الذکر ادارے میں زیر تدریس رہ کر منشی اور مولوی کے امتحانات بھی پاس کئے۔ منشی کے امتحان میں راقم الحروف بھی ۱۹۷۵ء میں صاحب تذکرہ کے ساتھ ساتھ تھا۔ ۱۹۷۶ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں داخل ہو گئے اور مولانا مفتی عبد المنان صاحب اور دیگر قابل قدر اساتذہ کی صحبت میں رہ کر عربی کی منتہی کتابوں کا درس لیا اور ۱۹۸۰ میں دار العلوم فاروقیہ بنارس سے سندِ فضیلت و دستار فراغت تفویض ہوئی۔

مولانا جرار صاحب اشرفی کو درس نظامی سے زیادہ درس عالیہ سے شغف ہے زیادہ تر اسی کو پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ شاعرانہ مزاج کے ناطے فارسی اور اردو شاعری پر بھی کافی توجہ دیتے ہیں۔ امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش سے بھی عالم، کامل کے علاوہ فاضل ادب و دینیات پاس کر چکے ہیں۔

فراغت کے بعد ۱۹۷۹ء میں دار العلوم سعیدیہ کھریا بنارس میں نائب عالیہ کے عہدہ پر تقرر ہوا اور ۱۹۸۳ء میں صدر المدرسین ہو گئے اور تادم تحریر اسی

عہدہ پر بڑی سرگرمی کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف ہیں۔
حضرت مولانا سید اجمل حسین صاحب کچھوچھوی سے دوران تعلیم ہی مدرسہ امداد العلوم مٹھنا کے اندر بیعت کی دولت سے سرفراز ہو گئے تھے اسی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ "اشرفی" لکھتے ہیں۔

مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی

شہر بستی سے بیس کلو میٹر پچھم فیض آباد روڈ سے ۲½ میل دکھن ضلع بستی کی ایک مردم خیز آبادی اوجھاگنج کے اندر ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔
"جلال الدین احمد بن جان محمد بن عبد الرحیم بن غلام رسول بن ضیاء الدین بن محمد سالک بن محمد صادق بن عبد القادر بن مراد علی"
جس گھرانے میں آپ نے آنکھ کھولی در حقیقت وہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد کے پورب علاقہ بڑھر کے مشہور و معروف راجپوت خاندان کے ایک فرد مراد سنگھ سے تعلق رکھتا ہے مراد سنگھ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر جب ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے تو مراد علی کہلائے۔ گھر والوں نے دباؤ ڈال کر اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تو زمین داری و تعلقہ داری چھوڑ کر ضلع فیض آباد کی مشہور مسلم آبادی اکبر پور محلہ شہزاد پور میں سکونت اختیار کر لی جن کی اولاد کثیر تعداد میں آج بھی قصبہ مذکور میں آباد ہے، ان کی اولاد میں سے ضیاء الدین مرحوم بغرض تجارت ضلع بستی کے مختلف قصبات و بازار میں آتے رہے اسی اثنا میں اوجھاگنج کے مسلمانوں سے تعلقات پیدا ہو گئے اور دوستوں کے مشورے سے زمین خرید کر اسی آبادی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔
مولانا نے عمر کے پانچویں سال اپنے والد کے شاگرد مولوی محمد زکریا صاحب مرحوم سے جو اوجھاگنج ہی میں فی سبیل اللہ اپنے گھر ایک مکتب چلاتے تھے، قاعدہ بغدادی

شروع کیا، سات سال کی عمر ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا تو مولوی محمد زکریا مرحوم سے ہی جو حافظ قرآن تو نہ تھے مگر حافظوں کے مثل قرآن مجید کی تلاوت سے شغف رکھتے تھے آپ نے حفظ پڑھنا شروع کیا، اس مختصر سی عمر میں بھی آپ کو پڑھنے کا اس قدر شوق تھا کہ صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے سخت سردی کے زمانہ میں بھی سب سے پہلے مکتب پہنچ جایا کرتے تھے۔ ایک بار اچانک جل جانے کی وجہ سے بائیں گھٹنے میں ایسا زخم ہوا کہ پاؤں سے چل کر مکتب نہیں جا سکتے تھے تو ایک پاؤں اور دونوں ہاتھوں کے سہارے کسی طرح چل کر برابر مکتب پہنچتے رہے حتی کہ ایک دن بھی ناغہ نہ ہونے دیا۔ ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں صرف ساڑھے تین برس کے اندر ساڑھے دس سال کی چھوٹی سی عمر میں حفظ مکمل ہو گیا۔ بہت ہی کم سنی کی بنا پر آپ کو نابالغ حافظ کہتے تھے۔ حتی کہ دوسری آبادی کے لوگ پورا حافظ یقین کرنے میں تامل کرتے تھے۔

حفظ کی تکمیل کے بعد دور سنانے اور فارسی و عربی پڑھنے کے لئے آپ نے ضلع فیض آباد، قصبہ التفات گنج کا پہلا سفر کیا۔ کھانے کا بار پہلے آپ کے ایک رشتہ دار جناب نبی بخش صاحب مرحوم نے برداشت کیا پھر سترہ روز محلہ باغیچہ کے اہل خیر حضرات کے یہاں جاگیر کھانے کے بعد آپ کو ایک شخص نے بھائی بنا لیا (افسوس کہ حدیث شریف لا تجالسوھم پر عمل نہ کرنے کے سبب وہ بعد میں گمراہ ہو گیا) دوران تعلیم آپ اس کا کچھ کام بھی کر دیا کرتے تھے اور صبح و شام پابندی کے ساتھ پڑھنے بھی جایا کرتے تھے۔ چونکہ حفظ کے دوران خارج اوقات میں اردو لکھنا، پڑھنا آپ نے خود ہی سیکھ لیا تھا اس لئے التفات گنج میں حفظ کا دور سنانے کے ساتھ فارسی و آمدنامہ مولوی عبدالرؤف صاحب سے شروع کیا اور بانی فیض الرسول شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب علیہ الرحمہ کے پیرزادہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب سے ابتدائی فارسی کی چھوٹی بڑی بارہ کتابیں پڑھیں۔

۱۳۶۳ھ/اور ۱۳۶۴ھ کے درمیان مسلسل کئی حادثے آپ کے گھر آتے رہے،

اولاً یہ کہ آپ کے بڑے بھائی محمد نظام الدین جن پر گھر کا سارا بوجھ تھا انتقال کر گئے اس صدمے سے گھر کے لوگ نیم جاں ہو گئے پھر آٹھ دس ماہ کے وقفہ سے گھر میں دوٗ بار ایسی چوری ہوئی کہ چوروں نے پانی پینے کے لئے گلاس تک نہ چھوڑا، پھر ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء کو موسلادھار بارش کے ساتھ آپ کے والد کی چھتری پر ایسی بجلی گری کہ ساتھ کے تین آدمی فوراً مر گئے اور آپ کے والد صاحب اگرچہ بچ گئے مگر اتنے کمزور ہو گئے کہ زیادہ کام کے قابل نہ رہ گئے، گھر کے سارے اخراجات کا بار آپ کے والد گرامی پر ہی تھا کیوں کہ آپ کے علاوہ ان کا کوئی اور بیٹا نہ تھا۔ غربت و افلاس نے ہر طرف سے گھیر لیا مگر اس کے باوجود والد نے آپ کی تعلیم بند نہ کی، آخر آپ سے جب گھر کی یہ تنگدستی دیکھی نہ گئی تو ۱۳۶۵ھ/۴۶۔۱۹۴۶ء میں التفات گنج محلہ باغیچہ کے پرانے رئیس حاجی محمد شفیع صاحب مرحوم کے یہاں جو نہایت متقی و پرہیزگار اور مدرسہ کے خزانچی تھے دس روپیہ ماہوار اور کھانے پر اس شرط کے ساتھ ملازمت کر لی کہ صبح و شام دو دو گھنٹے پڑھنے بھی جایا کریں گے۔ اس طرح تقریباً ایک سال گزرا اور آپ نے التفات گنج کے مدرسہ کا نصاب پورا کر لیا۔

اب گھر کے لوگ اور دوسرے متعلقین آپ کی تعلیم بند کرنے اور مستقل طور پر کسی کام میں لگا دینے کی باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ والدین آپ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا تو ان لوگوں کو آپ نے اپنی تعلیم جاری رکھنے پر راضی کر لیا اس لئے کہ آپ کے بڑے بھائی محمد نظام الدین مرحوم نے انتقال سے پہلے کہا تھا کہ

"میری تمنا تھی کہ میں تمھیں پڑھنے کے لئے بریلی شریف بھیجتا اور تمھیں عالم دین بناتا مگر افسوس کہ میں اب زندہ نہ رہوں گا۔"

آپ کو اسی وقت سے ان کی تمنا پوری کرنے کی لگن تھی اور پھر یہ سوچتے تھے کہ لوگ مجھے حافظ کہتے ہیں مگر میں تو جاہل ہوں کہ جاہلوں کی طرح میں بھی مسئلہ کچھ نہیں جانتا فرق صرف اتنا ہے کہ وہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھتے ہیں اور میں زبانی پڑھتا ہوں اس لئے عالم ضرور بنوں گا۔

اسی تمنا کے پیش نظر کسی ایسے مدرسے کی تلاش ہوئی کہ جہاں رات میں تعلیم ہوتی ہو اور شہر ہو تاکہ رات کو تعلیم حاصل کریں اور دن کو شہر میں کوئی کام کر کے والدین کی خدمت بھی کرتے رہیں۔ تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ شہر ناگپور (سی پی) میں رات کو تعلیم ہوتی ہے تو ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کے فوراً بعد جب کہ ٹرین میں مسلم ڈبے مخصوص ہوتے تھے آپ ناگپور تشریف لے گئے۔ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب اس زمانے میں مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم کے صدر المدرسین تھے، صبح آٹھ بجے سے بارہ بجے اور رات میں آٹھ بجے سے دس بجے تک ان کے پڑھانے کا وقت تھا مگر حضرت علامہ بعد مغرب ہی آجاتے اور بارہ بجے رات تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے، بیس پچیس لڑکے رات میں ان سے پڑھتے تھے۔ آپ بھی بعد مغرب کھانے کے بعد پڑھنے کے لئے حاضر ہو جایا کرتے اور گیارہ بجے رات تک پڑھتے پھر اپنی قیام گاہ پر آکر سو جایا کرتے اور صبح بعد نماز فجر ایک بہاری جو قرأت سبعہ کا قاری تھا اور اپنی بد مذہبی کو چھپا ہوئے تھا اسی سے فن قرأت حاصل کرتے پھر شام تک کام کرتے جس کے ذریعہ پچیس تیس روپئے ماہانہ سے اپنے والدین کی خدمت کرتے اور اپنے کھانے کپڑے اور دیگر ضروریات کا انتظام کرتے۔

دورانِ تعلیم ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ کی ابتدائی تاریخوں میں والد صاحب کے مہلک مرض کی اطلاع پاکر جب آپ گھر تشریف لے گئے تو اسی دوران ۲۰ ر ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ کو آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ گھر والوں کی دلجوئی کی خاطر کچھ دنوں مکان پر ٹھہرے، اسی اثناء میں دوبولیا بازار جو اوجھا گنج سے پانچ کلو میٹر دور دکھن واقع ہے وہاں کے مسلمانوں نے آپ کو تقریر کے لئے بلایا گئے تو آپ نے وہاں ایک وہاں مدرسہ بھی قائم کیا۔ لوگوں نے آپ ہی کو پڑھانے کے لئے مجبور کیا، کچھ دنوں کے لئے آپ نے منظور کر لیا اور جب مدرسہ کا نظام مستحکم ہو گیا تو پھر ناگپور جاکر تحصیل علم میں لگ گئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ۲۴ ر شعبان ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء کو حضرت علامہ ارشد القادری نے دس رفقاء کے ساتھ آپ کو بھی سند فراغت

عطا فرمائی۔ اس طرح اوجھا گنج کی تاریخ میں آپ سب سے پہلے عالم ہوئے۔

دستار بندی کے بعد پھر دوبولیا بازار کے مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے مامور ہوئے اور اس کا تعلیمی معیار بلند کرنے کی کوشش کی مگر اراکین حوصلہ مند نہ تھے انھوں نے آپ کا ساتھ نہ دیا اس لئے آپ مستعفی ہو گئے۔

حضرت علامہ ارشد القادری نے آپ لوگوں کی دستار بندی کے بعد ناگپور سے جمشید پور جا کر مدرسہ فیض العلوم قائم کیا اور مولانا کو طلب کیا تو دوبولیا کے مدرسہ سے ذوقعدہ ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء میں مستعفی ہو کر آپ بھی جمشید پور پہنچ گئے۔ اسی زمانہ میں جمشید پور کا تاریخی مناظرہ ہوا جس میں اہل سنت وجماعت کو فتح مبین حاصل ہوئی اور مناظر اہلسنّت علامہ ارشد القادری کو جلیل القدر علمائے کرام نے "فاتح جمشید پور" کا خطاب دیا۔ چونکہ مدرسہ فیض العلوم میں اس وقت کسی مدرس کی ضرورت نہ تھی اس لئے آپ کو ایک مکتب میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا گیا مگر آپ دل برداشتہ ہو کر تقریباً پانچ ماہ کے بعد علامہ سے اجازت لے کر گھر چلے آئے۔

اسی زمانہ میں موضع صمدہ ضلع فیض آباد میں گیارہویں شریف کے پُرمسرت موقعہ پر اتفاقاً شیر بیشۂ اہلسنّت حضرت مولانا حشمت علی صاحب اور حضرت شاہ محمد یار علی صاحب علیہما الرحمۃ والرضوان سے آپ کی ملاقات ہو گئی۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کا تعارف حضرت شیر بیشۂ اہل سنت سے کرایا پھر ان دونوں حضرات کے مشورے سے بھاؤ پور ضلع بستی کے مدرسہ قادریہ رضویہ مخزن العلوم کی تدریسی خدمات کے لئے مقرر کر دیئے گئے اس طرح جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ / جنوری ۱۹۵۵ء میں بھاؤ پور آ گئے۔ ڈھائی سال پہلے سے حضرت شیر بیشۂ سنّت کی سرپرستی میں مدرسہ چل رہا تھا آپ نے وہاں پہنچ کر مدرسہ کو ترقی دینے کی بھرپور کوشش کی اور رات دن کی دوڑ دھوپ سے مدرسہ کو کافی عروج پر پہنچا دیا لیکن ذوقعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق جون ۱۹۵۶ء کو اس مدرسہ سے بھی آپ کو مستعفی ہونا پڑا۔

اس کے بعد مذہب اہل سنّت کی تبلیغ اور علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کیلئے

ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں حضرت شاہ محمد یار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھاؤ پور آدمی بھیج کر آپ کو براؤں شریف طلب فرمایا۔ جب آپ وہاں حاضر ہوئے تو شاہ صاحب نے فرمایا

"میں نے یہاں کے مدرسوں کے چلنے سے ناامید ہو کر اپنے یہاں خود دارالعلوم چلانے کا ارادہ کر لیا۔ سنا ہے کہ آپ بھاؤ پور میں رہیں گے میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بھاؤ پور چھوڑ دیں لیکن اگر چھوڑیں تو کہیں دوسری جگہ نہ جائیں بلکہ ہمارے یہاں آئیں کہ بر وقت مجھے ایک ایسے عالم کی تلاش ہے"

آپ نے غور و فکر کے بعد جواب دینے کا وعدہ کیا اور بھاؤ پور پہنچنے کے بعد اس بنیاد پر کہ کبھی اللہ والوں سے بہت زیادہ قرب بھی باعث زحمت ہوتا ہے آپ نے حضرت کے پاس معذرت نامہ لکھ دیا لیکن جب کچھ انتشار کے سبب بھاؤ پور میں رہنا ناممکن ہو گیا تو مستعفی ہو کر براؤں شریف آگئے اور یکم ذوالحجہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۰ر جولائی ۱۹۵۶ء سے باقاعدہ دارالعلوم فیض الرسول کے مدرس ہو گئے اور تقریباً پچیس سال سے مسلسل اسی دارالعلوم میں اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے ہیں

بانی فیض الرسول حضرت شاہ صاحب کا ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۸۷ھ کو وصال ہوا اس طرح بفضلہ تعالیٰ گیارہ سال سے زائد آپ کو ان کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا جس سے آپ کے دین میں اور نکھار پیدا ہو گیا۔

اپنی علمی صلاحیت کے بارے میں مفتی صاحب خود فرماتے ہیں

"زمانۂ طالب علمی میں دن بھر کام کرنے اور صرف رات میں پڑھنے کے سبب کوئی خاص علمی قابلیت اور تدریسی صلاحیت نہ پیدا ہو سکی تھی اور پھر فراغت کے بعد کوئی ایسی جگہ نہ مل سکی کہ جہاں آپ ترقی کرتے لیکن فیض الرسول کے پرسکون ماحول میں پہنچنے کے بعد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول "ادرکت العلم بالحمد و الشکر و ما بخلت بالافادۃ و ما استنکفت عن الاستفادۃ" کو مشعل راہ

بنایا کہ اپنی کاوش اور جدوجہد کو نقطۂ عروج تک پہنچایا اور افادہ و استفادہ میں بخل و عار نہ کیا۔ وقت کی قدر کی، اسے ضائع نہ کیا، درسی کتابیں شروح و حواشی کے ساتھ گہرا مطالعہ کرنے کے بعد پڑھائیں، اساتذہ و والدہ کو خوش رکھا، ان کی خدمتیں کیں، ان سے دعائیں لیں اور یقین کیا کہ حقیقت میں علم حاصل کرنے کا وقت فراغت کے بعد ہے اور زمانۂ طالب علمی میں صرف علم حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔"

مسلسل ریاضت و مجاہدہ کے بعد موصوف کو خدا تعالیٰ نے اس منزل پر پہنچا دیا جو ابتدائی حالات میں بلکہ وقت فراغت بھی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آپ عالم باعمل اور حافظ، قاری، حاجی ہونے کے ساتھ بلند پایہ مفتی و مصنف، معیاری مدرس اور عمدہ مقرر بھی ہیں۔

دارالعلوم فیض الرسول کی نشأۃ ثانیہ کے ساتھ ہی استفتے آنا شروع ہو گئے پہلے حضرت مولانا بدرالدین احمد صاحب رضوی سابق صدر المدرسین دارالعلوم فیض الرسول نے چند فتوے تحریر فرمائے پھر آپ نے ۲۴ر صفر المظفر ۷۷ ۱۳ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو ۲۴ سال کی عمر میں پہلا فتوی لکھا۔ حضرت مولانا رضوی صاحب نے فتوی نویسی سے آپ کی دلچسپی دیکھ کر مستقل طور پر یہ کام آپ کے سپرد کر دیا، پہلے یہ کام آپ خارج اوقات میں کر دیا کرتے تھے لیکن جب کام بڑھ گیا تو اوقات تعلیم میں سے ایک گھنٹہ پھر دو گھنٹہ پھر چار گھنٹے فتوی نویسی کے لئے مخصوص کئے گئے۔ ملک اور بیرون ملک سے آئے ہوئے سوالوں کے جوابات لکھنے کے لئے یہ وقت بھی ناکافی ہے۔

فتوی نویسی کے سبب تدریس کا وقت ملنا مشکل ہو گیا مگر دارالعلوم کے طلبہ آپ کی درسگاہ میں فقہ پڑھنے کے لئے بڑی کوشش کرتے اس لئے وقت میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود شرح وقایہ، اور ہدایہ اولین و اخیرین کے اسباق پڑھا دیا کرتے اس طرح آپ نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف اور دارالعلوم کی دیگر مصروفیات کے ساتھ پچیس سال میں ڈیڑھ ہزار سے زائد فتاوی لکھے جو

فل اسکیپ سائز کے ایک ہزار سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور مستقبل قریب میں فتاوی فیض الرسول ،، کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آنے والے ہیں۔ آج سے تقریباً دو سال قبل موصوف فتوی نویسی کے فرائض سے سبکدوش ہو کر صرف تدریس و تصنیف میں مصروف ہیں۔

بستی ضلع کے آپ واحد مرجع فتاوی، جید مفتی ہیں جن کو نہ صرف روح فتوی نویسی کا مکمل ادراک ہے بلکہ فقہ کے غامض مسائل اور جزئیات پر عبور حاصل ہے اور ملک کے صف اول کے مفتیان کرام میں آپ کا شمار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی شہرت ملک کی سرحد پار کر گئی ہے، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتوی نویسی کے ساتھ آپ نے وعظ و تقریر کی بھی کوشش کی اس لئے کہ جاہل عوام کی تبلیغ کے لئے یہی ایک ذریعہ ہے، اس سلسلے میں صوبۂ یوپی کے متعدد اضلاع اور دوسرے صوبہ جات بہار، اڑیسہ، مدھیہ پردیش، راجستھان مہاراشٹر، گجرات اور راج نیپال کے جلسوں میں بارہا شرکت کا اتفاق ہوا اور لوگوں نے آپ کے وعظ دلچسپی سے سُنے، الحمد للہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

درس و تدریس اور افتاء وغیرہ کی مصروفیات کے باوجود آپ نے فیض الرسول میں آتے ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ پچیس سال کی مدت میں آپ نے چھوٹی بڑی مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

(۱) گلدستۂ مثنوی

(۲) (گلزار مثنوی (مولانا روم کی مثنوی کا انتخاب مع ترجمہ و مختصر تشریح)

(۳) معارف القرآن (آیات قرآنیہ سے ایک عام فہم اور مختصر رسالہ)

(۴) سجدۂ تعظیم کی حرمت

(۵) انوار شریعت عرف اچھی نماز ،، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں مختصر اور صالح کتاب

(۶) حج و زیارت ،، حج اور زیارت کے مسائل میں نہایت آسان اور عام فہم کتاب

(۷) محققانہ فیصلہ" آٹھ مختلف مسائل کا مجموعہ

(۸) "نورانی تعلیم" چار حصے، بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم کا علم افروز سلسلہ

(۹) "انوار الحدیث" ۵۵۴ احادیث، ۴۴۴ مسائل کا مستند ذخیرہ

(۱۰) الغاز الفقہ (فقہی پہیلیاں)

یہ سب کتابیں موخر الذکر کتاب کے علاوہ کئی بار چھپ کر عوام و خواص سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان تمام کتابوں میں سب سے اہم تصنیف "انوار الحدیث اور فقہی پہیلیاں ہے

موصوف کو حضرت صدر الشریعہ علامہ مفتی حکیم ابو العلاء محمد امجد علی قدس سرہٗ مصنف "بہار شریعت کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہے۔ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں اپنے رفقا کے ساتھ حضرت موصوف سے مرید ہو کر سلسلہ رضویہ میں داخل ہوئے۔

مولانا جمال احمد خاں رضوی

کشادہ پیشانی، صاف چہرہ، گندمی رنگ، اکہرا بدن، متوسط قد، پر تکلف گفتگو بڑے متحرک و فعال! یہ ہیں مولانا جمال احمد خاں بن غلام غوث بن حشمت علی۔ سندوں پر مندرج تاریخ کے اعتبار سے ۱۹۶۰ء میں بدھ کے دن موضع ہتھیرا پوسٹ ٹکلا جوت ضلع بستی میں ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے، ابتداءً ہندی تعلیم حاصل کی مگر دینی رجحان وراثت میں ملا تھا اس لئے ہندی تعلیم چھوڑ کر ۱۹۶۸ء میں گاؤں کے مدرسہ اشرف العلوم موجودہ فیضان رضا میں داخلہ لیا۔ اور ماسٹر محمد حنیف صاحب سے ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کر کے ۱۹۷۰ء میں مدرسہ معراج العلوم بجدو کھر بازار چلے گئے۔ مولانا طفیل احمد اور مولانا محمد زماں کے ظل عاطفت میں چار سال رہ کر کافیہ تک پڑھا پھر ۱۹۷۴ء میں اتفاقیہ حادثہ

کے موقع پر دارالعلوم کو بادل ناخواستہ خیرباد کہہ کر جون ۱۹۷۴ء میں مدرسہ ضیاء الاسلام اترولا ضلع گونڈہ میں داخلہ لیا اور مولانا عزیز الحسن صاحب اعظمی کے زیر سایہ چند دنوں رہ کر ماہ نومبر ۱۹۷۴ء میں دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف چلے گئے جہاں انھوں نے شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی سے فیض الادب ثانی کے چند اسباق تبرکاً پڑھے اور مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی اور دیگر اساتذہ کی خدمت میں رہ کر علوم مروجہ محنت سے پڑھے، بالخصوص فقہ، واصول فقہ مولانا مفتی جلال الدین امجدی کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا۔ مولانا امجدی کے فتاوی بھی ۷ سال نقل کئے اور کبھی کبھی اصلاح لے کر فتوی بھی دیا۔

دارالعلوم فیض الرسول میں مولانا جمال احمد مسلسل ۸ سال رہے اور عرس یار علوی کے موقع پر سالانہ جشن دستار فضیلت کی تقریب میں ۲۰ر نومبر ۱۹۸۱ء میں سند و دستار حاصل کی۔

تحصیل علوم کے بعد نومبر ۱۹۸۱ء ہی میں دارالعلوم فیض الرسول کے توسط سے مدرسہ فیضان الرسول شیوہرا میں نائب عالیہ کے عہدہ پر تقرر ہوگیا، ایک عرصہ سے اسی مدرسہ میں بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ تدریسی فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔

گفتگو میں تکلف ہے اس وجہ سے وعظ و تقریر سے اجتناب کرکے صحافت کو گلے لگایا۔ اب تک کئی عمدہ مضامین استقامت ڈائجسٹ کانپور، ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف میں چھپ چکے ہیں اس کے علاوہ "جلی الصوت لنھی الدعوۃ امام الموت"، مصنفہ شیخ اہل السنۃ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ پر حاشیہ (جو ابھی غیر مطبوعہ ہے) بہترین شاہکار ہے۔ ماہنامہ فیض الرسول کے سب ایڈیٹر بھی ہوگئے ہیں۔

شہزادۂ اعلی حضرت مولانا مصطفٰے رضا خاں علیہ الرحمہ سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل ہے۔

مولانا جمیل احمد

جمیل احمد بن رمضان علی بن مولوی محمد وزیر مرحوم
بروز دوشنبہ مبارک ۱۳۵۷ھ میں موضع بھریا پوسٹ جیتی پور ضلع بستی تحصیل ہریا کے ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔

کمسنی میں پڑھنا شروع کیا ۱۳۶۴ھ سے لیکر ۱۳۶۹ھ تک اپنی آبادی کے پرائمری اسکول میں اردو ہندی کے ساتھ درجہ پنجم تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۷۰ھ سے آپ نے فارسی عربی تعلیم کا آغاز کیا۔ آمدنامہ، گلستاں، میزان، اخلاق محسنی مکمل، نحومیر اور دوسری ابتدائی کتابیں عارف حق پیر عبد المتین صاحب قبلہ سے پڑھیں۔ حضرت موصوف نے آپ کو علوم ومعارف کے ساتھ ساتھ تہذیب و اخلاق کی دولت سے بھی نوازا، اس کے بعد شوال ۱۳۷۲ھ میں مدرسہ اسلامیہ جگرناتھ پور میں مولانا محمد یونس نعیمی اشرفی سے پنج گنج، نحومیر، گلستاں اور بوستاں کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد شوال ۱۳۷۳ھ میں انجمن معین الاسلام پرانی بستی شہر بستی میں داخلہ لیا، وہاں مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھپوری کا سایہ نصیب ہوا، مولانا رضوی نے آپ کو صغریٰ وکبریٰ، علم الصیغہ مرقات وقلیوبی کی تعلیم دی اور مولانا نعیمی سے ہدایۃ النحو، فصول اکبری، منیۃ المصلی پڑھیں، اس کے بعد ۱۳۷۵ھ میں دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور سے وابستہ ہو کر مولانا مظفر حسن ظفرادیبی، مولانا قاری محمد یحییٰ اور مولانا سید حامد اشرف سے اکتساب فیض کیا پھر اساتذۂ اشرفیہ خصوصاً حضور حافظ ملت کی اجازت سے ۷، ذو الحجہ ۱۳۷۵ھ کو دار العلوم فیض الرسول میں داخلہ لیا۔ مولانا مفتی جلال الدین امجدی سے قدوری، مولانا نسیم بستوی سے نفحۃ الیمن، تاریخ الخلفاء، مولینا محمد یونس صاحب سے شرح تہذیب، تصدیقات، قطبی تصدیقات، مولانا بدرالدین احمد رضوی سے شرح جامی، اصول الشاشی کے اسباق پڑھے، مزید تمام کتابیں

مؤخرالذکر اساتذہ سے تعلیم کے آخری سال تک ہوتی رہیں مگر تفسیر میں بیضاوی، حدیث میں بخاری ومسلم، معقولات میں حمد اللہ، میر زاہد، ملا جلال، کا درس شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ سے لیا۔ ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم کے پہلی بار کے جلسۂ دستارفضیلت کے موقع پر آپ نے حضرت مولانا محمد ابراہیم رضاخاں مفسر اعظم ہند نبیرۂ سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو دورۂ حدیث کا امتحان دے کر کامیابی حاصل کی اور حضور پیر ومرشد حضرت شاہ صاحب ودیگر مقتدر علمائے کرام کے مبارک ہاتھوں سے آپ کے سر پر تاج فضیلت رکھ کر خدمت دین کی ذمہ داریاں سپرد کی گئیں۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ ضلع بستی کی عظیم درسگاہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کے سب سے پہلے فارغ التحصیل ہیں۔

فراغت کے بعد ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ میں مدرسہ احمد العلوم مہراج گنج بازار ضلع بہرائچ شریف تشریف لائے اور یہاں آپ نے ۱۳۸۲ھ تک تعلیم دی اس کے بعد فیض الرسول آگئے، یہیں سے آپ کو قصبہ التفات گنج بھیج دیا گیا، وہاں سات سال رہ کر آپ نے درجہ مولوی تک تعلیم دی اس کے بعد ۱۳۸۹ھ سے قصبہ چھاؤنی بازار ضلع بستی میں ناظم اعلیٰ فیض الرسول عالی جناب خلیفہ محمد صدیق احمد صاحب کے حکم سے پڑھانا شروع کیا، معمول یہ ہے کہ طلبہ کو شروع سے جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف وغیرہ تک پڑھا کر بڑے اداروں میں بھیج دیتے ہیں، اس وقت بھی اسی مدرسہ میں اہم منصب پر فائز ہو کر تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولانا موصوف متحرک اور فعال شخص ہیں، سنیت کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیتے ہیں، آپ کی زندگی کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ مختلف جگہوں کے سات افراد نے عقیدۂ وہابیت سے توبہ کی ہے جن کا تحریری ثبوت جامعہ لطیفیہ چھاؤنی بازار میں موجود ہے اور ادارہ کی سابقہ روداد میں اس کی اشاعت بھی ہو چکی ہے۔

عوام اور گرد ونواح کے علاقے میں شاعر، مقرر اور ایک صوفی منش انسان کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کے اندر بہت سی صلاحیتیں جمع ہیں۔

آپ صاحبِ دیوان شاعر بھی ہیں، اب تک آپ کی دو کتابیں " نغماتِ شمیم "
اور " تجلیاتِ کربلا " منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور نثر میں " رہبر شریعت " حدیثِ
جبریل سے متعلق کئی سو صفحات کی کتاب تیار ہو چکی ہے اور عنقریب زیور طبع سے
آراستہ ہو کر عوام تک پہنچنے والی ہے۔

۱۳۷۵ھ میں حضرت شاہ نے بیعت کیا اور ۱۳۸۲ھ میں اجازت و خلافت سے نوازا،
۱۳۹۷ھ میں عارف حق حضرت صوفی عبد المتین صاحب سجادہ نشین آستانہ محبوبیہ ٹھلمسو شریف
ضلع فیض آباد سے آپ کو چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرنے کی اجازت و خلافت
میسر ہوئی۔

موصوف نیک طینت، خوش کردار اور رحمدل واقع ہوئے ہیں، طبیعت میں
سادگی زیادہ پائی جاتی ہے۔

مولانا جمیل احمد مشاہدی

متوسط قد، اعظم الجثہ، گھنی داڑھی، پکّے رنگ کا رعب دار چہرہ، چڑھی چڑھی بھویں
تکلم میں عجلت، آواز میں بلندی، یہ ہیں مولانا جمیل احمد بن عبد الجلیل خاں بن کریم
بخش بن خدا بخش بن عبد اللہ۔ ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بدھ کے دن مقام و پوسٹ
چوکھڑا بازار ضلع بستی میں ولادت ہوئی۔

گھرانے میں مذہبی رنگ چلا آرہا تھا، آنکھ کھولتے ہی دینی ماحول دیکھا، ابتدائی
تعلیم والد گرامی کی آغوش میں حاصل کی، پرائمری کی تکمیل گاؤں کے اسکول سے کی، علوم
دینیہ حاصل کرنے کے لئے مدرسہ معراج العلوم بھدوکھر بازار پہونچے۔ مولانا طفیل احمد
صاحب سے تفسیر و حدیث، مولانا محمد زماں صاحب اشرفی سے صرف و نحو اور مولیت
عبد الرب صاحب نعیمی سے عربی ادب اور ابتدائی فارسی کی تعلیم راقم السطور کے ساتھ ہی
حاصل کی، ۱۹۷۴ء میں ہنگامہ کے موقع پر جب معراج العلوم بند ہو گیا تو مولانا

جمیل احمد صاحب اپنے چند رفقاءِ درس کے ہمراہ مدرسہ ضیاء الاسلام اترولہ ضلع گونڈہ چلے گئے جہاں مولانا عزیز الحسن اعظمی صاحب کی شاگردی اختیار کی اور مشکوٰۃ شریف کا درس لیا۔ جب مولانا عزیز الحسن صاحب مدرسہ انوار ملت چھتر پارہ کے صدر مدرس ہو کر آنے لگے تو مولانا بھی انھیں کے ہمراہ ہو گئے اور یہیں پہونچ کر درس نظامی کی تکمیل کی اور جون ۱۹۸۰ء میں علماء کے مقدس ہاتھوں فضیلت کی دستار و سند حاصل کی۔

تعلیمی امور میں مولانا جمیل احمد صاحب کا قدم آگے بڑھنے کے لئے بے چین رہتا ہے علوم مروجہ و متداولہ میں نحو و صرف سے خصوصی لگاؤ ہے۔

جب مولانا جمیل احمد صاحب انوار ملت چھتر پارہ گونڈہ میں زیر تعلیم تھے اسی وقت سے اراکین ادارہ کی نگاہیں آپ پر تھیں تحصیل علم سے فراغت کے بعد ہی اسی سال نائب عالیہ کے عہدہ پر تقرر ہو گیا اور آج تک اسی عہدہ پر شوق و دلچسپی کے ساتھ کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔

شہزادۂ شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا مشاہد رضا صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہے۔

مولانا جمیل احمد نوری

متوسط قد، اکہرا بدن، خندہ پیشانی چمکتی آنکھیں، گندمی صاف رنگ کا چہرہ، رخسار پر ابھری ہوئی موزوں ناک، پھیلی ہوئی داڑھی، گفتگو فلسفیانہ، لب و لہجہ شاعرانہ، مزاج میں آرام طلبی، افکار سیاسی، بزرگوں میں نیاز مند، احباب میں سنجیدہ! یہ ہیں مولانا جمیل احمد خاں نوری بن ہنیر احمد بن زین اللہ خاں

گھرانا ناخواندہ تھا، سال ولادت کا صحیح پتہ نہ چل سکا، البتہ سندوں پر مندرج تاریخ کے اعتبار سے ۱۸ ستمبر ۱۹۶۰ء میں مقام پیپری بزرگ پوسٹ

بھدوکھر بازار ضلع بستی میں ولادت ہوئی۔

حضور شیر بیشہ سنت مولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کو بارہا اپنے مقدس قدموں سے سرفراز فرمایا ہے اس لئے یہاں کے تقریباً ہر ایک فرد کے اندر دینی حمیت اور مذہب سے الفت ومحبت کا جذبہ موجود ہے، اسی دینی رجحان کا اثر تھا کہ جناب منیر احمد صاحب نے اپنے بیٹے کو مذہبی تعلیم سیکھنے کے لئے گاؤں کے مکتب میں لے جاکر صوفی شاہ محمد اسحٰق صاحب کے حوالہ کر دیا، قرآن پاک اور ابتدائی اردو آپ نے انھیں سے پڑھی، شہزادۂ شیر بیشۂ سنت مولانا مشاہد رضا صاحب جب ۱۹۶۲ء کے درمیان پیری تشریف لے گئے تو موصوف نے آپ کی خندہ پیشانی سے مستقبل میں اعلیٰ کامیابی سے ہمکنار ہونیوالی لکیروں کو تاڑ لیا اور منیر احمد صاحب سے کہا اس لڑکے کو میرے سپرد کر دیجئے، اب کیا تھا انتہائی فرحت ومسرت سے باپ نے بیٹے کو موصوف کے ذمہ کر دیا۔ آپ جب پیلی بھیت تشریف لائے تو چند کتابیں یوسف زلیخا، مثنوی غنیمت اور انوار سہیلی حافظ انعام اللہ تسلیم بریلوی سے پڑھی، اور کافیہ تک کی تمام کتابیں مولانا مشاہد رضا صاحب کے ساتھ سفر وحضر میں رہ کر پڑھیں۔ دسمبر ۱۹۷۵ء میں منظر اسلام بریلی تشریف پہنچ کر مولانا تحسین رضا خاں سے تفسیر، مولانا اختر رضا ازہری سے عربی ادب، مولانا مفتی جہانگیر صاحب سے علم حدیث اور مولانا نعیم اللہ خاں سے معقولات پڑھی، اسی اثناء میں مولانا شاہ حسن صاحب سے خارجی اوقات میں فارسی اور عربی ادب کا مزید درس لیا۔ ۱۹۷۷ء میں امام النحو مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی سے صرف ونحو پڑھنے کا شوق دامن گیر ہوا تو مدرسہ اسلامیہ عربی اندر کوٹ میرٹھ پہونچ گئے، فضا راس نہ آئی اس لئے چند ماہ بعد پھر بریلی واپس آگئے اور دو سال رہ کر درس نظامیہ کی تکمیل کر کے ۱۹۷۹ء میں عرس حامدی کے موقعہ پر سند ودستار لی، اسی اثنا میں منظر اسلام سے ہی مولوی، عالم، منشی، کامل کے امتحانات بھی پاس کئے۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد تحصیل علم کا جذبہ برابر برقرار رہا، اسی سال مغربی علوم حاصل کرنے کیلئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے آئے اور شعبۂ فارسی میں داخلہ لیکر ۱۹۸۱ء میں ایم۔ اے فرسٹ ڈویژن پاس کیا۔ آج کل وہ اسی شعبہ میں "تاج المعاصر" ہندوستانی عہد وسطیٰ کی ایک تاریخی کتاب پر ریسرچ کر رہے ہیں

فراغت کے بعد آپ نے چند ماہ مدرسہ حشمت العلوم رامپور کٹرہ میں نائب صدر المدرسین رہ کر تعلیم بھی دی ہے، تین ماہ ہوا تھا کہ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ ہو گیا اسی لئے مدرسہ کے فرائض سے سبکدوش ہو کر یونیورسٹی سے منسلک ہو گئے۔

مولانا جمیل احمد کی نظر مشرقی اور مغربی دونوں علوم پر ہے، فارسی ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ جمالیاتی حس جو ایک شاعر کیلئے ضروری ہوتی ہے وہ بھی آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ چلتے پھرتے عمدہ اشعار کہہ لیتے ہیں۔ آپ کوئی باضابطہ صاحب دیوان شاعر نہیں البتہ اشعار کا وافر حصہ بے احتیاطی کی نذر ہو گیا ہے۔

اپنے پیر و مرشد مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے موقعہ پر غم و یاس کے عالم میں ڈوب کر ایک نظم لکھی تھی جس کا ایک بند یہ ہے

آج گلشن پر خزاں کا رنگ ہے چھایا ہوا
بلبلیں خاموش ہیں ہر گل ہے مرجھایا ہوا
ہر کلی، ہر غنچہ پہ ہے افسردگی چھائی ہوئی
ورطۂ غم میں ہر اک برگ و شجر ڈوبا ہوا

کیف و سرمستی کا باقی ہی نہیں کچھ بھی نشاں
سونا سونا سا نظر آتا ہے سارا گلستاں

مولانا جمیل احمد قادری

اکہرا بدن، متوسط قد، سانولا رنگ، متوسط کالی آنکھیں، کشادہ پیشانی یہ ہیں مولانا جمیل احمد خاں قادری بن عبدالجلیل خاں بن مصاحب خاں۔

بدلیا شریف سے مغربی جانب موضع پپترہ پوسٹ تسکالاجوت ضلع بستی میں ایک دیندار گھرانے میں ۱۲ر فروری ۱۹۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے پرائمری اسکول میں حاصل کی ۱۹۶۶ء میں مخزن العلوم بھاؤپور میں اردو میڈیم سے درجہ پنجم کی تکمیل کی۔ عربی کے لئے آپ نے مدرسہ سراج العلوم بھدوکھر بازار، ۱۹۷۱ء میں مدرسہ مسعود العلوم چھوٹی تکیہ بہرائچ ۱۹۷۰ء میں دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف اور ۱۹۷۴ء میں راقم السطور کے ہمراہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا سفر کیا۔ آپ وہاں تین سال رہ کر تکمیل درس نظامی کیلئے ۱۹۷۸ء میں مدرسہ اہلسنت منظر اسلام بریلی شریف چلے آئے، اور دورہ حدیث کی تکمیل کرکے شعبان المعظم میں سالانہ جشن دستار فضیلت کے موقع پر حضور مفتی اعظم ہند کے ہاتھوں سند و دستار کی تحصیل کی

فراغت کے بعد آپ نے مختلف مدارس عربیہ میں تدریسی خدمات انجام دیئے، جس میں مدرسہ ہدایت الاسلام حسن گڑھ، مدرسہ معین الاسلام بستی، مدرسہ فیضان الرسول شیوہرا اور مدرسہ مخزن العلوم بھاؤپور خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور آج کل مؤخر الذکر ادارہ میں تشنگان علوم وفنون کو سیراب کرنے میں سرگرم عمل ہیں

مولانا جمیل احمد صرف ونحو سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہیں، مزاج میں تکاسل اور عدم استقلال کی وجہ سے کئی جگہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے مگر پھر بھی تعلیم و تعلم میں مگن ہیں۔ درس نظامی کے علاوہ یوپی بورڈ کے اکثر امتحانات

میں کامیابی بھی حاصل کر چکے ہیں۔

راقم السطور نے مولانا موصوف کے ہمراہ طالب علمی کے اکثر اوقات گزارے ہیں، کئی دشوار کن مراحل پر مولانا ہی کی ذات گرامی مرے لئے خضر راہ ثابت ہوئی ہے۔ اللہ تعالی مولانا موصوف کا سایہ اہل عالم کیلئے عام و تام کرے۔

مولانا جمیل احمد صاحب غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ہو کر قادری لکھتے ہیں مگر شرف بیعت حضرت مولانا مشاہد رضا خاں صاحب قبلہ شہزادۂ شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ سے حاصل ہے اور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے سند اجازت و خلافت بھی تفویض ہوئی ہے۔

مولانا جیش محمد

مولانا جیش محمد تحصیل بانسی کے ایک گاؤں کھمریا پوسٹ مروٹیا بازار ضلع بستی میں ۱۴ر جولائی ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مکتب میں حاصل کی، وہاں سے فراغت کے بعد جناب شیخ مولوی عبداللہ (مرحوم) کی رہنمائی میں براؤں شریف دارالعلوم فیض الرسول میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۲ء سے اس ادارہ میں سلسلۂ تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدائی عربی فارسی سے دورۂ حدیث تک وہیں تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۵ء میں رسم دستار بندی ادا کی گئی اور اسی جشن میں سند فضیلت دی گئی۔ فیض الرسول کی مدت قیام میں اور دوسرے بھی امتحانات پاس کئے جن کی ترتیب اس طرح ہے۔

قرأت حفص سنہ ۱۹۷۲ء، مولوی سنہ ۱۹۷۳ء، عالم سنہ ۱۹۷۴ء

۲۵ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۶ء بروز دوشنبہ دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ میں بحیثیت استاد تقرر ہوگیا، وہاں مسلسل پانچ سال تدریسی خدمات دیں۔ اس کے بعد خلیل آباد سے متصل موضع بدھ بانی کے مدرسہ عربیہ میں صدر مدرس منتخب کر لئے

گئے اور تادم تحریر وہیں سے وابستہ ہیں، اس مختصر سی مدت میں بھی آپ نے اپنی پیہم کوششوں سے بہت ایسے طلبہ کو علم تجوید سے آراستہ کر دیا ہے جو ملک کے مختلف گوشوں میں فن تجوید کی تدریس کے فرائض انجام دینے لگے ہیں۔ آپ کی فطرت شناس طبیعت اور دینی جذبۂ اخوت نے اکثر مواضعات میں دین کے کافی جانثار پیدا کر کے انھیں اپنے حلقۂ احباب میں شامل کر لیا ہے، اس طرح آپ اکثر دیہات میں پیر کی طرح مانے جاتے ہیں، مزید خدمت خلق کے جذبہ کے تحت دعا تعویذ بھی کرتے ہیں جس سے مخلوق خدا فیضیاب ہوتی ہے۔

شعیب الاولیا حضرت شاہ یار علی صاحب سے شرف بیعت حاصل ہے۔

ح

مولانا حبیب الرحمٰن رضوی

محمد حبیب الرحمٰن ضلع بستی کے اجیار تپہ کے مشہور و معروف گاؤں ,, اگیا ،، میں ۱۵؍ جولائی ۱۹۵۵ء کو متدین گھرانے میں پیدا ہوئے سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

محمد حبیب الرحمٰن بن مولانا صوفی نظام الدین بن نصیب اللہ بن بھیتا علی بن محمد اسحاق۔

والد مکرم مولانا صوفی نظام الدین چونکہ دار العلوم فضل رحمانیہ پچپیڑوا بازار ضلع گونڈہ میں صدر المدرسین کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے تھے اس لئے انھیں کی نگہداشت میں رہ کر سلسلۂ تعلیم کا آغاز کیا اور درجہ سوئم تک اس ادارہ میں پڑھا، جب آپ کے والد مکرم بغرض تدریس دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا تشریف لائے تو انھیں کے ہمراہ آپ بھی چلے آئے اور یہیں طلب علم میں مصروف ہو گئے۔ پرائمری کی تکمیل کی پھر ابتدائی عربی و فارسی پڑھنا شروع کر دیا، چونکہ آپ صوفی صاحب کے صاحبزادے تھے اس لئے ہر ایک مدرس آپ کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ رکھتا تھا۔ وہاں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۷۲ء میں یوپی بورڈ سے مولوی کا امتحان پاس کیا پھر والد ماجد کے ایماء سے ۱۹۷۳ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور چلے آئے اور مسلسل پانچ سال تحصیل علم کرتے رہے، رفتار و گفتار اور اخلاق و عادات میں آپ بزرگ و صوفی عالم دین کے مظہر ہیں، مزید الجامعۃ الاشرفیہ کے معزز اساتذہ کے فیض صحبت نے اور نکھار پیدا کیا۔ چنانچہ مختصر سی مدت میں دینی مشغولیت اور خلوص و للہیت کی بنا پر جلد ہی ,, اشرفیہ ،، کے ممتاز طلبہ میں شمار ہونے لگے، ۱۹۷۷ء میں رسم دستار بندی ادا کی گئی اور سندِ فضیلت

تفویض ہوئی۔ سند حفص بھی وہیں سے حاصل کی۔

درس عالیہ میں آپ نے یوپی بورڈ سے جو امتحان پاس کئے ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔

عالم سنہ ۱۹۷۷ء۔ فاضل دینیات ۱۹۷۹ء۔ فاضل معقولات سنہ ۱۹۸۲ء۔ فاضل ادب سنہ ۱۹۸۴ء

موصوف فراغت کے بعد ہی ۱۹۷۷ء سے دارالعلوم تدریس الاسلام لبڈیلہ کے طالبانِ علوم دینیہ کو بڑی دلچسپی کے ساتھ تعلیم دینے کے ساتھ ان کی مذہبی تربیت کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں اس لئے کہ یہی آپ کا مزاج بن چکا ہے جو والد بزرگوار سے ورثہ میں ملا ہے اور والد بزرگوار چونکہ راہِ تصوف کے بھی مسافر ہیں اس لئے آپ بھی اپنے خیالات اور عمل میں مائل بہ تصوف ہی نظر آتے ہیں جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مستقبل قریب میں اپنے والد بزرگوار کے سچے اور صحیح جانشین ہوں گے۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتئ اعظم ہند سے شرف بیعت ہے۔

مولانا حبیب اللہ خان

متوسط قد، چوڑی ابھری پیشانی، موزوں جسم، گفتگو میں خود اعتمادی، یہ ہیں مولانا حبیب اللہ خاں نعیمی بن محمد ابراہیم خاں بن نور محمد خاں مرحوم۔

اٹوا بازار سے نو کلومیٹر جانب مشرق موضع دھوبہی پوسٹ کھنڈسری بازار ضلع بستی میں ۱۵ر جون سنہ ۱۹۵۶ء ایک کسان گھرانے میں پیدا ہوئے جو دو دہائی قبل ریاست بلرام پور کے زمیندار تھے۔ جب عمر بڑھ کر اس لائق ہو گئی کہ تعلیم حاصل کر سکیں تو والدین نے دینی رجحان کی بنا پر آپ کو قریب ترین ادارہ جامعہ اہل سنت امداد العلوم مٹہنا میں جو اس وقت مکتب کی شکل میں

تھا داخل کر دیا جہاں آپ نے منشی حیات اللہ گونڈوی اور دوسرے مشفق اساتذہ سے درجہ پنجم تک کی تعلیم حاصل کی۔

ابتدائی عربی تعلیم کے لئے اسی ادارہ میں جب کہ وہ جامعہ کی شکل اختیار کر گیا تھا داخل ہو گئے اور مولوی کورس کی تکمیل کے لئے الحاج مولانا حفیظ اللہ صاحب گونڈوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور انھیں کی سرپرستی میں منشی فنون مدرسہ جدید کا امتحان بھی پاس کیا۔ مولانا حفیظ اللہ صاحب کے مستعفی ہو جانے کے بعد مولانا زین العابدین شمسی فیض آبادی مدرس اعلیٰ کے ظل عاطفت میں رہ کر درجہ مولوی، عالم اور کامل (امتحان الہ آباد بورڈ) کا کورس پورا کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

مزید تحصیل علم کے لئے مولانا محمد کوثر نعیمی گونڈوی کی رہنمائی پر ۱۹۷۷ء میں ہندوستان کی عظیم ترین درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور پہونچ کر ساتویں جماعت میں داخلہ لیا۔ کچھ ہی دنوں بعد علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی (نائب شیخ الحدیث) کی خصوصی سرپرستی حاصل ہو گئی اس لئے بڑے ہی انہماک کے ساتھ حصول علم میں لگ گئے۔ علامہ موصوف کے زیر سایہ رہ کر قاضی مبارک، مسلم الثبوت اور تصریح جیسی اہم کتابوں کا درس لیا اور پھر تخصص میں داخلہ لیا اور "فقہ حنفی کی خصوصیات" کے عنوان پر علامہ موصوف کی نگرانی میں ایک مدلل مقالہ لکھا۔ دو سال کی قلیل مدت میں آپ نے یہ اہم کام انجام دے کر ۱۹۸۰ء کے آخر میں سند و دستار فضیلت حاصل کی۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد کئی مدرسوں کے ذمہ دار حضرات نے تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے پیش کش کی مگر آپ نے اپنا فیصلہ علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب پر موقوف رکھا، کچھ اسباب کی بنا پر علامہ فیصلہ صادر کرنے میں تاخیر ہوئی جس کی بنا پر آپ نے اراکین دار العلوم فاروقیہ مدھ نگر گونڈہ سے بات کر لی اور ۱۷/ اگست ۱۹۸۰ء میں نائب عالیہ کے عہدہ پر فائز ہو کر چلے گئے۔ دور تدریس کے آغاز ہی میں آپ نے مختلف فنون کی اہم کتابوں کا درس دیا جس سے طلبہ اور

ارکین کی نظر میں آپ کی کافی پذیرائی ہوئی۔ دو سال تعلیم دینے کے بعد تعلیمی فضا کے ناخوشگوار ہو جانے کی وجہ سے یکم اگست سنہ ۱۹۸۲ء میں استعفیٰ دے کر "انوار القرآن" بلرام پور گونڈہ کے ذمہ داروں کی پیشکش پر اسی تاریخ میں نائب صدر عالیہ کی ذمہ داری سنبھال لی۔

انوار القرآن بلرام پور کو ضلع گونڈہ میں بلاشبہ مرکزیت حاصل ہے، اس ادارہ پر معمار قوم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی خاص نظر کرم ہے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب آج بھی اسی ادارہ میں تدریسی فرائض انجام دینے میں سرگرم ہیں۔

مولانا حبیب اللہ علم و فن خصوصاً فقہ سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں اور تعلیمی مہارت بھی حاصل ہو چکی ہے اس کے ساتھ ایک متحرک و فعال انسان ہیں۔ مختصر سی عمر میں آپ نے کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ قرب و جوار نیز دور دراز علاقوں میں تقریر و تبلیغ کے ذریعہ جانے پہچانے جاتے ہیں، درس و تدریس ہی آپ کا خاص مشغلہ ہے، تعلیمی شغف ہی کی بنیاد پر عمائد جامعہ اہلسنت امداد العلوم مٹہنا جس کا شمار ضلع بستی کی عظیم درسگاہوں میں ہوتا ہے آپ کو ناظم تعلیمات کا عہدہ سپرد کیا ہے جسے آپ بڑی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

حضرت مولانا سید اختصاص الدین ابن صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ سے سنہ ۱۹۷۱ء میں بیعت کا شرف حاصل کیا ہے۔

مولانا حسن محمد

حسن محمد خاں قادری بن عبد الرحمٰن خاں، مقام لبڈیہ پوسٹ چاپیکلاں ضلع بستی میں ۱۲ / دسمبر ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے اور وہیں علمی نشو و نما بھی پائی۔

۲۷ / اکتوبر سنہ ۱۹۴۸ء میں پرائمری تعلیم کی تحصیل کے لئے مکتب لبڈیہ میں

داخل ہو گئے اور وہیں ۲۱ مئی ۱۹۵۴ء میں درجہ پنجم پاس کیا، ۱۱ جولائی ۱۹۵۴ء کو درس نظامی پڑھنے کے لئے تدریس الاسلام کے عربی و فارسی شعبے میں داخل ہوئے جہاں آپ نے حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب صدر المدرسین اور حضرت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب وغیرہما سے شرح جامی اور قطبی، میر قطبی تک سبقاً سبقاً پڑھا۔ ۱۹۶۹ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارکپور چلے آئے جہاں آپ کو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ مشکواۃ سے لے کر بخاری شریف تک اس ادارہ کے مقتدر علمائے سے درس لیا اور ۶ سال میں درس نظامی کی تکمیل کر کے ۱۹۶۵ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

سب سے پہلے آپ نے دار العلوم تدریس الاسلام میں تدریسی خدمات انجام دیں، مدرسہ حشمت العلوم رام پور کٹرہ میں ڈھائی سال بحیثیت صدر المدرسین تدریسی امور انجام دیئے۔ ۱۹۶۹ء میں دار العلوم صفویہ یتیم خانہ قصبہ کرنیل گنج ضلع گونڈہ میں صدر المدرسین کے عہدہ پر تقرر ہو گیا اور تادم تحریر وہیں اسی منصب پر فائز ہو کر اشاعت دین حق میں سرگرم ہیں۔

مولانا محمد حسن صاحب کے والدین کا ارادتی تعلق مارہرہ شریف حضرت علامہ سید آل مصطفےٰ علیہ الرحمہ سے ہے مگر موصوف حضور شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی صاحب علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں۔ مولانا اپنی بیعت کا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں
"۱۳۷۹ھ کا زمانہ تھا، حضور شیر بیشۂ سنت لیڈیہ تبلیغ دین کے سلسلے میں سالانہ جلسۂ عام میں بسڈیلہ تشریف لائے اختتام جلسہ کے بعد لوگوں کے ہجوم میں میں بھی حضرت کو اسٹیشن بھیجنے گیا، ٹرین آنے میں کچھ دیر تھی مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی دوران گفتگو حضرت نے مجھ سے فرمایا ہو کس سے بیعت ہو؟، میں نے کہا کسی سے نہیں تو حضرت نے خود مجھے اس عظیم دولت سے سرفراز کیا، یہ میرے لئے انتہائی خوش بختی ہے کہ حضرت نے اپنی مرضی سے مجھے داخل سلسلہ کیا۔

مولانا حفیظ اللہ

پستہ قد، گندمی رنگ کا چہرہ، حساس دل، متوسط بدن، گفتگو محققانہ، خاموشی حکیمانہ، یہ ہیں مولانا حفیظ اللہ بن حبیب اللہ بن حاجی محمد سلیمان صاحب مئی ۱۹۵۹ء میں مقام پرسا پوسٹ کٹھوتیا عالم ہلور ضلع بستی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں مولوی عبد الحی رسولپوری مرحوم سے حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ عربیہ سراج الاسلام لبڈیلہ میں داخلہ لیا جہاں مولانا سبیل احمد صاحب کی نگرانی میں ہدایۃ النحو تک پڑھا، مگر وہاں کی فضا راس نہ آئی جس کی وجہ سے دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا چلے گئے۔ مولانا نظام الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور باضابطہ عربی کی منتہی کتابوں تک پڑھا۔ دورۂ حدیث کے لئے مولانا عبد اللہ خاں عزیزی جو ان دنوں اشرفیہ مبارکپور سے ایک سال کے لئے آئے ہوئے تھے ان کی شاگردی اختیار کی اور ۱۹۷۷ء میں سالانہ تقریب کے موقعہ پر علماء کی جھرمٹ میں سند و دستار لی۔

مولانا حفیظ اللہ صاحب کے اساتذہ کی ایک لمبی فہرست ہے مگر جن اساتذہ سے مولانا کا زیادہ قرب رہا ان میں مولانا حکیم نعیم الدین گورکھپوری، مولانا غلام حسین مبارکپوری، مولانا عنایت احمد گونڈوی، اور مولانا نور محمد بستوی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مولانا حفیظ اللہ صاحب کو تمام علوم مروجہ و متداولہ سے دلچسپی ہے مگر تفسیر و حدیث سے کافی شغف رکھتے ہیں۔ مولانا خود جو تقریر کرتے ہیں اور دیگر حضرات سے جو سنتے ہیں ان کی تحقیق ماخذ سے کرلینا ضروری سمجھتے ہیں، بدمذہبوں سے اکثر مقابلہ بھی رہتا ہے، ان وجوہ کی بنا پر مولانا کثیر کتب مراجع پر برابر توجہ رکھتے

اور مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔

تحصیل علوم کے بعد آپ نے درس و تدریس ہی کا میدان منتخب کیا، اپنی جد و جہد سے وطن مالوف ہی میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس کا نام اجمل العلوم رکھا اور ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۱ء تک تعلیم دے کر حضرت صوفی محمد صدیق صاحب کی تعمیل ارشاد کے لئے مدرسہ عربیہ اہل سنت مظہر الاسلام ڈومریا گنج بحیثیت صدر المدرسین چلے آئے اور آج بھی اسی جگہ فرائض منصبی بحسن و خوبی ادا کر رہے ہیں۔

مولانا محمد حلیم قادری

لمبا قد، عظیم الجثہ، پکے رنگ کا رعب دار چہرہ، دوہرا بدن، اُبھری ہوئی گول ناک، گفتگو میں خود اعتمادی، مزاج میں سادگی، یہ ہیں مولانا محمد حلیم بن عبد اللطیف بن محمد عثمان۔

غالباً ۱۹۴۲ء میں موضع بھاؤپور پوسٹ بھدوکھر بازار ضلع بستی کے ایک کسان گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ مخزن العلوم بھاؤپور میں منشی امداد حسین سے حاصل کی، اسی ادارہ میں ابتدائی عربی تعلیم کے لئے مولانا مفتی جلال الدین امجدی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں کہ مولانا مفتی جلال الدین صاحب ۱۳۷۵ھ میں دار العلوم فیض الرسول براؤں تشریف استاد ہو کر آنے لگے تو مولانا محمد حلیم صاحب بھی رفقائے درس کے ہمراہ مولانا جلال الدین صاحب کی معیت میں چلے آئے۔ وہاں آپ نے ۹ سال رہ کر شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی سے عربی ادب اور تفسیر و حدیث، مولانا بدر الدین صاحب سے منطق و فلسفہ اور مولانا جلال الدین صاحب سے فقہ وغیرہ کی تحصیل کی، اور ۱۳۸۴ھ میں سالانہ جشن دستار بندی کے موقع پر حافظ ملت مولانا عبد العزیز صاحب سید العلماء، مولانا آل مصطفےٰ صاحب، شیخ المشائخ صوفی محمد یار علی صاحب اور

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا صاحب علیہم الرحمہ کی نورانی جماعت کی جھرمٹ میں دستار باندھی گئی۔

درس نظامی سے متعلق تمام علوم مروجہ کو دلچسپی سے پڑھتے پڑھاتے ہیں، مگر فقہ سے گہری وابستگی ہے اس لئے اس فن کے مطالعہ کا شوق ہمیشہ دامن گیر رہتا ہے۔

مولانا محمد حلیم صاحب کے وطن مالوف بھاؤپور میں خانگی کشمکش کی بنیاد پر اشاعت دین کی خاطر دو مدرسے ایک ہی نام کے چل رہے تھے ایک میں مولانا عزیز الرحمٰن بھاؤپوری صدارت کے منصب پر فائز ہو کر اشاعت دین میں ہنمک تھے اور دوسرے ادارہ میں مولانا محمد حلیم گاؤں والوں کے پیہم اصرار پر اور دارالعلوم فیض الرسول کے توسط سے صدر المدرسین ہو کر آگئے اور آج بھی اسی منصب پر فائز ہو کر تشنگان علوم کو بادۂ علم مصطفیٰ سے سیراب کر رہے ہیں، آپ سے استفادہ کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے، مولانا محمد وکیل صاحب مدرس فیضان الرسول اور مولانا قاری خلق اللہ صاحب مدرس فیض الرسول تلمیذ خاص رہے ہیں۔

مولانا محمد حلیم صاحب کے اندر تعمیری جذبہ بدرجۂ اتم موجود ہے، مذہبی امور میں پیش پیش رہتے ہیں، بہت متحرک اور فعال ذہن و دماغ کے مالک ہیں۔ اٹوا بازار جیسی سنگلاخ زمین میں مدرسہ فیضان رضا کا قیام اور اسی سے متصل ایک جامع مسجد جو اس وقت زیر تعمیر ہے آپ کا مثالی کارنامہ ہے

مولانا محمد حنیف قادری

مولانا محمد حنیف قادری موضع براؤں شریف میں جولائی ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم براؤں شریف مکتب فیض الرسول میں ہوئی،

اس قریے کو حضرت شیخ المشائخ شاہ محمد یار علی صاحب علیہ الرحمہ کے مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہاں ہندوستان کے جلیل القدر علماء و مشائخ سالانہ جلسوں میں آتے رہتے تھے جس کے سبب آپ کے اندر دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا اور جب آپ نے اس شوق کا اظہار حضرت شاہ صاحب سے کیا تو انھوں نے نانپارہ مولانا مفتی رجب علی صاحب کے مدرسہ عزیز العلوم میں داخل کرا دیا، یہ غالباً ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔ آپ ایک سال نانپارہ ضلع بہرائچ رہے اور دوسرے سال ۱۹۵۰ء میں حضرت مولانا محمد صابر القادری نسیم بستوی کے ساتھ جو ان دنوں دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں پڑھ رہے تھے حضرت شاہ صاحب نے اشرفیہ مبارکپور تحصیل علم کے لئے بھیج دیا۔ جب آپ کے والد ماجد جناب احمد علی صاحب کا ایک طویل علالت کے بعد ۱۹۵۳ء میں انتقال ہو گیا تو آپ اشرفیہ چھوڑ کر بستی چلے آئے اور دو سال تک مدرسہ انجمن معین الاسلام پرانی بستی میں حضرت مولانا بدر الدین احمد قادری رضوی کی خدمت میں تحصیل علم فرماتے رہے، دوبارہ ۱۹۵۵ء میں پھر دارالعلوم اشرفیہ پہونچے اور تعلیم و تعلّم میں مصروف ہو گئے، موصوف کا اس وقت اشرفیہ کے ہونہار طالب علموں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵۷ء درجہ عالیہ کے امتحان مولوی میں فرسٹ ڈویژن اور عالم و فاضل میں اچھے نمبروں سے پاس ہوئے اور ۱۹۶۰ء میں درس نظامیہ کی بھی تکمیل کی اور حافظ ملت کے مقدس ہاتھوں دستار و سند سے نوازے گئے۔

مکمل آٹھ سال حضور حافظ ملت کے زیر سایہ علمی تربیت ہوئی، شفقت و محبت کا یہ سلسلہ آپ پر حافظ ملت کی زندگی کے آخری لمحے تک برقرار رہا۔ حضور حافظ ملت کے حکم سے ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۰ء تک اشرفی دارالمطالعہ کے لائبریرین کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد دارالعلوم فیض الرسول میں بحیثیت نائب عالیہ تقرر ہو گیا، مدتوں اس ادارہ کی خدمت کی پھر کچھ ناساعد حالات کے پیش نظر

۱۹۸۳ء میں اس ادارہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا چلے گئے جہاں اس وقت نائب شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں جب کہ شیخ الحدیث کے منصب پر حضرت مولانا صوفی نظام الدین صاحب فائز ہیں۔

مولانا قادری صاحب تدریسی امور کی انجام دہی کے علاوہ فیض الرسول کے انتظامی امور میں کافی دخیل تھے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دار العلوم فیض الرسول کی تعمیر و ترقی میں آپ کا بھی نمایاں کردار ہے۔

حافظ ملت آپ کی اصابت رائے کے بہت مدّاح تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حافظ ملت کو الجامعۃ الاشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ کے عہدہ پر مامور کیا گیا تو آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ الجامعۃ الاشرفیہ کا دستور مرتب فرمایا اور اسے رجسٹریشن کرایا۔ قادری صاحب دستور اساسی کی ترتیب و تدوین اور رجسٹریشن کرانے کے سلسلہ میں حافظ ملت کے مشاورتی بورڈ کے ایک فرد تھے اور اب بھی اہم مشوروں میں آپ کی شرکت ہوتی رہتی ہے۔

مولانا قادری بہت منکسر المزاج، بے حد فعال اور متحرک انسان ہیں، آپ کام سے کبھی نہیں گھبراتے، سستی و کاہلی کے آپ پکے مخالف ہیں، سررشتۂ تعلیم اتر پردیش کے قواعد و ضوابط میں اس قدر معلومات رکھتے ہیں کہ اس سے ملحقہ اداروں کے پرنسپل اور منیجر حضرات مشکل مسائل میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ شاید انھیں صلاحیتوں کے پیش نظر عربی و فارسی مدارس کی ایسوسی ایشن کے آپ صدر منتخب کر لئے گئے ہیں اور اس سے پہلے آپ جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز تھے۔

مولانا حیدر علی

متوسط قد، اکہرا بدن، سانولا رنگ، لمبا چہرہ اور اس پر گول موزوں ناک،

لمبی متوسط انگلیاں، چمکتی آنکھیں، کم گفتار، طبیعت میں خاموشی یہ ہیں مولانا محمد حیدر علی اشرفی بن سخاوت علی اشرفی بن ذکری بن گھسیاون۔ امرڈوبھا بکھرا البستی میں یکم جولائی ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی مکتب کی تعلیم گاؤں ہی کے ایک مکتب میں حاصل کی پھر ابتدائی عربی و فارسی کے لئے دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا میں داخل ہوئے، وہاں کے قابلِ قدر اساتذہ کے زیر سایہ رہ کر درسِ نظامیہ کی تکمیل کی اور درس عالیہ کے امتحانات بھی دیئے۔ امتحانات کا یہ سلسلہ فراغت کے بعد بھی چلتا رہا، چنانچہ اب تک منشی، کامل کے علاوہ فاضل دینیات و معقولات میں کامیابی حاصل کرچکے ہیں، مزید حصول علم کے لئے آپ تنویر الاسلام سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور پہونچے، وہاں تشنگیٔ علم کے بعد ۱۹۷۸ء میں سند فضیلت اور دستار فراغت حاصل کی۔

مولانا حیدر علی صاحب تدریسی صلاحیت کے حامل ہیں، کئی مدرسوں کو زینت بخش چکے ہیں، اس وقت مدرسہ نور العلوم ٹنڈوا لبستی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

خانوادۂ اشرفیت کے فرزند حضرت صوفی شاہ طفیل احمد اشرفی الجیلانی بسکھاری سے بیعت کا شرف حاصل ہے۔

خ

مولانا خلق اللہ خلیق فیضی

لمبا قد، سانولا رنگ، دوہرا بدن، پتلی ناک، گھنی داڑھی، سبک رفتار، خوش آواز، مزاج میں سنجیدگی، بہت خلیق، بڑے خوش مذاق یہ ہیں مولانا خلق اللہ صاحب خلیق فیضی بن نور اللہ بن نصیب دار۔

مقام چرکھوا پوسٹ بھدوکھر بازار ضلع بستی میں ۱۲ر مارچ ۱۹۵۶ء میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم چچازاد بھائی محمد سلیم مرحوم سے حاصل کی، اور پھر اپنے بھائیوں کے ہمراہ بمبئی جاکر ہری مسجد میں تکمیل کیا۔ مدرسہ مخزن العلوم بھاؤ پور میں مولانا عبد الحکیم اور مولانا سمیع اللہ صاحبان سے کافیہ تک پڑھا۔ ۱۹۷۱ء میں اُس وقت دار العلوم فیض الرسول براؤں تشریف لے گئے جب مولانا بدر الدین صاحب رضوی منصب صدارت اور علامہ غلام جیلانی صاحب منصب شیخ الحدیث کو زینت بخش رہے تھے، ان حضرات کے علاوہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب بلتی پوری (بستوی) سے اخذ علم کرکے علوم متداولہ تکمیل کی۔ ۱۹۷۷ء میں عرس یار علوی کے موقع پر علماء کی مقدس جھرمٹ میں سند و دستار فضیلت حاصل کی۔

خوش آواز ہونے کی وجہ سے درس نظامی کی تکمیل کے دوران مولانا قاری علی حسن بستوی اور قاری عبد الحکیم صاحب سے تجوید کی مشق بھی کی۔ ۱۹۷۷ء میں فراغت کے بعد مرکزی دار القرأت میں داخلہ لیا اور قاری محب الدین صاحب اور ان کے فرزند قاری احمد ضیاء ازہری کے سایۂ عاطفت میں رہ کر روایت حفص اور قرأت سبعہ کی تکمیل کی، ۱۹۷۹ء میں سند تفویض ہوئی۔

دار العلوم ندائے حق جلالپور میں نائب صدر المدرسین کے عہدہ پر مامور ہو کر تدریسی فرائض بھی انجام دیئے مگر اراکین فیض الرسول کی چاہت پر ۱۹۸۰ء

میں استاذ قرأت ہو کر تشریف لے آئے اور اب بھی اسی عہدہ پر فائز ہو کر فرائض کی تکمیل میں سرگرم عمل ہیں۔

مولانا خلیق فیضی علوم متداولہ میں تفسیر و حدیث سے دلچسپی رکھتے ہیں نیز الہ آباد بورڈ کے اکثر امتحانات میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کر چکے ہیں، خوش گلو اور خوش آواز ہونے کے ناطے توجہ کا اکثر حصہ فن قرأت کی طرف مبذول رہتا ہے۔ مولانا موصوف کے نام کے ساتھ خلیق فیضی کا تعلق تخلص کی حیثیت سے نہیں کیونکہ مولانا شاعر نہیں، البتہ شعر پسند ہیں۔ مولانا بدر الدین صاحب مدرسہ فیض الرسول سے گہری وابستگی کی بنیاد پر خلیق فیضی کہنے لگے۔ ایک عالم باعمل کی زبان مبارک سے نکلا ہوا لفظ اس قدر قبول خاص و عام ہوا کہ ہر جگہ آپ اسی نام کے ساتھ جانے پہچانے جانے لگے۔

مولانا محمد خلیل

مولانا محمد خلیل موضع جھکہیا ضلع بستی کے رہنے والے تھے، تاریخ پیدائش کا صحیح پتہ نہ چل سکا۔ ابتدائی تعلیم قرب و جوار کے مدارس میں حاصل کی۔ درس نظامی کی تحصیل کیلئے دیوبند ضلع سہارنپور کا سفر کیا، عرصۂ دراز تک مصروف تعلیم رہکر وہیں سے سند فضیلت حاصل کی۔ مولانا موصوف مذہبا غیر مقلد اور اس جماعت کے جید عالم تھے، مگر جب سلطان المناظرین مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی اور کچھ بحث و مباحثہ ہوا تو ان پر مذہب حق روشن ہو گیا اور غیر مقلدیت سے توبہ کر کے مذہب اہل سنّت و جماعت کے پیروکار ہو گئے، میلاد مصطفٰی کی محفلیں خوب دھوم سے منعقد کرتے، وعظ و نصیحت کی مجلسیں سجاتے، ہر حیثیت سے مذہب حق کی نشر و اشاعت کرتے، عربی و فارسی دونوں زبانوں کے اچھے عالم تھے، فارسی زبان سے گہرا ربط تھا، غیر مقلدوں سے مناظرے بھی کئے ہیں تادم زیست مسلک حق کی نشر و اشاعت ہی موصوف کا شغل رہا۔ آج بھی موصوف کا گھرانہ مذہب حق پر قائم ہے۔

ن

مولانا ذکر اللہ

مولانا ذکر اللہ موضع پرسونیا ضلع بستی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم قرب و جوار کے مدارس میں حاصل کی، درس نظامی کی تکمیل دار العلوم دیوبند (سہارنپور) سے کی۔ پہلے تو آپ غیر مقلد تھے، پھر بعد میں امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد ہو گئے، مسلک میں انھیں کے اصول و ضوابط پر عمل کرتے تھے، غیر مقلدیت سے انحراف کا سبب نہ معلوم ہو سکا، بہر حال آپ کی زندگی کا یہ عجیب انقلاب ہے۔

علوم مروجہ و متداولہ کو شوق سے پڑھتے پڑھاتے، فارسی ادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ جس زمانے میں آپ نے حنفی مسلک قبول کرنے کا اعلان کیا تھا اس وقت عجیب ہنگامہ آپ کے گھر تھا۔ تمام غیر مقلدوں نے مکان گھیر لیا تھا اور سب نے مشترکہ کوشش کر ڈالی کہ مولانا مذہب نہ بدلنے پائیں اس سلسلے میں بحث و مباحثے اور اعتراضات و جوابات بھی ہوئے، مناظرے بھی کرنے پڑے، آپ کے مناظرے کی زبان فارسی ہوتی، اس طرح آپ نے غیر مقلدوں کے ہجوم سے مقابلہ کیا اور انھیں شکست فاش دی، شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہ کر آپ نے کئی مناظرے کئے ہیں، شیر بیشۂ سنت آپ کو کافی چاہتے تھے[1]۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سے کافی رفاقت تھی۔

غیر مقلدیت سے انحراف کے بعد "مناظر اہلسنت" سے مشہور ہو گئے۔ زندگی کے آخری ایام میں بڑھنی بازار کے قریب مدرھیا۔ ڈھبروا میں آکر سکونت اختیار کی اور یہیں زندگی کے آخری سانس تک رہے۔

---

[1] ڈبرا ضلع بستی میں جو تاریخی مناظرہ ہوا تھا اس میں مناظر اول حضرت مولانا ذکر اللہ صاحب ہی تھے جب اس میں کامیابی ہوئی فاتح قلعہ ڈبرا کے نام سے موسوم ہوئے۔

ب

مولانا رئیس احمد جیلانی

مولانا سید رئیس احمد اشرفی جیلانی بن سید نذر حسین اشرفی کا سلسلہ حضور سید سلطان اشرف جہانگیر سمنانی کے واسطے سے غوث اعظم سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ سے جا ملتا ہے۔

آپ کی ولادت ۲۶ راگست ۱۹۴۴ء کو موضع سنگا پور پوسٹ صالح پور ضلع بستی میں ہوئی۔ گھر کا ماحول علمی نہ تھا۔ کھیتی باڑی کا کام ہوتا تھا جواب بھی بدستور جاری ہے مگر آپ کے والدین نے آپ کو دینی علوم کی تحصیل کی طرف مائل کیا۔ ضلع بستی کا ایک مدرسہ جسے دار العلوم دیوبند سے بھی قدیم سمجھا جاتا ہے۔ یعنی مدرسہ ہدایت الاسلام، جو مولانا جعفر علی نقوی کا قائم کردہ ہے داخل کر دیا، ۱۹۵۶ء تک آپ وہاں رہے، اس مدت میں آپ نے کافیہ تک پڑھا۔ ایک مرتبہ وہاں کے کسی طالب علم نے حضرت سید محمد محدث اعظم ہند (جو رشتے میں آپ کے ماموں ہوتے تھے) کو سخت و سست کہا۔ آپ نے یہ برداشت نہ کیا اور وہاں سے بے تعلق ہو کر چلے آئے۔ یہ یاد رہے کہ یہ مدرسہ غیر مقلدین کا ہے۔

مولانا سید شاہ موصوف اشرف جب سنگا پور آئے تو آپ نے ان کے سامنے سارے حالات بیان کر دیئے، آنجناب کے دل کو عجیب ٹھیس لگی اور آپ کو لا کر دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں داخل کر دیا جہاں آپ سال فراغت تک محنت سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں سند قرأت و تجوید اور ۱۹۶۳ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

۱۹۶۴ء سے آپ نے دار العلوم اسحاقیہ جودھپور سے نائب صدر مدرس کی حیثیت سے درس و تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۰ء میں حضرت

مولانا سید محمد مدنی کے حسب ایما پر برن پور ضلع بردوان بنگال تشریف
لے گئے۔ مدرسہ مسلم یتیم خانہ رائے پور میں صدر مدرس کی حیثیت سے ۱۳ سال
رہے، دورانِ درس و تدریس ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جسے آپ کی زندگی
کا اہم موڑ سمجھنا چاہئے، ہوا یوں کہ ایک بزرگ سے آپ کی ملاقات ہوئی جنہوں
نے آپ سے فرمایا کہ ملازمت چھوڑ دو، اس کے علاوہ جو بھی کام کروگے ترقی
ہوگی، ان بزرگ کے حکم کے مطابق آپ نے ملازمت ترک کردی، اکتوبر
۱۹۸۶ء میں مدھیہ پردیش میں ادارۂ شرعیہ کی بنیاد رکھی۔ اس وقت اسی کی
ترویج وارتقا میں مصروف ہیں۔

مولانا سید رئیس احمد ایک باذوق انسان ہیں، فقہ وفن تجوید سے خصوصی
دلچسپی رکھتے ہیں، خطابت کا اعلیٰ ذوق بھی حاصل ہے، گفتگو میں خود اعتمادی کے
کے ساتھ لب ولہجہ میں شائستگی بھی ہوتی ہے۔ راقم کو ملاقات کا شرف حاصل ہے۔

مولانا روح اللہ برکاتی

مولانا روح اللہ برکاتی بن محمد عباس موضع گنگولی پوسٹ کھنیاؤں ضلع بستی
میں ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، قرآن شریف اور ابتدائی تعلیم والد
سے حاصل کی، درس نظامی کی تحصیل کے لئے والد ماجد نے ۱۳۸۸ھ میں دارالعلوم
فیض الرسول میں داخل کردیا۔ ۹ سال کے مدت قیام میں منشی، مولوی،
عالم اور فاضل کے امتحانات بھی پاس کئے اور ۲۲ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ میں درس
نظامی کی تکمیل کرکے سند و دستار فضیلت بھی حاصل کی۔

درس و تدریس کا شغل جاری رکھنے کے لئے قصبہ بیسلپور ضلع پیلی بھیت میں
ملازمت اختیار کی مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ رہ سکا۔ بالآخر ضلع بستی واپس
ہوکر شہرت گڑھ مدرسہ نور اللطیف میں تدریسی فرائض انجام دینے

یہ سلسلہ چند ماہ ہی چلا تھا کہ وہاں سے مستعفی ہو کر گھر چلے آئے اور گاؤں کے متصل سریا ر کے مدرسہ منظر العلوم میں ملازمت اختیار کر لی اور تادم تحریر اسی ادارہ میں پڑھا رہے ہیں۔

مولانا حافظ محمد رئیس

حضرت مولانا حافظ محمد رئیس احمد صاحب موضع دھوریرہ پوسٹ خلیل آباد ضلع بستی میں ۲۵ جون ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بحر العلوم قصبہ خلیل آباد میں حاصل کی، متوسطات دار العلوم تنویر الاسلام امردوبھا میں پڑھیں اور وہیں سے سند حفظ بھی لی، درس نظامی کی تکمیل کے لئے دار العلوم منظر حق ٹانڈہ چلے گئے۔ حضرت علامہ عبد المصطفی صاحب اعظمی کے زیر سایہ رہ کر سند فضیلت حاصل کی۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد علامہ اعظمی کے ایماء پر ایک ایسی ویران جگہ پہونچے جہاں گھوسی قوم کی بستی تھی جو اپنے مخصوص عادت اور خصائل کی وجہ سے قرب و جوار میں مشہور تھی اسی قوم کے درمیان مولانا عبد الرب مصباحی کی کوششوں سے مدرسہ مظہر العلوم قائم کر کے اس کے انتظام و تعلیم میں لگ گئے، آپ بھی انھیں کے حسب منشاء تدریسی فرائض انجام دینے میں مصروف ہو گئے، مدرسہ کی فلاح و بہبود کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ ہزار ہا مساعی سے انگریزوں کا ایک چرچ ۶ جون ۱۹۷۸ء کو خریدا اور اس میں دینی تعلیم شروع کی، اور وہ بلڈنگ جو اہل باطل کی صداؤں سے گونج رہی تھی آپ کی کد و کاوش سے منارۂ علم و ہدایت بن گئی، اور اب باضابطہ حدیث و قرآن، فقہ حاصل کرنے والے تقریباً ۳۰۰ سو طلبا اس میں رہ کر خدمت دین متین میں مصروف ہیں۔

مولانا محمد رئیس احمد صاحب ایک متحرک اور فعال شخصیت کے حامل ہیں۔
چند روز میں مدرسہ مظہر العلوم کی معمولی عمارت کو ایک شاندار وسیع
بلڈنگ میں تبدیل کر دینا اور درسِ نظامی کا باضابطہ انتظام کر دینا
آپ کی صلاحیت کی بیّن دلیل ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ ادارہ
مضد میں اپنی مثال آپ ہے

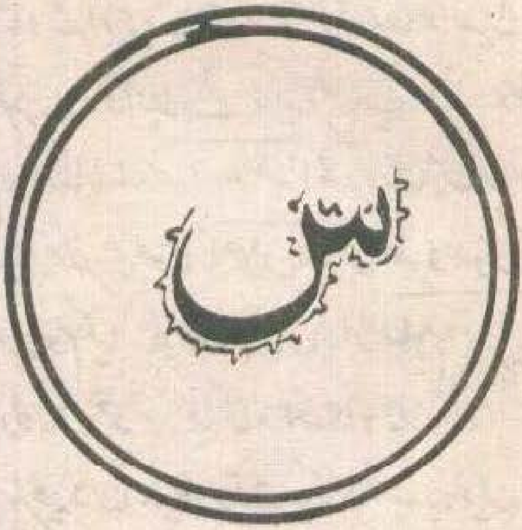

مولانا سخاوت علی

سخاوت علی نام، والد کا نام الحاج اسرار احمد مرحوم کنیت ابوالاظہار اور تخلص سخا ہے۔ غالباً ۱۹۲۸ء میں موضع اگیا ایک ترک گھرانے میں پیدا ہوئے۔

درجہ پنجم گاؤں کے پرائمری مکتب میں پاس کیا۔ گلستاں، بوستان دیوبندی مکتب فکر کے مدرسہ میں پڑھا۔ جب دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ کا قیام عمل میں آیا تو وہاں پہنچے مولانا محمد فاروق فیض آبادی سے شرح جامی اور شرح وقایہ تک تعلیم حاصل کی۔ ابتدا ہی سے مولانا صوفی نظام الدین، مولانا کاظم علی اور آپ کے درمیان گہرے روابط تھے، یہ اصحاب ثلاثہ ۱۹۴۷ء میں ساتھ میرٹھ گئے، وہاں کی عظیم درسگاہ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میں داخلہ لے کر صدر العلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی اور حضرت مولانا مبین الدین امروہوی کی خدمت میں ایک سال رہ کر اکتساب علوم کیا۔ ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور پہنچے، مسلسل چار سال اس ادارہ میں خوشہ چینی کی۔ ۱۹۵۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

دارالعلوم اشرفیہ میں اپنے وقت کے (حسب ذیل) جلیل القدر اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

۱۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ۔ ۲۔ حضرت علامہ محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری
۳۔ شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی۔ ۴۔ حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی،
۵۔ مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب بلیاوی ۶۔ مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب اعظمی۔

(چونکہ آپ کے بھائی صاحب بمبئی میں تجارت کرتے تھے) اس لئے فراغت کے بعد بغرض تفریح بمبئی تشریف لے گئے۔ محلہ ٹانک بندر میں ایک نائٹ اسکول چلتا تھا اس کے لئے بسڈیلہ کے سیٹھ حدیث علی مرحوم اور الحاج گھراؤ صابن والے

کی کوشش سے وہاں بچوں کو تعلیم دینا شروع کیا۔ چند ماہ بعد جب مکان بمبئی سے آنا ہوا تو اس وقت تدریس الاسلام بسڈیلہ میں مدرس کی ضرورت تھی، صرف مولانا اعجاز احمد اعظمی تنہا کام کر رہے تھے۔ اہل بسڈیلہ کی پیہم کوششوں سے انھیں کی نیابت میں وہاں کام کرنا شروع کیا۔ تقریباً ڈھائی سال تعلیم دی تھی کہ حضرت مولانا عبد المصطفےٰ اعظمی نے دار العلوم شاہ عالم احمد آباد سے ٹیلی گرام کیا کہ جلد ہی یہاں چلے آؤ، چنانچہ جنوری ۱۹۵۵ء میں وہاں پہنچ کر تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور یہ شغل ۱۹۵۹ء تک برقرار رہا، جب رمضان المبارک کی چھٹی میں مکان تشریف لائے اس وقت تنویر الاسلام امرڈوبھا میں مدرس کی سخت ضرورت تھی، انھیں دنوں انجمن معین الاسلام پرانی بستی کا سالانہ اجلاس تھا جس میں مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن قادری رئیس اعظم اڑیسہ شریک تھے، باشندگان امرڈوبھا نے حضرت کی بارگاہ میں درخواست پیش کی تو حضرت نے وہاں کے حالات کے پیش نظر آپ کو نامزد کیا اور فیاض الحق کلیم بستوی کے بدست ایک حکم نامہ روانہ کیا، حکم نامہ ملتے ہی آپ نے دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا پہنچ کر تدریسی ذمہ داری سنبھال لی۔ اس وقت مدرسہ ابتدائی مرحلہ میں تھا، کمیٹی میں انتشار تھا۔ سیٹھ محمد حسن مدرسہ سے برگشتہ تھے۔ دوسرے مکتب فکر کا ایک مشترکہ ادارہ الگ چل رہا تھا۔ ایسے ماحول میں رہ کر علوم اسلامیہ کو فروغ دینا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن آپ نے ایسی ہمت وجواں مردی سے کام کرنا شروع کیا کہ چند دنوں میں انتشار اتفاق سے بدل گیا اور مدرسہ کی ایک منظم کمیٹی بن گئی جس میں سیٹھ محمد حسن کو ناظم اور جناب شاہ علی کو منیجر نامزد کیا گیا، روز افزوں طلبہ کا کافی ہجوم ہوتا رہا یہاں تک کہ مدرسہ کی عمارت بچوں کی کثرت کی وجہ سے ناکافی ہوئی۔ نوجوان طبقہ کو مدرسہ کی جانب متوجہ کرنے کے لئے لائبریری قائم کر کے کتابوں کا ذخیرہ جمع کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے نوجوانوں کی توجہ آسانی سے مدرسہ کی طرف مرکوز ہو گئی، بہرحال اراکین کا جذبہ اور نوجوانوں کا خلوص روز افزوں مدرسہ کے حق میں مفید ثابت ہوتا رہا چند

ہی دنوں میں یہ مدرسہ دارالعلوم کی شکل اختیار کر گیا، رفتہ رفتہ اچھی خاصی تعمیر بھی ہوگئی اور مدرسین کا عمدہ اسٹاف بھی جمع کر لیا گیا۔ آپ ہی کی پیہم کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں یہ ادارہ ضلع بستی کے مرکزی اداروں کی صف میں شامل ہوگیا۔ کمیٹی کو اصول وضوابط کے ساتھ رجسٹرڈ کرا کے مدرسہ کو یوپی بورڈ سے الحاق کرالیا جس کے تحت طلبہ مولوی، عالم، فاضل، منشی، کامل وغیرہ کے امتحان میں شریک ہوکر نمایاں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ اسی دارالعلوم میں ۱۹۶۳ء میں آپ کی تگ ودو سے حضرت مولانا صوفی نظام الدین صاحب کا تقرر ہوا جس کی وجہ سے دارالعلوم میں چار چاند لگ گئے۔

علامہ جلال الدین السیوطی کی کتاب "شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور" جب آپ کے مطالعہ سے گزری تو آپ کو یہ خیال آیا کہ اگر اس کتاب کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے تو مسلمان اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں لیکن پیہم مصروفیت اس اہم کام سے مانع رہی، پھر بھی کچھ وقت نکال کر اس کتاب اور دوسری چند کتابوں سے مضامین اخذ کر کے ایک کتاب ترتیب دی جس کا نام "تنویر الہدیٰ فی حیاۃ الشہداء والموتیٰ" رکھا اور مفتیٔ اعظم کی تقریظ کے ساتھ ۱۹۶۶ء میں شائع کیا۔ اس کتاب نے اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ چند ماہ کے اندر دوسرا ایڈیشن بھی شائع کرنا پڑا۔

"تنویر الہدیٰ" کی اشاعت کے بعد مولانا موصوف کی خواہش ہوئی کہ درود پاک کے فضائل وبرکات پر چہل حدیث جمع کریں۔ سلسلہ شروع ہی کیا تھا کہ ناگاہ ایک حادثہ کے پیش نظر گھریلو الجھنوں میں گھر کر دینی خدمات سے محروم ہوگئے۔ اتفاقاً وہ مسودہ کہیں مولانا حبیب الرحمٰن بستوی کے ہاتھ لگا۔ مولانا کتاب کے مطالعہ کے بعد آپ سے پیہم تقاضے کرتے رہے کہ جلد ہی پایۂ تکمیل تک پہنچا کر زیور طبع سے آراستہ کیا جائے۔ بحمدہٖ تعالیٰ آپ نے اسے مرتب کیا اور دارالعلوم تنویر الاسلام کی طرف منسوب کر کے اس کا نام "تنویر الاسلام در فضائل صلاۃ و

سلام،، رکھا، یہ کتاب جلد ہی شائع ہونے والی ہے۔

دورانِ تعلیم ۱۹۵۱ء ہی میں حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

مولانا سعید حسن

حضرت مولانا سعید حسن بن خاطر علی مرحوم بن حاجی عبد الغنی مرحوم موضع بسڈیلہ پورٹ چائی کلاں ضلع بستی، ۱۲ر فروری ۱۹۴۷ء کو علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ رسم بسم اللہ خوانی مکتب تدریس الاسلام میں ماسٹر منشی دار صاحب نے کرائی۔ بعد کی تعلیم شرحِ جامی تک مولانا عبد الحفیظ اعظمی، مولانا معین الدین خاں بستوی، مولانا اعجاز احمد خاں اعظمی، مولانا ظہیر حسن اعظمی، اور مولانا ابو اللیث اعظمی سے حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں دار العلوم صمدیہ بھیونڈی جسے سیٹھ عبد الصمد نے قائم کیا تھا چلے آئے یہاں آپ زیادہ دن نہ رہ سکے، درجۂ شرح جامی کے ما بقی اسباق کے علاوہ نور الانوار بھی یہیں حضرت مولانا عبد المصطفےٰ اعظمی اور قاری محب الدین گیاوی سے پڑھی۔ ۱۹۶۴ء میں ہندوستان کی عظیم درسگاہ ،، دار العلوم اشرفیہ ،، مبارکپور پہنچے، پھر کچھ دنوں کے لئے مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ چلے آئے اور یہاں کے اساتذہ مولانا اعجاز احمد مبارکپوری اور مولانا عبد العزیز مبارکپوری سے ہدیہ سعیدیہ ہدایہ اولین، اور مشکوٰۃ شریف کا درس لیا، اور یہیں سے سررشتہ تعلیم اترپردیش سے ۱۹۶۵ء میں مولوی کا امتحان بھی پاس کیا۔ ۱۹۶۵ء میں دار العلوم اشرفیہ آکر دو سال تک مصروف تعلیم رہے اور حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا مظفر حسن ظفرادیبی، حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اور حضرت مولانا سید حامد اشرف صاحب سے درس نظامی کی بقیہ کتابوں کا درس لیا اور حضرت حافظ قاری عبد الحکیم سے قرارت سیکھی، ۱۹۶۷ء میں

سند فضیلت حاصل کی اور حضرت مولانا سید شاہ مختار اشرف صاحب سجادہ نشین خانقاہ کچھوچھہ شریف کے مقدس ہاتھوں دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے بعد پہلے آپ نے ۱۹۶۸ء میں مدرسہ عربیہ فیاض العلوم موضع پکسراواں ضلع رائے بریلی میں تدریسی خدمات انجام دیں اس کے بعد مدرسہ عربیہ سراج العلوم برگدہی علاقہ بیالیس گاواں ضلع گورکھپور میں صدر المدرسین کے عہدہ پر مامور ہوئے، وہاں آپ ۱۴ فروری ۱۹۶۹ء تک رہے پھر ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء انجمن معین الاسلام پرانی بستی میں اسی عہدہ پر آپ کا تقرر ہو گیا۔ ۱۲ اپریل ۱۹۷۵ء میں مدرسہ رضاء العلوم قصبہ کنہواں ضلع سیتامڑھی میں صدر المدرسین ہو کر چلے گئے اور تادم تحریر اسی ادارہ میں رہ کر اشاعت علم دین میں مصروف ہیں آج یہ ادارہ ترقی کی جس شاہراہ پر گامزن ہے اس میں آپ ہی کی کوشش کا دخل ہے۔ جس وقت آپ نے اس ادارہ میں صدارت کا چارج لیا تھا اس وقت اس ادارہ کی سالانہ آمدنی ۵۴ ہزار تھی اس وقت یہ آمدنی ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ عمارت کی توسیع کے لئے دس لاکھ کا پلان ہے مستقبل قریب میں اپنی کوششوں سے مولانا موصوف اس ادارہ کو بڑی درسگاہوں کی صف میں لانا چاہتے ہیں، خدا کرے موصوف اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔

مولانا سعید حسن کو علوم متداولہ میں تفسیر و حدیث سے گہرا ربط ہے۔ ادب سے آپ کا ذوق اچھا ہے۔ تدریسی صلاحیت کے علاوہ فن خطابت سے بھی آشنا ہیں یوپی، بہار کے اکثر اضلاع میں بحیثیت خطیب دورے کرتے رہتے ہیں۔

۱۳۸۰ھ میں جب آپ شرح ماۃ عامل کے طالب علم تھے حضور شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا حشمت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔

مولانا سیّد احمد انجم

محمد سید احمد انجم عثمانی بن قاضی عبدالحمید بن عبدالقادر ۲؍ جنوری ۱۹۵۰ء بگولہوا (جو کہ شہرت گڑھ کے شمال میں تین میل پر واقع ہے) پوسٹ شہرت گڑھ ضلع بستی میں ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم درجہ دوم تک اپنے گاؤں کے مکتب میں حاصل کی اس کے بعد اپنے ناناجان شعیب الاولیاء حضرت شاہ صاحب کے حکم سے مکان سے ننہال (براؤں شریف) چلے آئے اور شاہ صاحب کے ہی زیر سایہ درجہ پنجم تک باضابطہ پڑھا۔ درس نظامی کی تعلیم بھی از اول تا آخر حضرت شاہ صاحب کے ہی زیر سایہ حاصل کی، اور انھیں کے مقدس ہاتھوں دستار فضیلت و سند فراغت سے مشرف ہوئے۔ درس نظامی کے علاوہ درس عالیہ الہ آباد بورڈ سے منشی، مولوی، عالم، فاضل ادب، فاضل دینیات، فاضل معقولات اور منشی کامل کے امتحانات پاس کئے۔ یوں تو آپ کو تقریباً سبھی اساتذۂ دارالعلوم فیض الرسول سے شرف تلمذ حاصل ہے مگر شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی صاحب علیہ الرحمہ کا آپ کے اوپر خاص کرم رہا کرتا تھا۔ جس طرح ایک باپ اپنے لائق فرزند پر مہربان ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح حضرت کی شفقتیں، عنایتیں آپ کے ساتھ رہیں۔

مولانا موصوف نے فراغت کے بعد مادر علمی فیض الرسول میں تقریباً ایک سال ۵ ماہ بلا مشاہرہ درس دیا، اس کے بعد خال مکرم جناب محمد فاروق مرحوم مینجر دارالعلوم فیض الرسول اور صوفی محمد صدیق صاحب موجودہ سجادہ نشین آستانۂ یار علویہ کے حکم سے بحیثیت صدر مدرس مدرسہ رفاقت العلوم ولی نگر بارہ بنکی تشریف لے گئے۔ وہاں سات ماہ نہایت ذمہ داری سے کام کیا ناگاہ فیض الرسول میں ایک مدرس کی سخت ضرورت پیش آئی، اس سلسلہ میں مولانا محمد یونس صاحب

صدر المدرسین دار العلوم فیض الرسول نے مجلس منتظمہ میں آپ کا نام پیش کیا جو باتفاق رائے منظور کر لیا گیا اور طلبی کا پروانہ ملتے ہی بارہ بنکی سے مستعفی ہو کر چلے آئے اور باضابطہ تدریسی خدمات پر مامور ہو گئے، اس وقت بھی اسی ادارے سے وابستہ ہیں۔ شعیب الاولیاء حضرت شاہ صاحب کی درویشانہ زندگی سے متاثر ہو کر ۱۹۶۵ء میں اپنے خال مکرم مولانا عبد القادر علوی کے ساتھ انھیں سے شرف بیعت حاصل کیا۔

علاوہ ازیں شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی نے بھی آپ کو فراغت کے ایک سال بعد سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرما کر خرقہ خلافت بھی عطا فرمایا اور قرآن عظیم، احادیث نبویہ اور دیگر اوراد و وظائف کی تحریری اجازت عطا فرمائی۔

شعر و سخن کا اعلیٰ ذوق رکھنے کی وجہ سے انجم عثمانی تخلص فرماتے ہیں۔

ش

مولانا شاہ محمد کیفی

شاہ محمد بن منشی رضا تخلص کیفی بستوی ہے۔ ضلع بستی کے ایک غیر معروف علاقہ کھونیاؤں بلاک میں موضع دھوبہا میں یکم جون ۱۹۴۶ء کو متولد ہوئے ابتدائی تعلیم درجہ پنجم تک ہندی، حساب و جغرافیہ کے مضامین کیساتھ گاؤں کے پرائمری اسکول میں حاصل کی، جونیر ہائی اسکول کھٹیلا سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ذہن و مزاج میں دینداری عمر کے ابتدائی حصہ ہی سے موجود تھی اس کے سبب دینی علوم کی تحصیل کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔ ناچار اس تعلیم سے منحرف ہوکر ۱۹۶۲ء میں دینی علوم حاصل کرنے کے لئے مدرسہ امداد العلوم مٹھنا پہنچے، وہاں کی مٹی سے آپ کو اس قدر محبت پیدا ہوگئی کہ از ابتدا تا دورۂ حدیث اسی ادارہ میں پڑھا اور فراغت کے بعد بھی وہیں کے ہو رہے۔

مولانا عبدالرحمٰن منشی پوری جو ان دنوں وہاں کے شیخ الحدیث تھے آپ کے دینی جذبات کا بڑا احترام کرتے تھے، اور لطف و عنایات سے نوازتے رہتے تھے، اور موقعہ بموقعہ آپ کو اوقات درس کے علاوہ بھی مسائل دین سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔

ویسے تو موصوف نے درسیات کی تکمیل باضابطہ کی ہے مگر ادب سے گہرا لگاؤ ہے، اردو ادب ہو یا عربی و فارسی ادب، سب کو بڑی یکسوئی اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

درس نظامیہ کے علاوہ اردو میں ادیب: ماہر، کامل، فارسی میں منشی، کامل، عربی میں مولوی، عالم، فاضل ادب، ہندی، انگریزی میں مڈل کے امتحانات پاس کئے ہیں، شعر و سخن سے موصوف کو خاصا شغف ہے، نظم ہو یا نعت، غزل ہو یا مخمس ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کر لیتے ہیں، پوربی زبان میں

بھی نعتیں دھوم سے کہتے ہیں۔ موقع بموقع حسب ضرورت اشعار بھی سناتے رہتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں۔ زبان میں سلاست و شستگی بہت ہے، دیہی علاقوں میں اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر کافی مقبول ہیں۔

مولانا کیفی صاحب قلمی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، روز و شب کا بیشتر حصہ تدریس یا تحریر و تبلیغ میں گزرتا ہے، فارسی قواعد میں جدید طرز پر آپ نے امداد القواعد کے نام سے تین کتابیں لکھی ہیں، حصہ اول و دوم تو چھپ چکا ہے تیسرا زیر طبع ہے۔ پرائمری درجات کے طلبہ کے لئے آپ نے ایک کیفی پہاڑہ بھی ترتیب دیا ہے۔

موصوف کی طبیعت میں سادگی، تواضع، انکساری اس درجہ ہے کہ ظاہری سادگی سے باطنی سادگی کی خود بخود عکاسی ہو جاتی ہے، متانت و سنجیدگی تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ عوام و خواص، اجنبی و شناسا ہر ایک کیساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا موصوف کا وطیرہ ہے۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل ہے۔

مولانا شبیر حسن

مولانا شبیر حسن بن امت علی ضلع بستی کی مشہور تحصیل خلیل آباد کے دو دھارا تھانہ کی ایک مسلم معاشرتی آبادی موضع دیوریا لعل پوسٹ چانیکلاں میں یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔

گاؤں کے قریب موضع بسڈیلہ کے دار العلوم تدریس الاسلام کے مکتب میں رسم بسم اللہ شریف ادا کرائی گئی، چونکہ والدین پہلے کے دیندار اور علمی ماحول سے دلچسپی رکھنے والے تھے لہذا اسکول کے بجائے مدرسہ میں داخل

کر دیا۔ جدت ذہن اور قوت حافظہ نے وہ جوہر دکھائے کہ اساتذہ شاد شاد ہو گئے اور کم عمری ہی میں یعنی ۱۹۵۸ء میں درجہ پنجم فرسٹ ڈویژن سے پاس کر لیا۔

عربی و فارسی کی تعلیم آپ نے اس محنت سے حاصل کرنی شروع کی کہ سات سال کے مختصر عرصہ میں میر زاہد، ملا جلال، ہدایہ اخیرین جیسی فنی عظیم الشان کتابیں زیر درس آگئیں مگر افتاد طبع اب لسبڈیلہ سے کہیں اور کے لئے کمربستہ تھی لہٰذا لسبڈیلہ کو خیرباد کہدیا اور دار العلوم منظر حق ٹانڈہ ضلع فیض آباد چلے گئے، یہاں وقت کے عظیم معقولی شمس العلماء، قاضی شمس الدین جونپوری منصب صدارت پر فائز تھے، علمی استفادہ کا خوب ملا۔ ملاحسن، ہدایۃ الحکمت، اور مشکوٰۃ شریف ان سے پڑھا۔ کچھ دنوں وہاں رہے، ماحول سازگار نہ آیا لسبڈیلہ واپس آگئے اور کچھ دنوں یہاں پڑھنے کے بعد والدین کی اجازت اور مولانا اسلم بستوی کے توسط سے دار العلوم اشرفیہ مبارکپور جا پہنچے، جلالۃ العلم حضور حافظ ملت، بحر العلوم مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب بلیاوی، اور مولانا ظفر ادیبی صاحب جیسی شخصیتوں سے کسب علم کیا، یہاں تک کہ علم ہیأت کی شرح چغمنی، اور علم توقیت، امور عامہ، قاضی مبارک، حمد اللہ، صدرا، شمس بازغہ، توضیح تلویح، خیالی اور مسلم الثبوت وغیرہ کی باضابطہ تعلیم یہیں حاصل کی اور ۱۹۶۹ء میں یہیں سے فارغ ہوئے۔ موصوف خود لکھتے ہیں۔

"یہ حضرت (حافظ عبد الرؤف صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ) ہی کی نگاہ کرم کا اثر و ثمرہ ہے کہ ۱۹۶۹ء میں اشرفیہ سے سند فراغت حاصل کیا۔ حضور فقیر کی طرف خصوصی توجہ فرماتے تھے۔"

دستار فضیلت لینے کے بعد سیدھے ضلع بہرائچ کی ابھرتی ہوئی درسگاہ مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ "صدر مدرس کی جگہ پہنچے جہاں ان کا تقرر ہو چکا تھا، تدریسی خدمات انجام دینی شروع کیں، مدرسہ کے سربراہ حضرت

مولانا مفتی رجب علی صاحب موصوف کی علمی لیاقتوں سے اس قدر متأثر اور خوش ہوئے کہ افتار کا کام بھی انھیں سے لینے لگے، مولانا مفتی رجب علی صاحب کی خوشی کا عالم یہ تھا کہ آپ کو وہ " صدر " کہہ کر یاد فرماتے تھے، دار العلوم عزیز العلوم نانپارہ میں موصوف صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز رہے، اور افتار کا کام بھی خود ہی انجام دیتے رہے، اس کے علاوہ مدرسہ کی داخلی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی آپ ہی کے کاندھے پر تھا۔ دورۂ حدیث کے علاوہ ملاحسن، حمد اللہ، میر زاہد وغیرہ تک مکمل ۹ سال تعلیم دی پھر ۱۹۷۶ء میں وہاں سے مستعفی ہو کر فیض آباد کی مشہور دینی درسگاہ " الجامعۃ الاسلامیہ " رونا ہی میں نائب شیخ الحدیث ہو کر آئے اور ایک سال کی قلیل مدت میں شیخ الحدیث ہو گئے۔ موصوف تادمِ تحریر اسی ادارہ میں اسی منصب پر فائز ہو کر درسِ نظامی کی منتہی کتابوں کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ادارہ کی جانب سے افتار کا کام بھی آپ ہی کے سپرد ہے۔

موصوف نے فاضلِ درسِ نظامی کے علاوہ مولوی، عالم، فاضلِ معقولات، فاضلِ دینیات کے امتحانات الہ آباد بورڈ سے پاس کئے۔

مولانا موصوف حضور مفتی اعظم ہند سے بیعت ہیں، شعر و سخن کا بھی مذاق رکھتے ہیں۔ معقولات سے متعلق کئی اہم کتابیں آپ کے زیر تصنیف ہیں، " امام احمد رضا اور علوم عقلیہ " کی تصنیف غالبؔ مکمل ہے مگر ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہے۔

مولانا شمس اللہ حشمتی

گندمی رنگ، چوڑا بدن، متوسط قد، پھیلی ہوئی گھنی داڑھی، مزاج میں متانت، عقیدہ میں صلابت، یہ ہیں مولانا شمس اللہ بن ممتاز علی صاحب۔

مولانا شمس اللہ صاحب کے آباء و اجداد جگنی دیوریا نزد سعد اللہ نگر ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ترک سکونت کر کے حضرت صوفی شاہ

غلام علی صاحب موضع پیپری بزرگ ضلع بستی تشریف لائے۔ یہاں کے قدیمی ذمہ دار حضرات جن سے آپ کے گہرے مراسم تھے یہاں آنے کا سبب بنے، جب آپ یہاں کے باشندے ہو گئے تو دینی خدمات شروع کیں۔ مسجد کی امامت اور تدریس کی ذمہ داری سنبھالی، اور اس وقت سے لیکر تا ہنوز امامت و خطابت اور مدرسی کے فرائض اسی خاندان سے وابستہ ہیں اور اس وقت مولانا انصار الرضا صاحب یہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا شمس اللہ صاحب ۱۵ر جولائی ۱۹۳۰ء کو موضع پیپری بزرگ ہی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں جناب رحمت میاں صدیقی سے حاصل کی۔ بعدہٗ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب متوفی ۱۹۸۳ء سے ابتدائی عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا محمد ایوب صاحب ٹانڈوی سے جو ان دنوں مدرسہ مخزن العلوم بھاؤپور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے گلستاں، بوستاں پڑھیں۔ چونکہ اس علاقہ میں حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ اپنے تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں اکثر و بیشتر تشریف لایا کرتے تھے اور اس علاقہ کے افراد کو حضرت سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی اس لئے مولانا شمس اللہ صاحب کو آپ کے گھر والوں نے حضرت کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ آپ مولانا شاہ حشمت علی علیہ الرحمہ کے ہمراہ پیلی بھیت پہنچے اور حضرت کی خدمت میں رہ کر فارسی، عربی کی ابتدائی کتابیں از سر نو پڑھیں، پھر مزید تحصیل علم کے لئے دار العلوم اشرفیہ مبارکپور حاضر ہوئے جہاں آپ نے قدوری سے لیکر مشکوٰۃ شریف کی ساری کتابیں پڑھیں۔ "اشرفیہ" میں جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں حضور حافظ ملت، حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہم الرحمہ اور مولانا عبد المصطفٰی اعظمی علیہ الرحمہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مولانا شمس اللہ صاحب اشرفیہ سے تمام اساتذہ کی مرضی سے بریلی تشریف

چلے آئے۔ یہاں آپ نے دار العلوم مظہر اسلام میں داخلہ لیکر ۱۳۷۶ھ میں تعلیمی سلسلہ کا اختتام کر کے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے مبارک ہاتھوں سے سند و دستار فضیلت حاصل کی۔ بظاہر تعلیمی سلسلہ کا اختتام ہو چکا تھا مگر پھر بھی تحصیل علم کا جذبہ انگڑائیاں لیتا رہا، چنانچہ فراغت کے بعد آپ پیلی بھیت گئے اور مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ سے صحاح ستہ، جلالین شریف، اور تفسیر بیضاوی وغیرہ کی مزید تعلیم حاصل کی۔

فراغت کے بعد مولانا شمس اللہ صاحب رام پور کٹرہ ضلع بارہ بنکی میں مدرسہ حشمت العلوم میں ۳ سال تک بحیثیت صدر مدرس رہے لیکن افتاد طبع نے مدرسہ کی ملازمت سے باز رکھا اور تین سال کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور اس کے بعد سے تادم تحریر تحریر و تقریر کے ذریعہ مذہب و ملت کی خدمت کر رہے ہیں۔ ۱۳۷۲ھ میں آپ کی شادی مولانا حشمت علی صاحب کی منجھلی صاحبزادی سے ہو گئی جس کی وجہ سے آپ بستی چھوڑ کر پیلی بھیت میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

تصانیف میں صمصام حیدری" قابل قدر یادگار ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند اور مولانا مفتی حشمت علی صاحب علیہما الرحمۃ والرضوان سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔

مولانا شمس الہدیٰ

متوسط قد، چھریرا بدن، نکھرتا ہوا چہرہ، لپٹی ہوئی داڑھی، موزوں جسم، قدم جما کر چلنے کی عادت، تضیع اوقات سے اجتناب، سنجیدہ لب و لہجہ، ان خصوصیات کے حامل ہیں مولانا شمس الہدیٰ بن محمد حسین خاں رضوی،

آپ کی پیدائش ۱۳ار جولائی ۱۹۶۵ء میں موضع دلوریالال پوسٹ

چاڑی کلاں ضلع بستی میں ایک متدین گھرانہ میں ہوئی۔ والد ماجد نہایت متقی و
پرہیزگار انسان ہیں، دینی ماحول ہی کا اثر ہے کہ والد ماجد نے عزیز بیٹے کی توجہ
دینی علوم کی تحصیل کی طرف مبذول کی اور اس کی تکمیل کے لئے دار العلوم تدریس
الاسلام بسڈیلہ میں داخل کر دیا۔ مخلص اساتذہ کے زیر سایہ مکتب کی تکمیل
کر کے درس نظامی کی تحصیل میں لگ گئے۔ جس زمانے میں آپ تدریس الاسلام
میں ہدایۃ النحو وغیرہ پڑھ رہے تھے اس زمانہ میں اتفاقاً مولانا مفتی شبیر حسن
صاحب شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد آپ کے گھر آئے تو ان
دینی کتابوں کے بعض مشکل مقامات سمجھنے کی کوشش کی جن کو مولانا موصوف نے
سمجھایا اور پڑھایا جس سے آپ اس درجہ متاثر ہوئے کہ جب وہ تعطیل کلاں کے
بعد رونا ہی جانے لگے تو ان کے ساتھ آپ بھی ہو گئے اور وہاں پہنچ کر ان ہی کی
ہدایات کے مطابق تعلیم حاصل کرنے لگے اور علم کلام، علم اصول فقہ، اور معقولات
وغیرہ کی منتہی کتابوں کا درس لیا۔

مولانا شمس الہدیٰ کو ذہانت کے ساتھ کوشش و محنت کا بھی وافر جذبہ ملا ہے
لئے جہاں رہے اپنے رفقاء میں ممتاز رہے۔ الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی میں فضیلت
کا امتحان امتیاز سے پاس کیا اور سند فراغت حاصل کی۔

درس نظامی کی تکمیل تو آپ نے رونا ہی میں کر لی تھی مگر استاذ کے مشورے
سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں ایک سال کے لئے داخل ہو گئے اور وہاں
فضیلت کا امتحان نمایاں طور پر پاس کر کے سند فضیلت لی۔ دونوں اداروں
میں آپ کے ذہن ثاقب کی پذیرائی ہوئی۔ فراغت کے بعد ہی مرکزی درسگاہ
الجامعۃ الاشرفیہ میں تدریسی خدمات کی ذمہ داری آپ کو سپرد کر دی گئی۔ تادم تحریر
موصوف اسی ادارہ میں تدریسی امور کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

جن اساتذہ سے آپ نے کسب علم کیا ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

بسڈیلہ میں مولانا اعجاز احمد خاں اعظمی صدر المدرسین اور مولانا نثار احمد خاں

بستوی۔ روناہی میں مولانا مفتی شبیر حسن صاحب بستوی، مولانا محمد اسلم صاحب عزیزی گورکھپوری اور مولانا محمد نعمان خاں اعظمی (صدر المدرسین) ـــــ۔ الجامعۃ الاشرفیہ میں شیخ الحدیث حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ، نائب شیخ الحدیث حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب، ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا عبد اللہ خاں عزیزی۔

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ سے ۱۹۸۰ء میں بیعت اور حضور برہان الملت مولانا برہان الحق علیہ الرحمہ سے خلافت واجازت کا شرف حاصل ہے۔

ص

مولانا صابر القادری نسیم بستوی

تحصیل ہریا کے ایک گاؤں سکندر پور میں ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم دار العلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات اور دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ میں پائی اور موخر الذکر ادارے سے ۱۹۵۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ شیخ المشائخ شعیب الاولیا حضرت شاہ یار علی صاحب علیہ الرحمہ سے بھی اکتساب فیض کرتے رہے۔ حضرت آپ پر انتہائی لطف و کرم فرماتے تھے اور اپنے دامن شفقت سے ہمیشہ وابستہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کے خانوادے کے لوگ بھی ان کے ساتھ وہی وضع نبھا رہے ہیں۔

فراغت کے تقریباً بیس سال بعد تک دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے اور یہیں سے ایک مذہبی رسالہ ماہنامہ فیض الرسول بھی نکالتے رہے۔ کچھ عرصہ تک دار العلوم فیض الرسول سے الگ ہو کر ماہنامہ "اعلیٰ حضرت" بریلی کی بھی ادارت کی ہے، اور ہفت روزہ "تاجدار" بمبئی، "پاسبان" الہ آباد کی مجلس ادارت میں شامل رہے ہے، اور بہت دنوں تک اس طرح کی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر کانپور میں صرف تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا ہے۔

اس وقت ارکانِ دار العلوم فیض الرسول کے اصرار پر پھر ماہنامہ "فیض الرسول" کی ادارت سنبھال چکے ہیں۔

مولانا نسیم بستوی ایک بہترین ادیب، صحافی اور نامور شاعر ہیں، ہند و پاک کے موقر جرائد و رسائل میں آپ کے معیاری مقالات اور اہم مضامین تقریباً ۲۵ سال سے چھپ رہے ہیں۔

مولانا کا اسلوب بیان پرکشش اور دلنشیں ہوتا ہے اسی لئے ان کی

کتابوں کو قبول عام حاصل ہے۔ سیرت، سوانح، اسلامی تاریخ و مسائل، نعت و مناقب اور بچوں کے ادب جیسے موضوعات پر نظم و نثر کی بیسوں کتابوں کے مصنف و مرتب ہیں۔

(۱) سچی نماز، (۲) گلزار شریعت، (۳) گلستان شریعت، (۴) مجدد اسلام اعلیٰ حضرت بریلوی، (۵) تاریخی کہانیاں، (۶) تاریخی حکایات، (۷) تجلیات نماز، (۸) پیغام حسین، (۹) عظمت حسین، (۱۰) نماز حنفی، (۱۱) الصلوٰۃ والسلام، (۱۲) ہدایت الاسلام، (۱۳) سوانح حیات شیخ المشائخ، (۱۴) مکمل نظام شریعت،

نعتیہ مجموعوں میں

(۱۵) نسیم طیبہ، (۱۶) گلدستہ فردوس، (۱۷) افکار نسیم، (۱۸) نغمات نسیم، (۱۹) انوار حرم، (۲۰) تجلیات مدینہ، (۲۱) تمھارے اسلاف اور تم،

ان کتابوں میں نظام شریعت، سچی نماز سدابہار تصنیف کا درجہ رکھتی ہیں۔ شعر و سخن کے میدان میں نظم، غزل، قصیدہ، نعت وغیرہ پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ نظموں کا ایک مجموعہ "تمہارے اسلاف اور تم" مخصوص ادبی حلقے میں بھی پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

مولانا موصوف طبعاً منکسر المزاج اور مسکین طبع واقع ہوئے ہیں۔ جس نے جہاں بلایا وہیں چلے گئے، جو کہدیا وہ کر دیا محسوس ہوتا ہے جیسے ہر شخص کے تابعدار ہوں۔ اپنے سے بہت چھوٹی عمر والوں کی فرمائش کی تعمیل تک میں عار نہیں محسوس کرتے، فرمائشی عمل کی تاخیر یا عدم تکمیل کی صورت میں بڑے بھولے پن سے معذرت کر لیتے ہیں۔ مگر بعض حضرات ایسے مل جاتے ہیں جو خود اپنی منزل نہ پہچان کر مولانا کے ساتھ حاکمانہ برتاؤ سے پیش آنے لگتے ہیں حالانکہ وہ موصوف سے فروتر ہوتے ہیں۔

ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کئے بغیر پرورش لوح و قلم کرتے جارہے ہیں یہی وجہ ہے کہ کچھ اشاعتی اداروں نے آپ کا باضابطہ استحصال بھی کیا اور بعض

شہروں میں تو یہاں تک ہوا کہ کچھ سستی شہرت والے لوگ مولانا موصوف سے اپنے نام پر کتابیں لکھوا کر مصنف بن گئے جس کے صلے میں عند الملاقات فقط چائے پلا دیتے ہیں اور باقی وعدۂ فردا۔

آپ کی لطافت و بذلہ سنجی بھی مشہور ہے۔ بات میں بات پیدا کرنا، سنجیدہ موضوع و سنجیدہ مجلس کو زعفران زار بنا دینا آپ کا دلچسپ مشغلہ ہے، اس سلسلہ میں خطیب مشرق مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی کا بیان ہے کہ "جس مجلس میں مولانا نسیم بستوی اور مولانا اسلم بستوی ایک ساتھ موجود ہوں اور دونوں موڈ میں آجائیں تو اہل مجلس تھوڑی دیر کے لئے دنیا وغم دنیا کو بالکل بھول جاتے ہیں۔" الغرض مولانا موصوف بڑی خوبیوں کے مالک اور مرنجا مرنج قسم کے انسان ہیں جن کے دوستوں کی فہرست تو طویل ہو سکتی ہے لیکن دشمنوں کی بلیک لسٹ میں شاید کسی "روسیاہ" کا بھی نام نہ مل سکے، موصوف سے راقم الحروف کے اچھے مراسم ہیں۔

قطب وقت تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان سے شرف بیعت حاصل ہے۔

مولانا محمد صدیق نوری

مولانا محمد صدیق نوری بن رحمت اللہ تحصیل نوگڑھ کے دیہی مقام رکہٹ عرف نظر گڑھوا میں ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوئے۔

سنی مدرسہ نہ ہونے کی وجہ سے ابتدائی تعلیم غیر مقلد مکتب فکر کے ایک مدرسہ میں حاصل کی اور جماعت ثانیہ کی بھی کتابیں اسی مدرسہ میں رہ کر پڑھیں جب آپ تعلیمی ماحول کے ایسے موڑ پر پہنچے جہاں سے ذہن و شعور پر کسی بھی

ماحول کا اثر مرتب ہونا لازمی و فطری امر ہو جاتا ہے تو والد ماجد جو ایک خوش مسلمان ہونے کے ساتھ شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ کے مرید ہیں، موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے آپ کو سلطان المناظرین حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب (جن کی ذات دنیائے سنیت میں محتاج تعارف نہیں ضلع بستی و گونڈہ کے بہت سے سنی مدارس آج بھی ان کے مرہون منت ہیں کے زیر نگرانی دار العلوم عتیقیہ انوار العلوم تلسی پور میں داخل کر دیا۔ وہاں آپ کو مولانا عنایت احمد نعیمی کے زیر سایہ تعلیم و تعلم کا پر سکون موقع میسر ہوا لیکن سوء اتفاق کہ اسی دوران یہ ادارہ بد نظمی اور انتشار کا شکار ہو کر تنز کی طرف جانے لگا، کچھ دنوں میں تعلیمی نظام تو بالکل درہم برہم ہو گیا۔ جب مدرسہ کی یہ حالت ہو گئی تو سلطان المناظرین مولانا عتیق الرحمٰن جیسی مست شخصیت نے اس مکدر ماحول سے متاثر ہو کر اپنے خون پسینے سے سینچے ہوئے اس ادارہ کو خیر باد کہدیا، اور بڑھنی بازار میں آکر مدرسہ عتیق المدارس (موجودہ جامعہ اہلسنت اشاعت الاسلام) کی مسند درس و تدریس کو زینت بخشی تو آپ بھی انھیں کے ہمراہ چلے آئے۔ مکمل تین سال مستعدی سے یہاں پڑھا پھر والد ایما پر دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں داخلہ لے لیا، دار العلوم کے نظم و ضبط، حسن تربیت اور علمی ماحول سے آپ کے اندر کافی تبدیلی پیدا ہوئی مگر ان تمام خوبیوں کے باوجود وہاں چند ہی ماہ رہے پھر دار العلوم اشرفیہ مبارکپور پہنچے اور پڑھنے لگے، وہاں کی آب و ہوا آپ کی صحت کو راس نہ آئی اس لئے تھوڑے عرصہ قیام کر کے مجبوراً تلسی پور کے لئے عین اس وقت واپس ہوئے جب کہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب دوبارہ از سر نو دار العلوم عتیقیہ کے قیام کا اعلان کر کے مسند درس و تدریس سنبھال چکے تھے، اس طرح آپ حضرت کے فیوض و برکات سے ایک بار پھر مشرف ہوئے۔ ایک سال تک تعلیم حاصل کی تھی کہ عوام کی مشترکہ جد و جہد سے جامعہ انوار العلوم اور دار العلوم عتیقیہ کی

مصالحانہ عارضی اتحاد عمل میں آیا (جو تھوڑے عرصہ تک بھی قائم نہ رہ سکا) اسی دوران مولانا خادم رسول قادری گیاوی کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا پھر جب مولانا موصوف وہاں سے مستعفی ہوکر جامعہ حمیدیہ رضویہ مدنپورہ وارانسی جانے کیلئے تیار ہوئے تو آپ بھی درس نظامی کی تکمیل کے لئے موصوف کے ساتھ بنارس پہنچے، وہاں تین سال کا عرصہ گزار کر اساتذۂ دار العلوم بالخصوص شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین جونپوری مصنف "قانون شریعت" سے درسیات کی تکمیل کی اور ۱۹۷۲ء میں سند فضیلت و دستار فراغت حاصل کی۔

درس عالیہ کے امتحانات کی طرف توجہ کی تو مولوی، عالم، فاضل معقولات، فاضل دینیات اور منشی و کامل کے امتحانات پاس کئے۔

فراغت کے بعد آپ جامعہ اہل سنت اشاعت الاسلام بڑھنی بازار میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ادارہ کا تعلیمی و تعمیری نظام درست کرنے کی بھرپور کوشش کی، تین سال کے عرصے میں دشوار کن مراحل سے گزرتے ہوئے سررشتۂ تعلیم اتر پردیش سے سند الحاق حاصل کرکے ادارے کو ہر قسم کی سرکاری مراعات کا اہل بنا دیا۔ آپ کو اس ادارے سے کافی تعلق خاطر ہے، اس ادارے کی بے لوث خدمت کرکے ایسا قابل فخر کارنامہ انجام دیا ہے جسے محبین سنیت ہرگز فراموش نہ کریں گے، بڑھنی بازار اور گرد و نواح کے موضعات میں مولانا کافی محترم سمجھے جاتے ہیں۔

مارچ ۱۹۸۰ء میں جب راقم الحروف کا نائب عالیہ کی حیثیت سے اس ادارہ میں تقرر ہوگیا تو آپ کی معیت حاصل رہی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ میں صرف دس یوم تدریسی خدمات انجام دے سکا تھا کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے منسلک ہوگیا۔ بہرحال میں نے یہ محسوس کیا کہ موصوف کے دل میں مدرسہ کا درد ہے، ہر کام ذاتی مفاد کو پس پشت ڈال کر کرتے ہیں، آج ۱۵ سال کا عرصہ گزر گیا اسی عزت و احترام کے ساتھ منصب صدارت پر فائز ہیں۔

مولانا موصوف کا ادبی ذوق بہت عمدہ ہے۔ جب موڈ میں آتے ہیں تو اچھے اشعار کہہ جاتے ہیں۔ علمی صلاحیت بھی قابل قدر ہے لیکن زیادہ انتظامی مصروفیات کے باعث تدریسی و تصنیفی خدمات میں حصہ نہیں لے پاتے۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل ہے،

مولانا محمد صدیق

محمد صدیق بن محمد شفیع انصاری ضلع بستی کے مشہور قصبہ خلیل آباد میں غالباً ۱۰ جولائی ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ گھرانا تعلیم یافتہ تھا اس لئے تعلیم کی ابتدا اپنے دادا لعل محمد عرف لالو میاں بن حسینی سے کی اور پھر قرآن مجید ایک حافظ صاحب سے پڑھا۔ مزید تعلیم کے لئے مدرسہ عربیہ بحر العلوم خلیل آباد کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں اردو ہندی اور حساب کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور مولانا محمد امین الدین نعیمی بھاگلپوری سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ ان حضرات سے ابتدائی فارسی، فن خوش نویسی اور تجوید و قرارت پڑھا، پھر مولانا محمد امین مرحوم اور برادر مکرم روزن علی کی رائے سے مرکزی دار العلوم جامعہ نعیمیہ مراد آباد چلے گئے، وہاں مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب اور دیگر اساتذہ کے زیر سایہ رہ کر مکمل دو سال طلب علم میں مصروف رہے، اس کے بعد جامعہ عربیہ سلطانپور آکر مولانا معین الدین صاحب شیخ الحدیث اور مفتی محمد اسلم صاحب سے کچھ دنوں تعلیم حاصل کی پھر جامعہ نعیمیہ مراد آباد واپس آگئے، وہاں سال بھر رہنے کے بعد دار العلوم اشرفیہ مبارکپور سے وابستہ ہو گئے۔ اور وہیں سے آپ کو سند فضیلت اور دستار فراغت تفویض ہوئی۔

۱۹۷۱ء میں مولانا قاری محمد انتخاب نعیمی قدیری کے ایما پر مراد آباد ہی میں مقرر ہو گئے، مگر وہاں صرف ۲ ماہ تدریسی خدمات انجام دی پھر مدرسہ انصاریہ

ہلدوانی چلے گئے، کچھ دنوں بعد واپس آکر مدرسہ بحر العلوم خلیل آباد کی ذمہ داری سنبھال لی مگر گھریلو ذمہ داریوں کی وجہ سے تین سال بعد اس مدرسہ سے سبکدوش ہونا پڑا اور مسلسل سال بھر گھریلو معاملات میں اُلجھے رہے۔ جب مولانا انتخاب قدیری کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے ایک بار پھر "نعیمی دارالعلوم جامعہ قدیریہ نعیمیہ" کی خدمت کے لئے مجبور کیا اور آپ ۲۰ رجون ۱۹۷۶ء کو خدمت دین کا عزم مصمم لے کر حاضر ہو گئے۔ مولانا انتخاب قدیری نے خدمت دین کا بے لوث جذبہ دیکھ کر مدرسہ کے تعلیمی نظام کی ذمہ داری سونپ دی اور پھر انتظامیہ کمیٹی نے آپ کو نائب مہتمم کے عہدہ پر فائز کر دیا۔

جب مولانا انتخاب قدیری نے سو بیگھہ آراضی پر "الجامعۃ القدیریہ" کی بُنیاد ڈالی تو آپ ان کے دست راست ہو گئے اور انھیں کی نیابت میں اس کی تعمیری و تعلیمی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف نقشبندی مجددی حضوری اعظمی (متوفی ۱۳۹۸ھ) سے شرف بیعت حاصل ہے۔ تجدید بیعت کے لئے جب حضرت مولانا شاہ عبدالرشید سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ شیریہ قدیریہ پیلی بھیت شریف کی خدمت میں حاضری دی تو موصوف نے آپ پر کچھ ایسی نظر ڈالی کہ آپ انھیں کے اسیر ہو گئے۔

○

ض

مولانا حافظ سیّد ضیاء مصطفےٰ[۱]

طریقت و تصوف نے ضلع بستی کے اندر جس گھرانے میں نمایاں عروج حاصل کیا ان میں بابا کمال شاہ کا خانوادہ سر فہرست ہے۔ بابا عین الکمال شاہ ایک خدا ترس اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اندرائے چھپیہ تھانہ دودھارا تحصیل خلیل آباد ضلع بستی ان کا وطن تھا۔ شہر بستی میں وہ اکثر رہا کرتے تھے۔ حضرت بابا صاحب کوئی باضابطہ عالم دین نہ تھے البتہ ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم اپنے والد مولانا ضیاء مصطفےٰ سے حاصل کی تھی۔ انگریزی تعلیم میں مڈل بھی پاس کیا تھا۔ آپ کے والد مکرم ضیاء مصطفیٰ عالم دین، حافظ قرآن ہونے کے ساتھ عالم تصوف اور آشنائے طریقت بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ابتدا ہی سے اپنے فرزند کی کچھ ایسی تعلیم و تربیت فرمائی کہ ایک وقت وہ اپنے علاقہ میں زہد و تقویٰ اور طریقت کا آفتاب بن کر چمکا۔

حضرت مولانا ضیاء مصطفیٰ کی تاریخ ولادت کا صحیح پتہ نہ چل سکا۔ ماسٹر رجب علی بستوی جو حضرت بابا کمال شاہ کے معتقد خاص ہونے کے علاوہ ان کی سوانح کے مرتب بھی ہیں سلسلۂ نسب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مولانا ضیاء مصطفیٰ کا سلسلۂ نسب چوبیسویں پشت میں جاکر سید شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ سے مل جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید ضیاء مصطفیٰ کو حفظ قرآن کا شرف حضور غوث اعظم علیہ الرحمہ کی روحانیت سے نصیب ہوا تھا۔ تلاوتِ قرآن کثرت سے کرتے تھے۔ اکثر لوگوں کا بیان ہے کہ آپ تیسرے چوتھے دن کلام پاک ختم کر لیتے تھے۔ اپنے باغیچہ میں اذان دے کر نماز ادا کرتے اور بعد نماز کھڑے ہو کر کافی دیر تک صلوٰۃ و سلام پڑھتے۔ ان کے حالات کے بارے میں سوانح بابا کمال شاہ

کے مرتب نے ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ

(مولانا ضیاء مصطفیٰ) جب کانپور میں عربی تعلیم حاصل کر رہے تھے اُس وقت ان کے مزاج میں قدرے وہابیت تھی، ایک بار اچانک قطب عالم حضرت سید بدیع الدین زندہ شاہ مدار علیہ الرحمہ کے مزار شریف کی زیارت کی ایسی کشش پیدا ہوئی کہ وہ کانپور سے پا پیادہ مکن پور شریف چلے گئے، اس وقت وہاں کے سجادہ نشین سید شاہ عالم علیہ الرحمہ تھے جو بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے آپ کے یہاں معمول تھا کہ روزانہ دو سو سے تین سو تک مہمان زائرین حاضر ہوتے اور ہر ایک مہمان کی خواہش معلوم کر کے کھانے کا انتظام کیا جاتا، کھانا کھلانے کے بعد حکم ہوتا کہ رات گزارنے کیلئے قصبہ میں چلے جائیں اور صبح پھر آجائیں۔ حسب معمول و دستور ان سے دریافت کیا گیا کہ اپنے کھانے کی خواہش بتا دیں، جواب دیا "دال روٹی"۔ فرمایا گیا کوئی تکلف نہ کریں، یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ مولانا ضیاء مصطفےٰ نے کہا بس یہی کافی ہے، چنانچہ کھانے میں دال روٹی آئی مگر ان کے ساتھ امتیازی سلوک برتا گیا کہ رات بسر کرنے کیلئے سجادہ نشین صاحب کے حجرہ ہی میں جگہ عنایت کی گئی اور حکم ہوا کہ وہ بیعت ہو جائیں۔ مولانا کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میرے شیخ تو حضرت بابا ہدایت شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مجھ کو انہیں سے بیعت ہونا ہے فرمایا گیا کوئی بات نہیں آپ بابا ہدایت شاہ کے سلسلہ میں بیعت ہو جائیں گے، اِس وقت مصلحت یہی ہے کہ آپ کو کچھ نعمت یہاں ملنے والی ہے اس کے بعد بابا ہدایت شاہ کے سلسلہ میں داخل ہو جانا، الغرض وہ سب سے پہلے حضرت شاہ عالم صاحب مکنپوری سجادہ نشین حضرت زندہ شاہ مدار رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ اسی رات میں حضرت موصوف نے ازراہِ کرم ایسا فیض بخشا جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس واقعہ سے ان کی زندگی کا رُخ بدل گیا اور مزاج سے خودی جاتی رہی۔

ط

مولانا طفیل احمد حشمتی

مولانا طفیل احمد بن واجد علی بن فیض حسین اٹوا بازار سے تقریباً تین میل مغربی سمت میں موضع بھد دکھر بازار میں یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو متدین گھرانے میں متولد ہوئے۔

بسم اللہ خوانی کی رسم والد ماجد نے ادا کرائی۔ قرآن مجید اور کچھ اردو کی کتابیں پڑھا کر گاؤں کے ایک مولوی صاحب کے حوالہ کر دیا۔ وہاں کچھ دن پڑھنے کے بعد گاؤں کے پرائمری اسکول میں داخل ہوئے، وہیں سے درجہ پنجم پاس کیا، ابتدائی عربی کی تعلیم دار العلوم فیض الرسول میں حاصل کی۔ مدرسہ عربیہ مخزن العلوم بھاؤ پور میں متوسطات کا درس لیا، درس نظامی کی تکمیل کے لئے دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لیا۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اور ماہر علوم متداولہ مولانا حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ کی نگرانی میں تفسیر، حدیث، فقہ اور علم ہیئت سے متعلق منتہی کتابیں پڑھیں۔

اساتذہ میں حضور حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ سے آپ زیادہ مانوس تھے حضرت کی آپ کے اوپر خاص توجہ اور خاص عنایت رہا کرتی تھی، اس قرب کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خارجی اوقات میں بھی حضرت آپ کو درس دیتے تھے۔ ۲۴ر نومبر ۱۹۶۶ء کو دار العلوم اشرفیہ سے سند فضیلت تفویض ہوئی۔

۱۹۶۷ء میں مخزن العلوم بھاؤ پور میں تدریسی ذمہ داری سنبھالی۔ ۱۹۶۸ء میں اپنے وطن موضع بھد دکھر بازار میں مدرسہ حشمتیہ معراج العلوم کا سنگ بنیاد رکھا اور چند ہی دنوں میں ہر ممکن کوشش کی، چھ سال کی قلیل مدت میں مدرسین کا اچھا خاصا اسٹاف موجود ہوگیا۔ طلبہ کی بھی کثرت

ہوگئی۔ یہ راقم الحروف نے بھی صاحب تذکرہ کے زیر سایہ رہ کر متوسطات تک وہیں تعلیم حاصل کی ہے، عالم کے کورس تک باضابطہ تعلیم کا انتظام ہوتے ہوئے بھی ایک زمانہ وہ آیا کہ اس ادارے میں ناظرہ قرآن اور مکتب تک تعلیم رہ گئی، ہوا یوں کہ ۱۹۷۴ء میں ایک معمولی سی بات پر اساتذہ اور اراکین کے درمیان کچھ اختلاف ہوگیا، نوبت بایں جارسید کہ درجاتِ عالیہ کے تمام اساتذہ وہاں سے مستعفی ہوگئے تو موصوف نے بھی اس ادارے کو جسے جان کی قربانی دے کر اس منزل تک پہنچایا تھا چھوڑ دیا۔ مگر مزاج چونکہ تعمیری تھا اس لئے اسی گاؤں کے متصل گاؤں موضع تیوھرا پوسٹ بھدو کھر بازار میں پہنچ کر اس موضع والوں کی اعانت سے ۱۹۷۵ء میں مدرسہ عربیہ فیضان الرسول کی بنیاد ڈالدی اور تمام تر توجہ یکسو کر کے اب اس ادارے کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختصر مدت میں اچھے اساتذہ بھی یکجا ہوگئے اور عالمیت کی تعلیم بھی شروع ہوگئی، اور چند ہی دنوں میں یہ ادارہ یوپی سررشتۂ تعلیم الٰہ آباد سے بھی ملحق ہوگیا جس کے زیر انتظام طلبا منشی، مولوی، عالم، اور فاضل کے امتحانوں میں شریک ہونے لگے۔

موصوف اپنے قائم کردہ ہر دو مدرسوں میں صدارت اور اہتمام کی ذمہ داری سنبھالتے رہے ہیں۔

مولانا موصوف کو تحریر سے زیادہ تقریر سے لگاؤ ہے، ہم عصر علماء میں فنِ خطابت میں آپ اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ بمبئی، گجرات، سنبھال اور بستی و گونڈہ کے بیشتر علاقوں میں اچھے خطیب کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ مدرسوں کی تعمیر میں انہماک کی وجہ سے تحریر کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے پھر بھی ایک کتاب "الاستمداد" کے نام سے مرتب کی ہے۔ اور بہت سے مضامین بھی لکھے ہیں۔ ——— حضور شیر بیشۂ اہل سنت سے شرف بیعت و خلافت حاصل ہے۔ بہت سے لوگ آپ کے ہاتھوں پر بیعت بھی ہو چکے ہیں۔

ط

مولانا قاری محمد ظہور

چھوٹا قد، اکہرا بدن، گول چہرے پر اُبھری ہوئی پتلی ناک، ابھری ہوئی خندہ پیشانی، انتہائی خلیق، بے حد سنجیدہ، بزرگوں میں نیاز مند، احباب میں مؤدب رفتار میں سبکی، گفتار میں متانت! یہ ہیں مولانا قاری محمد ظہور بن حاجی توصلدار بن حاجی امام الدین مرحوم تلسی پور ضلع گونڈہ کے جنوب میں تقریباً پانچ میل دور ایک مشہور بستی لوکہوا میں یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو پیدا ہوئے۔

موصوف کی پیدائش متدین گھرانے میں ہونے کی وجہ سے دینی و مذہبی خیالات بچپن ہی سے ذہن پر حاوی تھے، ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ ایک بار دادا مرحوم کی اجازت سے کسی ضرورت کے تحت آپ برام پور ضلع گونڈہ تشریف لے گئے مگر ذہن و دماغ میں تعلیمی ذوق اِس قدر تھا کہ اس حکم کی تکمیل کے بجائے آپ دیوبند چلے گئے اور وہاں تحصیلِ علم میں منہمک ہو گئے فارسی کی پہلی اور آمد نامہ پڑھا ہی تھا کہ اسی اثناء میں آپ کے دادا کا انتقال ہو گیا۔ گھریلو ذمہ داری کے پیشِ نظر ترکِ تعلیم کر کے آپ گھر چلے آئے اور گھریلو معاملات میں مشغول ہو گئے، آپ چونکہ متدین باپ کے دیندار بیٹے تھے اس لئے آپ دیوبند میں زیرِ تعلیم ہونے کے باوجود دیوبندیت کے زہریلے اثرات سے محفوظ و مامون رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک غیر مقلد مولوی جو اتفاق سے الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ میں استاد تھے ایک بار آپ کے مکان تشریف لائے اور والد مرحوم سے کہنے لگے کہ آپ کے صاحبزادے تو دار العلوم دیوبند میں پڑھتے تھے پھر میلاد و فاتحہ کیسے کرنے لگے۔ والد گرامی نے جواباً ارشاد فرمایا، مولانا صاحب! میرے گھر

امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ایک کتاب ہے اگر اس کی عبارت آپ سمجھادیں تو میں میلاد و فاتحہ سب چھوڑ دوں گا۔ مولانا نے کتاب دیکھنے کے بعد فرمایا میں اہم کام کے تحت جارہا ہوں واپسی میں ضرور سمجھاؤں گا۔ آپ کے والد مرحوم اس واقعہ کے بعد بیس پچیس سال زندہ رہے مگر غیر مقلد مولانا کو نہ آنا تھا نہ آئے۔

عرصۂ دراز تک گھر رہنے کے بعد جب بستی پور میں مولانا عتیق الرحمٰن کی مساعی سے دار العلوم عتیقیہ انوار العلوم کا قیام عمل میں آیا اور حضرت علامہ بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب اعظمی اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی بحیثیت استاد تشریف لائے تو آپ انوار العلوم میں داخل ہو گئے، جلالین اور مشکوٰۃ شریف تک پڑھا ہی تھا کہ مفتی عبد المنان صاحب دار العلوم اشرفیہ میں استاد ہو کر جانے لگے ہر چند آپ نے کوشش کی کہ انھیں کی معیت میں مبارکپور چلے جائیں مگر ایسا نہ ہو سکا اور ۱۹۵۵ء میں دار العلوم شاہ عالم پہونچے جہاں آپ کے بڑے بھائی مولانا عبد الرحمٰن صاحب پہلے ہی سے زیر درس تھے۔ وہاں مولانا مبین الدین صاحب امروہوی (تلمیذ صدر الشریعہ) اور علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی کے علاوہ حضرت مولانا سخاوت علی بستوی اور مولانا صوفی نظام الدین بستوی کامیاب ترین اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے، وہاں تین سال رہ کر علوم متداولہ میں کمال پیدا کیا اور مولانا مبین الدین صاحب مدظلہ کے فیض صحبت سے بہترین دیندار ہو گئے۔ ۱۹۵۸ء میں اسی ادارہ سے سند و دستار فضیلت تفویض ہوئی۔

فراغت کے بعد عتیق المدارس موجودہ اشاعت الاسلام بڑھنی بازار میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ ڈھائی سال وہاں رہ کر ۱۹۶۱ء میں دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا پہونچے اور درس و تدریس میں منہمک ہو گئے۔ آپ کے طریقۂ کار سے اہالیانِ امرڈوبھا اس طرح مسرور ہوئے کہ آپ کو ہمیشہ

کے لئے وہیں کا مقیم بنا لیا اور ۱۹۶۳ء میں امرڈوبھا محلہ رسول آباد میں ایک مکان خرید لیا اور مستقل سکونت اختیار کر کے گونڈوی سے بستوی ہو گئے۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل ہے۔

مولانا ملک محمد عارف اللہ

مولانا ملک محمد عارف اللہ بن ملک حاجی انور علی بن ملک بنی جان، یکم نومبر ۱۹۵۴ء مقام مہوا خرد پوسٹ دھوبہا ضلع بستی میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول بینی پور میں حاصل کی، ۱۹۶۴ء میں دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۲ء میں منظر اسلام بریلی شریف سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۷۴ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور پہنچے۔ وہاں آپ نے صرف آٹھ ماہ تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۵ء میں پھر مختلف مدارس کی خوشہ چینی کرتے ہوئے دار العلوم فیض الرسول واپس آئے اور یہیں مستعدی سے رہ کر درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۹۷۵ء میں سند فضیلت تفویض ہوئی۔

سر رشتۂ تعلیم اتر پردیش سے مولوی، عالم، فاضل، کامل کے امتحانات پاس کئے۔ مختلف مدارس میں آپ نے جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اُن میں اِن حضرات کے اسمار گرامی قابل ذکر ہیں۔

حضرت شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی، حضرت مولانا بدر الدین احمد رضوی حضرت مولانا عبد اللہ خاں عزیزی، حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ اعظمی، حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی، حضرت مولانا نعیم اللہ خاں بستوی، حضرت مولانا احسان علی بہاری، حضرت مولانا بہاء المصطفیٰ اور حضرت مولانا محمد یونس بستوی۔

فراغت کے بعد ۱۹۷۵ء میں آپ نے موضع چوکھڑ بازار ضلع بستی میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا نام مدرسہ اہل سنت حشمتیہ رکھا، وہاں کچھ دنوں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اس کے بعد مولانا ہاشمی میاں کے اصرار پر ہالو پاڑی ضلع تھانہ بمبئی میں سنی سرکل کا قیام کیا اور کامیاب بنانے

کے بعد ضلع باندہ میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ سعدی مدنپورہ میں ۶ سال تک اہتمام وانصرام کی ذمہ داری سنبھالے رہے۔ دار العلوم ندائے حق جلالپور میں ایک سال تک صدر المدرسین کی حیثیت سے کام کیا ہے، اس وقت مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ موضع دسوتی ضلع فتحپور مدرسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ ادارہ آپ ہی کا قائم کردہ ہے اور آپ ہی اس ادارہ کے نگران اعلیٰ بھی ہیں۔

دورِ طالب علمی سے ہی وعظ وتبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔ مختلف موضوعات پر آپ لکھتے بھی رہتے ہیں: "دین ودنیا" دہلی، "ہدیٰ" دہلی، اور ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف میں آپ کے مضامین چھپتے ہیں۔ شعروسخن کا بھی آپ مذاق رکھتے ہیں، عارف تخلص ہے۔ شعروسخن کا نمونہ یہ ہے

آرہی ہیں آج دل کی دھڑکنوں کو ہچکیاں
میرے آقا نے لیا کیا اپنے دیوانے کا نام؟

عشق کی مستی مرے مرشد کے میخانے کا نام
زندگی عارف انھیں کے در پہ مرجانے کا نام

مولانا عبدالجبّار اشرفی

عبدالجبار بن محمد زماں موضع مئو پوسٹ براؤں شریف ضلع بستی۔ ایک متمول گھرانے میں ۱۸ر اگست ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوئے۔

سات سال کی عمر میں بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کی، مکتب فیض الرسول سے پرائمری درجات کی باضابطہ تعلیم حاصل کی۔ درس نظامی کی تحصیل کے لئے جس وقت آپ دار العلوم فیض الرسول کے درجات عربی وفارسی سے وابستہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر گیارہ سال تھی۔ دس سال کی مدت میں مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کرکے ۱۹۶۶ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد دار العلوم فیض الرسول میں معین المدرسین کی حیثیت سے پانچ ماہ کام کیا پھر مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا پوسٹ کھنڈسری بازار ضلع بستی میں نائب صدر المدرسین منتخب ہو کر آ گئے اور جون ۱۹۸۵ء تک انتہائی خلوص و محنت سے کام کیا۔ مدرسہ کے صدر المدرسین مولانا صوفی محمد صدیق صاحب جب اس ادارہ سے مستعفی ہو کر چلے گئے تو مدرسہ کی ساری ذمہ داری آپ کے سر آ گئی، ان تمام ذمہ داریوں میں کمی اس وقت ہوئی جب ۱۳۹۴ھ میں صدر المدرسین کی حیثیت سے مولانا بدر الدین احمد گورکھپوری مصنف "سوانح اعلیحضرت" کا تقرر عمل میں آیا۔ موصوف تقریباً ۱۹ سال اس مدرسہ کی جان و دل سے خدمت کی۔

موصوف کا شمار دار العلوم فیض الرسول کے اچھے طلباء میں ہوتا رہا۔ دورانِ تعلیم ہی آپ کی ذہانت و فطانت اور دار العلوم کے ساتھ جذباتی لگاؤ سے اساتذہ کی دوربین نگاہوں نے آپ سے بہت کچھ امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ جس کی تصدیق اس وقت ہو گئی، جب آپ نے علمی میدان میں قدم رکھا۔ برابر مدرسہ ہی سے منسلک رہے ــــــ گھر کے انتظامی امور کو چھوڑ کر ہمیشہ ادارہ کی فلاح و بہبود میں کوشاں رہے۔

فیر الاذکیا حضرت مولانا سید محمد اکمل حسین اشرفی سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ جہانگیریہ کچھوچھہ شریف فیض آباد کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور انھیں سے تمام سلاسل کی خلافت و اجازت کی انمول دولت ملی اور پھر حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب سجادہ نشین آستانۂ اشرفیہ نے بھی سلسلۂ قادریہ اشرفیہ کی اجازت و خلافت جیسی بیش بہا دولت سے نوازا۔

مولانا عبدالرب نعیمی

مولانا عبدالرب نعیمی بن عین اللہ شاہ قصبہ بانسی سے متصل موضع پیوری پوسٹ چیتیا ضلع بستی ۱۵؍ مارچ ۱۹۵۲ء کو پیدا ہوئے۔

والد صاحب مذہبی، متدین اور تعلیم یافتہ تھے۔ بسم اللہ خوانی انھوں نے خود کرائی اور ابتدائی اردو اور قرآن پاک گھر پر ہی پڑھایا۔ والد صاحب انتہائی عدیم الفرصت انسان تھے، جب سلسلۂ تعلیم جاری رہتا ہوا نظر نہ آیا تو ۱۹۶۲ء میں جامعہ عربیہ امداد العلوم مٹھنا میں داخل کر دیا۔ آپ وہاں ۱۹۶۲ء سے لیکر ۱۹۷۲ء تک مسلسل ۱۰ سال رہے اور درس نظامیہ و عالیہ کی تکمیل اسی ادارے سے کی۔ ۱۹۷۲ء میں سند فضیلت عطا کر کے تبلیغ و دعوت کی اہم ذمہ داری سپرد کی گئی۔

جن اساتذہ کے تربیت آپ کا تعلیمی سلسلہ دس سال جاری رہا ان میں اہم یہ ہیں۔

(۱) مولانا عبدالرحمٰن خانصاحب نعیمی تلسی پوری (موجودہ شیخ الحدیث مدرسہ انوار العلوم تلسی پور)۔ (۲) مولانا زین العابدین شمسی صدر المدرسین مدرسہ امداد العلوم مٹھنا۔ انھیں اساتذہ کے زیر سایہ مولوی، عالم، فاضل، منشی اور کامل کا امتحان پاس کر کے درس عالیہ کی بھی تکمیل کی۔

فراغت کے فوراً بعد ۱۹۷۲ء میں مدرسہ معراج العلوم بھد دکھر بازار میں مدرس ہو کر آ گئے۔ راقم الحروف بھی ان دنوں اسی ادارہ میں زیر تعلیم تھا۔ آپ نے راقم الحروف کو موطا امام محمد، مجانی الادب کے اسباق پڑھائے ہیں اور مولوی کورس کی تیاری بھی کرائی ہے۔ یہ سلسلہ صرف ایک ہی سال جاری رہ سکا کہ آپ کو بزرگان دین کے مزارات کا شوق دامن گیر ہوا تو

ہندوستان کے کثیر مقدس مقامات کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کیلئے مہینوں سفر کرتے رہے۔ جب ۱۹۷۵ء میں قصبہ بانسی میں انجمن خیر الغنی کے زیر اہتمام ایک مدرسہ کا قیام نور العلوم کے نام سے عمل میں آیا تو اس مدرسہ کی پوری ذمہ داری انجمن کے سکریٹری محمد یونس خاں عزیزی نے آپ کے سپرد کر دی جسے آپ نے تین ماہ انتہائی حسن ترتیب کے ساتھ انجام دیا تھا کہ بابا ہلال الدین چشتی دھارادی بمبئی کے خط اور پر زور اصرار پر نور العلوم بانسی سے الگ ہو کر آپ نے بمبئی میں ملازمت کر لی۔ یہ سلسلہ صرف دو سال جاری رہا پھر گھر واپس آ گئے۔ جب مولانا زین العابدین شمسی کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے سرسیا کے گرم جوش مسلمانوں کے اصرار پر مدرسہ مظفر العلوم کا صدر مدرس بنا کر بھیج دیا۔ آج کل اسی ادارہ میں رہ کر اشاعتِ علم دین میں مصروف ہیں۔

مولانا موصوف بڑے ہی متواضع، حلیم الطبع، اور خلیق انسان ہیں۔ راقم الحروف پر بہت شفقت فرماتے ہیں۔ درس و تدریس کے سلسلہ میں اندازِ تفہیم بہت عمدہ پایا ہے۔ وعظ و خطابت کی صلاحیت رکھتے ہوئے بھی تمام تر توجہ درس و تدریس اور مدرسہ کی ترویج و ترقی میں صرف کر رہے ہیں۔

شہزادہ صدر الافاضل مولانا اختصاص الدین مراد آبادی سے شرفِ بیعت حاصل ہونے کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ "نعیمی" بھی لکھتے ہیں۔

۱ مولانا قاضی عبدالرحیم

قاضی عبدالرحیم نے ضلع بستی میں مشہور قصبہ ڈومریا گنج کے قریب موضع جھجوا (جگجوا) سنہ ۱۹۳۶ء میں ایک متدین گھرانے میں آنکھ کھولی۔ والد ماجد مذہبی عالم گزرے ہیں۔ انھوں نے اپنے مذہبی جذبہ کے پیش نظر آپ کو

دینی علوم کی تحصیل کی طرف مائل کیا۔ ۱۹۵۰ء میں آپ نے اردو مڈل پاس کیا اس کے بعد ۱۷ر اگست ۱۹۵۰ء کو ضلع گونڈہ کی ایک درسگاہ دارالعلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا بازار میں داخلہ لیا اور انتہائی لگن کے ساتھ حصول علم میں مصروف ہو گئے، ۱۹۵۵ء میں بریلی شریف آگئے کچھ دنوں وہاں کے خوشہ چیں رہنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں ضلع میرٹھ کی عظیم درسگاہ مدرسہ اسلامی عربی اندرکوٹ میں حاضر ہو کر صدر العلماء مولانا غلام جیلانی شارح بخاری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ حضرت کی خدمت میں رہ کر ۱۹۶۱ء تک باضابطہ پڑھا اسی دوران آپ نے یوپی بورڈ سے منشی، مولوی، عالم، کامل، فاضل کا امتحان پاس کیا، درس نظامیہ وعالیہ سے فراغت کے بعد صفر ۱۳۸۱ھ میں دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف پہنچ کر درس وتدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کی صلاحیت اور طبعی میلان کے پیش نظر ذمہ داروں نے شعبۂ افتار سے متعلق کر دیا، اس لئے بالاستیعاب آپ تدریسی خدمات سے وابستہ نہ رہے۔

طبیعت میں سنجیدگی ومتانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ علوم متداولہ کی بہت سے اقسام میں آپ کو مہارت ہے لیکن فتویٰ نویسی آپ کا واحد میدان عمل ہے، اسی وجہ سے آپ کو ملک کے مختلف گوشوں میں ایک ذمہ دار مفتی کی حیثیت سے خاص شہرت حاصل ہے، بستی چھوڑ کر اہلسنت وجماعت کی مرکزی درسگاہ منظر اسلام بریلی شریف میں ۱۹۶۵ء سے اب تک افتا کی خدمت انجام دینا قابل قدر ہونے کی بین دلیل ہے۔ اس وقت مرکزی دارالافتاء بریلی شریف میں جانشین مفتی اعظم ہند مولانا اختر رضا خاں ازہری کی زیر نگرانی مفتیٔ دارالافتاء کی حیثیت سے خدمت خلق میں مصروف ہیں۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہے۔ آپ کے مرشد نے بلا طلب وخواہش خلافت واجازت اور جملہ مشاغل واوراد ووظائف سے نوازا اور احادیث وکتب فقہ کی اجازت

مرحمت فرمائی۔ ایسے خوش نصیب بہت کم ہیں جنھیں سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے بلا طلب از خود خلافت و اجازت سے نوازا ہو۔ اس طرح افتا کے ساتھ آپ اجازت و خلافت کے معاملہ میں بھی ایک خصوصی شان کے حامل ہیں۔

مولانا عبد الستار نوری

۱۹۴۷ء میں موضع رہرہ پوسٹ پرسا ضلع بستی میں مولانا عبد الستار نوری کی ولادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن مالوف کے اطراف ہی میں حاصل کی اور مزید تعلیم کیلئے ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں داخل ہوئے۔ مولانا غلام جیلانی صاحب علیہ الرحمہ اور دیگر قابل قدر اساتذہ کے زیر سایہ تقریباً ۶ سال اکتساب فیض کیا پھر جامعہ نعیمیہ مرادآباد پہنچے۔ جہاں آپ نے درس نظامی کی تکمیل کر کے ۱۹ر شعبان ۱۳۹۰ھ میں سند و دستار حاصل کی۔

اساتذہ کی فہرست میں حضرت مولانا بدر الدین گورکھپوری، مفتی حبیب اللہ بہاری اور مولانا محمد اشرف کلیم جائسی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبد الستار تعمیری ذہن و دماغ کے مالک ہیں۔ مدارس و مساجد کے قیام سے ان کو خاص دلچسپی ہے۔ متعدد مقامات پر ان کی کوششوں سے مسجد کی تعمیر عمل میں آئی ہے۔ مدرسہ فیض الرسول برگدوا نیپال۔ مدرسہ رضویہ غوثیہ دھانی بازار گورکھپور میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں اور ان اطراف میں مسجدوں کی بھی تعمیر کرائی ہے۔ کثرت اہل و عیال پاؤں کی زنجیر بنی ہوئی ہے تدریسی فرائض کی انجام دہی کے لئے کہیں جانے کے بجائے جامع مسجد تتری بازار ہی میں رہ کر امامت اور اسی کے ضمن میں ایک اہم دینی ادارے کی تعمیر میں سرگرم عمل ہیں۔

۱۷؍شعبان ۱۳۸۹ھ میں سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہے۔

مولانا عبد العزیز

عبد العزیز بن محمد نعیم خاں، موضع اگیا پوسٹ چھاتا ضلع بستی کے ایک کسان گھرانے میں ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ طبیعت میں دینی میلان ہونے کی وجہ سے تحصیلِ علم دین کی طرف بڑھے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ ۱۹۵۴ء میں دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ سے ملسنک ہو گئے اور یہاں درجۂ مولوی تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۶۰ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لیا اور وہیں پانچ سال رہ کر باضابطہ علوم متداولہ کی تحصیل کی اور ۱۹۶۵ء میں سندِ فضیلت سے نوازے گئے۔

جس وقت آپ دار العلوم اشرفیہ میں زیر تعلیم تھے اس وقت سیوان (بہار) کے ایک مقام بڑھریا میں ایک ایسے عالم کی ضرورت ہوئی جو مدرس، مقرر، مناظر اور طبیم تجھیم بھی ہو، ایسے موقع پر اساتذہ دار العلوم کی نگاہِ انتخاب آپ ہی پر پڑی اور حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً خط بھی تحریر فرما دیا کہ آپ کی مطلوبہ شرائط میں اخیر شرط کے علاوہ سارے شرائط بحسن وخوبی موجود ہیں (مگر بحمدہٖ تعالیٰ اس وقت آخری شرط بھی پوری ہو چکی ہے) مگر موصوف نے اس وقت عرض کیا، جگہ عالم کی ہے اور میں ابھی زیر تعلیم ہوں اور یہ سال فراغت ہے۔ فراغت سے پہلے کہیں مدرس ہو کر جانا مناسب نہیں، آپ اسی لیت ولعل میں تھے کہ حضور حافظ ملت نے دیگر اساتذہ کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ " میں اسی وقت آپ حضرات کی موجودگی میں مولانا کے سر پر عمامہ باندھ کر عالم بنائے دے رہا ہوں پھر دار العلوم

کے دستور کے مطابق شعبان المعظم میں آکر سند اور جبہ و دستار لیں گے۔

چنانچہ آپ بحکم حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچ گئے مگر دو تین ماہ کے بعد آپ نے ناساعد حالات کے پیش نظر حضور حافظ ملت کی خدمتِ عالیہ میں عریضہ پیش کیا جس کا مضمون یہ تھا!

"میں یہاں رہنا نہیں چاہتا اس لئے کہ ہر طرح کی پریشانیاں ہیں"

اس پر حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ

"بنی ہوئی جگہوں پر تو سبھی کام کرتے ہیں، آپ کو جگہ بناتے ہوئے کام کرنا ہے، اس لئے بغیر کسی احساس پریشانی کے آپ دلجمعی کیساتھ دینی خدمت انجام دیں کہ

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

بہر حال حضرت کے حکم کے بموجب آپ یکسوئی کے ساتھ کام پر لگ گئے اور اس قدر مشغولیت بڑھی کہ ۱۹۶۵ء سے تاہنوز اسی مقام پر علم و فن کے فروغ و اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔

موصوف کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے پس ماندہ علاقہ میں جو علم و فن کی حیثیت سے ویرانہ تھا ایک شہرستان علم و فن بنا دیا۔ ایسی سرزمین پر مدرسہ شمسیہ تنغیہ انوار العلوم کی شاندار بلڈنگ اور شاندار مطبخ و تعلیمی معیار وغیرہ آپ کے متحرک و فعال ہونے کی شہادت دے رہے ہیں،

مذکورہ دار العلوم میں اکزامیشن بورڈ پٹنہ کے علاوہ درس نظامیہ کی متوسطات تک باضابطہ تعلیم کا انتظام ہے۔ فی الحال آٹھ باصلاحیت مدرسین انتہائی عرق ریزی سے طالبانِ علوم نبوت کو بادۂ علم و حکمت سے سرشار فرما رہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں سے طلبہ تعلیم حاصل کر کے کسی مرکزی درسگاہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد ملک کے طول و عرض میں

پھیں کر خدمت دین انجام دے رہے ہیں ۔ آج بھی اس ادارے میں پچاسی طلبہ تحصیل علم دین میں سرگرم ہیں
تقریر و مناظرہ کے ذریعہ بھی موصوف نے شہرت حاصل کی ۔ اس غیر مانوس علاقہ میں آپ کے نورانی، ایمانی اور حقانی بیانات کی روشنی سے ضلع سیوان کے گوشے گوشے جگمگا اٹھے ۔ الحمد للہ ! آپ کی تبلیغی کارکردگی کا یہ اثر ہوا کہ بہار کے مسموم علاقے میں اسلامی زندگی کی ہر طرف لہر دوڑ گئی ۔ آج بیشتر خطے مئے حُبّ رسالت سے سرشار ہیں
حضور شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی خاں سے شرف بیعت حاصل ہے۔

مولانا عبدالمبین خان

۷ر جولائی ۱۹۴۷ء موضع جمدا شاہی ضلع بستی میں مولانا عبدالمبین خان رضوی بن محمد شہباز خاں کی ولادت ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم درجہ پنجم تک دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی کے مکتب میں منشی غریب اللہ صاحب فاروقی سے حاصل کی۔
اسی ادارہ میں عربی و فارسی کی مندرجہ ذیل کتابیں حضرت مولانا عبدالشکور پورنوی (بہاری) سے پڑھیں۔
گلستاں و بوستاں، یوسف زلیخا، اخلاق محسنی، انوار سہیلی، بہار دانش، ہدایۃ النحو وغیرہ۔
جب مولانا عبدالشکور اس ادارہ سے مستعفی ہو کر چلے گئے تو ۱۹۶۰ء میں آپ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف سے منسلک ہو گئے وہاں عربی کی ابتدائی کتابیں از سر نو مولانا بدرالدین احمد گورکھپوری ثم لبستوی سے پڑھیں
ان کے علاوہ حضرت مولانا نعیم الدین رضوی، حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی، حضرت مولانا محمد حنیف قادری سے بھی تلمذ کا شرف حاصل ہے۔

حضرت مولانا بدرالدین رضوی کے ایماء پر ۱۹۶۲ء میں دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی میں داخلہ لیا، وہاں دار العلوم کے اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا الحاج محمد مبین الدین امروہوی اور حضرت مولانا تحسین رضاخاں کے زیر سایہ رہکر نحو وصرف، فقہ واصول فقہ، تفسیر وحدیث، معانی وبیان، فلسفہ ومناظرہ اور علم میراث کا اکتساب کیا۔ حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی جو رضوی دار الافتاء میں اس وقت حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری کی نیابت کر رہے ہیں ان کی قیام گاہ نو محلہ مسجد بریلی شریف تھی آپ وہاں پہنچ کر عصر ومغرب کے درمیان علم میراث اور عشاء کے بعد فقہ کی مشہور زمانہ کتاب ہدایہ کی کتاب النکاح کا درس لیتے، یہ سلسلہ ۱۹۶۳ء تک مسلسل چلتا رہا۔

دار العلوم مظہر اسلام میں درس نظامیہ کی منتہی کتابوں کا درس لیکر دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور ۱۹۶۶ء میں سندِ فضیلت اور دستار فراغت تفویض ہوئی۔

مولانا عبد المبین خاں ابھی دار العلوم مظہر اسلام میں زیر تعلیم و تربیت ہی تھے کہ تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لئے فراغت سے ڈیڑھ ماہ قبل حضرت مولانا تحسین رضا خاں اور حضرت مولانا مفتی رجب علی بانی و ناظم اعلیٰ مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ کے مابین گفتگو سے آپ کا تقرر ہو گیا اور ۱۹۶۶ء سے مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ میں آپ نے تدریسی خدمات کی ذمہ داری سنبھالی جس کا سلسلہ ۱۹۶۸ء تک جاری رہا۔ اس مدتِ کارکردگی میں آپ نے شرح جامی، ہدایہ، مشکوٰۃ شریف، مختصر المعانی، شرح تہذیب وغیرہ کا درس دیا۔

مدرسہ عزیز العلوم میں تقرری کے وقت جو شرائط نامہ مرتب ہوا تھا اس کے خلاف کوئی بات پیش آجانے کی وجہ سے آپ اس ادارہ سے سبکدوش ہو گئے ایک سال گھر رہ کر گھریلو امور میں مصروف رہے۔ ۱۹۷۰ء میں گجرات کی مرکزی درسگاہ دار العلوم شاہ عالم اس وقت پہنچے جب اس ادارہ کے

بانی حاجی سلیمان ابراہیم رضوی بقید حیات تھے، اور ادارہ کے انتظامی امور کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ موصوف بے حد خلیق، علماء نواز، علم دوست اور پابند صوم وصلوٰۃ ہونے کے علاوہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ کے مرید اور ان کے مسلک کے شیدائی تھے، ۱۹۷۳ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے تو ادارہ کا نظام درہم برہم ہو گیا جس کے بعد آپ وہاں سے ۱۹۷۴ء میں کنارہ کش ہو کر مدرسہ انوار العلوم تلسی پور ضلع گونڈہ میں ۲۰ نومبر ۱۹۷۴ء میں صدر المدرسین کے عہدے پر مامور ہو گئے۔ یہ منصب آپ نے اس وقت سنبھالا جب بانی ادارہ حضرت مولانا علامہ عتیق الرحمن بستوی کسی وجہ سے وہاں کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں شیخ الحدیث ہو کر چلے آئے تھے۔

جس زمانہ میں مولانا عبدالمبین صاحب نے انوار العلوم کی ذمہ داریوں کو سنبھالا تھا اس وقت وہاں کا عجیب ماحول تھا۔ آپ کی ذات سے ماحول میں کافی سدھار پیدا ہوا، تعلیمی ماحول بھی درست ہوا۔ آپ نے مستعدی سے وہاں ایک سال کام کیا پھر جون ۱۹۷۵ء میں مستعفی ہو کر نومبر ۱۹۷۵ء میں مدرسہ صدر العلوم پڑگاؤں گونڈہ چلے گئے، وہاں دو سال پڑھانے کے بعد پھر ۱۹۷۷ء میں دار العلوم شاہ عالم احمد آباد کے اراکین کی طلب پر دوبارہ اس ادارے میں آئے۔ یہاں آپ نے دورۂ حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں اور مفتی ادارہ کی عدم موجودگی میں افتاء کا کام بھی انجام دیا۔

گجرات کی عظیم درسگاہ دار العلوم مسکینیہ دھوراجی جہاں اکابر علمائے اہل سنت میں حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں، حضرت علامہ مولانا عبدالرشید فتحپوری ثم ناگپوری، حضرت مولانا عبدالعزیز فتحپوری، حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور اور حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں، اس ادارہ میں مولانا عبدالمبین خاں اس وقت تدریسی امور

کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔
یہ ادارہ کچھ وجوہ کی بنا پر ۱۹۷۷ء میں بند ہوگیا تھا۔ ۱۹۸۱ء مارچ کے مہینہ میں اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ اس وقت ادارہ شان سے چل رہا ہے باصلاحیت اساتذہ اس ادارہ میں مصروف تدریس ہیں۔

مولانا عبدالمجید خان رضوی

مولانا حافظ عبدالمجید خاں مقام لیدوا شری پال پوسٹ پسائی تحصیل بانسی ضلع بستی میں ۲۵ر نومبر ۱۹۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے
"عبدالمجید خاں بن محمد نصیر خاں بن جمعدار خاں بن عبدالحق خاں"
رسم بسم اللہ خوانی گھر پر گاؤں ہی کے عبداللطیف میاں سے کرائی گئی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہو کر ناظرہ اور کچھ اردو کتابیں مولوی علیم اللہ دیوبندی سے پڑھیں اور حفظ قرآن حافظ محمد صدیق صاحب سے پڑھنا شروع کیا مگر حفظ قرآن کی تکمیل وہاں نہ ہو سکی۔ مولانا عبدالمجید خاں اپنا وہ واقعہ جو دوران تعلیم پیش آیا خود ہی بیان کرتے ہیں کہ
"میرے آباء و اجداد سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کے ساتھ حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب بلہر گھاٹ کے مرید تھے۔ اس ادارہ کے اساتذہ نے اس خوف سے کہ کہیں یہ بھی مذہب اہلسنت کا پیرو نہ ہو جائے باتفاق رائے میرا داخلہ ضلع بستی کی قدیم درسگاہ مدرسہ جعفریہ ہدایت الاسلام کرہی میں کرا دیا۔"
محمد نصیر صاحب جو بمبئی میں لکڑے کے بکھار پر مقادم کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے مولانا عبدالمجید کی شخصیت کی تعمیر میں ان کا کافی اہم رول ہے۔ ہوتا یوں تھا کہ موصوف مقادم خود بھی سنی صحیح العقیدہ تھے اور ان کے قرب و جوار کے جو لوگ ان کے پاس پہنچتے انھیں پہلے مقادم صاحب تمام تر سہولتیں

پہنچاتے پھر مذہب حق کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے۔ جب مولانا عبدالمجید کے بارے میں یہ علم ہوا کہ یہی کے مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں تو انھوں نے آپ کو وہیں بلالیا اور اپنے چھوٹے چچازاد بھائی مولانا عبدالحیٔ کے ہمراہ مالیگاؤں مدرسہ سنیہ حنفیہ میں داخل کردیا یہ غالباً ١٩٧١ء کا واقعہ ہے، وہاں ایک ماہ بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ دارالعلوم محمدیہ میں داخل ہوکر باضابطہ تحصیل علم دین میں لگ گئے جہاں قاری محمد عارفین صاحب سے علم قرارت اور مولانا حافظ نورالہدیٰ صاحب سے حفظ قرآن کی تکمیل کرکے سند حفظ حاصل کی۔ ابتدائی عربی و فارسی اس ادارہ میں رہ کر مولانا مفتی عبیدالرحمن رشیدی کٹیہاری سے حاصل کی پھر مولانا معین الحق کی معیت میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور پہنچے جہاں درس نظامی کی باضابطہ تحصیل شروع کی۔

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب مبارکپوری سے فارسی ادب، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد قادری سے عربی ادب، حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی اور حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ قادری سے حدیث، حضرت مولانا عبداللہ خاں عزیزی سے تفسیر و معقولات، حضرت مولانا اسرار احمد اور حضرت مولانا عبدالشکور گیاوی سے فقہ و اصول فقہ اور مولانا نصیرالدین پلاموی سے معقولات کی بعض کتابوں کا درس لیا۔

سلسلہ تعلیم میں میزان جیسی چھوٹی مگر اہم کتاب علامہ شمس الدین جونپوری علیہ الرحمہ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی کی تفہیم حدیث اور طرز بیان سے آپ کافی متاثر ہیں۔ حدیث و فقہ سے گہرا شغف ہے، اس کے علاوہ عربی ادب سے بھرپور دلچسپی ہے۔

١٩٨٢ء / ١٤٠٢ھ میں درسیات کی تکمیل کی اور اسی سال اکابر اہلسنت کے مقدس ہاتھوں سند و دستار فضیلت تفویض ہوئی۔ دستار ترقی درجات ١٤٠٣ھ

اور بخاری شریف سے تاریخ فراغت مستخرج ہے۔
عالمیت اور قراءت کی سند بھی آپ نے اشرفیہ سے حاصل کی اور امتحانات عربی و فارسی اترپردیش سے منشی، کامل، مولوی، عالم کے امتحانات بھی پاس کئے تحصیل علم کے دوران اکثر بمبئی آتے جاتے رہتے تھے اس لئے یہاں کی سرزمین سے یک گونہ انس ہوگیا تھا اسی وجہ سے مستقبل میں بود و باش کے لئے اسی سرزمین کو اختیار کیا۔ بمبئی عظمیٰ کی متعدد مساجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ شوال سنہ ۱۴۰۳ھ میں دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا میں نائب صدر المدرسین کے عہدہ پر مامور ہوئے اور جلالین، ہدایہ مختصر المعانی، قطبی اور منشورات تک تعلیم دی، یہاں صرف ایک سال رہے پھر آپ نے حضرت مولانا نسیم اشرف کے ایما اور حکم پر دارالعلوم حنفیہ قلابہ میں صدر المدرسین کی ذمہ داری سنبھالی اور ایک عرصہ اس ادارہ میں رہ کر تدریس کے علاوہ افتاء کا کام بھی انجام دیتے رہے۔
ادارۂ شرعیہ بائیکلہ بمبئی جسے علامہ مشتاق احمد نظامی نے قائم کیا تھا اس میں بھی آپ نے کچھ دنوں شرعی مسائل کی تحقیق و تنقیح اور فتویٰ نویسی کے کام انجام دیئے ہیں۔ آپ کو لکھنے پڑھنے کا شوق ہمیشہ رہا ہے۔ اہلسنت کے معتمد جرائد میں آپ کے مضامین شخصیات سے متعلق مولانا لیسین اختر صاحب مصباحی اور مولانا افتخار احمد صاحب قادری کی نگرانی میں چھپ چکے ہیں۔ اس وقت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے متعلق " فرزندانِ اشرفیہ کی تحریری خدمات" کے عنوان سے ایک کتاب زیر ترتیب ہے۔
فتویٰ نویسی سے متعلق یہ حسن اتفاق ہے کہ آپ نے بزرگانِ دین کی اتباع کرتے ہوئے پہلا فتویٰ رضاعت کا لکھا ہے۔ فاضل بریلوی اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا ہے۔
حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے ۱۹۷۳ء میں بیعت کا شرف حاصل ہے۔

مولانا عبدالمنان بسمل قادری

مولانا عبدالمنان صاحب بسمل قادری ایک دیندار اور ذی علم خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے آباء و اجداد کا علم اور زہد و تقویٰ قرب و جوار میں اب بھی مشہور ہے۔ آپ کے اجداد میں جناب نبی بخش مرحوم اور جناب شبراتی بہت معزز اور قابل قدر رہے ہیں۔ انھیں کے خانوادے میں آپ ۱۵؍ جنوری سنہ ۱۹۶۲ء تحصیل خلیل آباد کی ایک تاریخی جگہ قصبہ بکھرا باد ادا میں پیدا ہوئے سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

مولانا عبدالمنان بن محمد یسین بن محمد شبراتی بن نبی بخش بن محمد شریف بن پیر بخش بن عبداللطیف مرحوم۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے دادا کے سایۂ کرم میں رہ کر حاصل کی۔ اس کے بعد تنویر الاسلام امرڈوبھا میں داخل ہوئے اور حضرت علامہ صوفی نظام الدین صاحب موجودہ شیخ الحدیث سے وابستہ رہ کر علوم دینیہ کی تکمیل کی اور ۱۹۸۰ء میں سند فضیلت حاصل کر کے درس و تدریس میں مصروف ہو گئے، دورانِ تعلیم آپ نے الہ آباد بورڈ کے اکثر امتحانات بھی دیئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ فیض الاسلام قصبہ مہنداول بستی میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر مدرسہ قادریہ "دائرہ شاہ احمد" غازیپور میں نائب صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہو کر چلے آئے۔ جہاں چند دنوں رہ کر مستعفی ہو گئے۔

حضور مفتی اعظم ہند کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہے۔

مولانا عتیق الرحمٰن خان نعیمی

لمبا قد، دوہرا بدن، عظیم الجثہ، گندمی صاف رنگ کا چمکتا چہرہ، خوبصورت آنکھیں، کھچڑی بال، موٹی انگلیاں، ابھری ہوئی ناک، پیرانہ سالی کی وجہ سے جھکی ہوئی کمر، انتہائی بردبار، بے حد خلیق، گفتگو محققانہ، فکر حکیمانہ، اچھے مدرس، بہترین مناظر، بلند پایہ خطیب، کئی دینی مدرسوں کے بانی، ضلع بستی میں سنّیت کے علمبردار یہ ہیں حضرت مولانا عتیق الرحمٰن خاں صاحب نعیمی۔

غالباً ۱۹۰۹ء میں سرحد نیپال کے جنوب موضع اکرہرا پوسٹ ڈمبروا تھانہ، ضلع بستی میں غیر مقلد گھرانہ میں ولادت ہوئی اور اسی ماحول میں نشو و نما ہوئی۔

والد بزرگوار کو دینی تعلیم سے بے حد رغبت تھی، اس لئے انھوں نے اپنے بیٹے کو مذہبی علوم کی تحصیل کی طرف لگا دیا۔ مولوی عبد الرزاق سمرادی جو مذہباً غیر مقلد اور فارسی زبان کے ماہر تھے ان ہی کے زیر سرپرستی یوسف پور کے مدرسہ میں تین سال رہکر ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد والد گرامی نے آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی شمس الحق مرحوم کو مولوی محمد منیر صاحب جو مدرسہ رحمانیہ، مدنپورہ بنارس کے مدرس اعلیٰ تھے ان کے سپرد کر کے بنارس بھیج دیا۔ آپ وہاں صرف تین سال رہے مگر اتنی قلیل مدت میں ترمذی شریف تک تعلیم حاصل کرلی۔ اس مختصر سی مدت میں کیا پڑھا کیا پڑھایا، مولانا موصوف کا بیان ہے کہ غیر مقلدین کے مدرسوں میں ایسی ہی تعلیم ہوتی ہے چند حدیثیں رٹا کر ترجمہ یاد کرا دیتے ہیں، استعداد بالکل نہیں ہوتی، اس وقت تک میرے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا لیکن جب کانپور میں پہونچ کر مولانا مشتاق احمد ابن مولانا احمد حسن علیہما الرحمہ کی خدمت میں حاضری دی اور انھوں نے جانچ

کے بعد کافیہ سے از سرِ نو پڑھایا تو قرآن و حدیث کے فہم و تفہیم کا سلیقہ پیدا ہوا۔

مولانا مشتاق احمد کانپوری کی سرپرستی میں کانپور پڑھا، اور شمس العلوم بدایوں میں بھی انھیں سے تعلیم حاصل کی، اور وہ جب محمد بشیر صاحب (جو میرٹھ کے پرانے رؤسا میں تھے) کی وساطت سے مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ تشریف لے گئے تو آپ بھی انھیں کے ہمراہ ہو لئے تین سال رہ کر علوم متداولہ میں کمال پیدا کیا اور وہیں سے سندِ فراغت حاصل کی۔

مولانا عتیق الرحمن صاحب ویسے تو ہر فن میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں لیکن فارسی ادب پر ان کی اچھی خاصی نظر ہے۔ قرآن و حدیث کے رموز و اسرار سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد آپ نے گھر آکر جب اپنا آبائی مذہب غیر مقلدیت قرآن و حدیث کی روشنی میں غلط پایا تو اس سے رجوع کر کے توبہ کر لی اور صحیح العقیدہ حنفی المسلک ہو گئے۔ اس وقت ضلع بستی میں کوئی باضابطہ عالم دین نہ تھا جو مولانا موصوف کا ساتھ دیتا، اس سلسلہ میں انھیں غیر مقلدین سے متعدد بار مناظرہ اور بحث و مباحثہ بھی کرنا پڑا ہے۔ جب آپ کے تبدیلیٔ مسلک کا شہرہ ہو گیا تو نہ جانے کہاں کہاں سے غیر مقلد علماء آپ کے یہاں آتے اور عجب عجب اعتراض کر کے لاجواب کرنے کی کوشش کرتے مگر مولانا موصوف کے تحقیقی اور علمی جوابات کی تاب نہ لا کر خائب و خاسر لوٹ جاتے۔ جب بحث و مباحثے سے کام نہ چلا تو باضابطہ ان لوگوں نے مجمع عام میں مناظرہ کی دعوت دی اور للکار کر کہا کہ اگر آپ کا یہ اختیار کردہ مسلک صحیح ہے تو میدان میں آئیے اور ثبوت پیش کیجئے۔ مولانا نے تن تنہا مجمع عام میں مناظرہ کی دعوت قبول کر لی، نہ تو آپ کے پاس کتابوں کا انبار تھا اور نہ مدد کرنے کے لئے علماء کی جماعت، بس اپنے پروردگار اور اس کے محبوب بندے سرکار رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم

کے رحم وکرم پر توکل کر کے رب العزت کی لافانی کتاب قرآن مقدس لے کر میدان مناظرہ میں پہونچے۔ سامعین سے پنڈال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ قرات خلف الامام آمین بالجہر، اور کسی دو موضوع پر گفتگو ہونا طے پائی۔ ہر فریق کو جواب دینے کیلئے ۱۵ اور ۵ منٹ کا وقت دیا گیا۔ غیر مقلدین کی طرف سے مناظر اعظم مولوی عبدالرحمن ڈوکمی جو جھنڈے نگر کے مدرسہ کے مدرس اعلیٰ تھے مقرر ہوئے، مناظرہ شروع ہوا۔ مولانا عتیق الرحمن صاحب اس وقت کا منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پہلے مجھ سے کہا گیا کہ آپ اپنے دعوی (قرات خلف الامام ناجائز ہے) پر دلیل پیش کریں۔ میں قرآن پاک لے کر کھڑا ہوا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا! دیکھو یہ کون سی کتاب ہے؟۔ لوگوں نے کہا اللہ کا کلام۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن سے ثابت کر دیا جائے اور اس کے خلاف حدیث یا اقوال صحابہ سے کوئی ثبوت دے تو کون مانا جائیگا۔ پورے مجمع نے جواب دیا کہ قرآن والا مسئلہ۔ میں نے کہا کہ زیر بحث مسئلہ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے نہ پڑھنے کا ہے۔ قرآن پاک کی مشہور آیت ہے "واذا قرء القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا" جب قرآن پڑھا جائے (نماز میں یا غیر نماز میں) تو غور سے سنو اور چپ رہو۔ یعنی امام جب زور سے پڑھے تو سنو اور آہستہ پڑھے تو چپ رہو۔ ابو داؤد شریف میں ہے۔ تاویل قول اللہ عزوجل اس کے نیچے یہ حدیث نقل کی ہے۔

امام کے پیچھے قرآن پڑھنا قرآن کی بے ادبی ہے۔ دیکھو جب قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا تو آپ جلدی جلدی پڑھتے تاکہ خیال سے اتر نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قرآنه اس آیت میں قرات جبرئیل کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرات سے روک دیا گیا اور فرمایا گیا کہ زبان بھی نہ ہلیئے۔ رہا سرکار کا یہ مقصد کہ کہیں ذہن سے کچھ اتر نہ جائے اس لئے جلدی جلدی دہرا لیا جائے تو اس طرف سے رب تعالیٰ نے اطمینان دلایا کہ ہماری ذمہ داری ہے کہ قرآن آپ کے سینہ میں محفوظ رہے گا اور آپ اسے پڑھ لیں گے۔

معلوم ہوا کہ قرات قرآن کے وقت خموشی کے ساتھ سننا لازم ہے اور بجائے سننے کے پڑھتے جانا اس ادب کے خلاف ہے جو خود رب جلیل نے تعلیم فرمایا۔

دوسرا ثبوت سورۂ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھنے کا خود سورۂ فاتحہ میں موجود ہے، اگر ہر امام و مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوتا تو قرآن میں نعبد و نستعین نہ ہونا چاہئے تھا بلکہ اعبد و استعین ہوتا۔ امام چونکہ سب کی طرف سے کہتا ہے نعبد و نستعین اس لئے اس کی اقتدار کا حکم ہے، حاکم کے سامنے ایک امام بنا دیا گیا کہ سب کی طرف سے کہے اور سب کو لیکر کہے اب اگر امام کی گفتگو کے بیچ میں کوئی مقتدی کہتا ہے تو یہ بے ادبی ہوگی، معقولیت ضابطہ اور ادب کی مخالفت ہوگی۔ یہ گفتگو چل ہی رہی تھی اور ابھی قرات خلف الامام کے عدم جواز کے ثبوت میں ہی دلیلیں پیش کی تھیں کہ وقت ختم ہو گیا۔

غیر مقلدوں کے مناظر مولوی عبد الرحمٰن ڈوکمی جن کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے کم نہ تھی اٹھارہ سالہ جوان طالب علم سے مناظرہ کرنے آئے تھے ہانپتے کانپتے اٹھے اور رق اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا پر بحث کرنے لگے اور کہا یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے معالم التنزیل کا حوالہ پیش کیا اور یہ بھی کہا کہ مولانا نے اپنی رائے سے یہ

تفسیر کی ہے ، اگر کسی مفسر نے مولانا کا قول لکھا ہو تو پیش کریں ۔ چونکہ
پاس قرآن مقدس کے علاوہ کوئی کتاب نہ تھی اس طلبی پر کتاب کا انت
کیا گیا ۔ معالم التنزیل سے مولوی عبدالرحمٰن ڈومکی جس کا حوالہ پیش کر
تھے میں نے ان سے معالم التنزیل مانگ لی انھوں نے دے دیا ۔ اس
آیت کی شان نزول کی بحث نکال کر دکھائی ، اس میں لکھا تھا ، قیل
نزلت فی الصلوٰۃ وقیل نزلت فی الجمعۃ الی آخرہٖ ۔ آخر میں
صاحب تفسیر نے فیصلہ کیا ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت نماز کے بار
میں نازل ہوئی ہے یہی قول بہتر ہے اگرچہ صاحب معالم التنزیل شافعی المسلک
ہیں پھر بھی انھوں نے حق لکھنے میں بخل سے کام نہ لیا ، پھر احادیث کے ان
راویوں پر جن کو وہ اپنے ثبوت میں پیش کرتے ہیں جرح و قدح شرو
کی اور یہ ثابت کیا کہ یہ تمام رواۃ اصول حدیث کی کسوٹی پر صحیح نہیں اتر
رہے ہیں ، لہٰذا ان کی روایت نامعقول اور ناقابل عمل ہے ، آخر کار مناظ
کئی دنوں چلنے کے بعد بغیر کسی نتیجے پر پہونچے ختم ہو گیا ۔

اس علاقہ میں مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے حنفی مسلک کی خاطر بڑی پریشانیاں اٹھائیں ۔ جو بھی بڑے سے بڑا غیر مقلد اپنے مذہب کی اشاعت کی خاطر اس علاقہ میں آتا مولانا موصوف اس سے خود ٹکراتے اور مباحثہ کرتے ۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری ، اور مولوی محمد جونا گڑھی سے بھی علمی مباحث کئے ۔ دھنکھپور بستی میں مولوی حسن علی سے مناظرہ کر کے شکست دی ، اس طرح مولانا موصوف نے عمر کا بڑا حصہ بحث و مباحثہ اور غیر مقلدین سے مناظر کرنے میں صرف کر دیا اور کئی لوگوں کو دامن حق سے وابستہ کیا ۔ اس وقت جن سے انھیں کچھ مدد مل سکتی تھی وہ جگجوا کے صوفی نبی علی اور برادئں شریف کے شیخ المشائخ صوفی محمد یار علی علیہما الرحمہ کی ذات گرامی تھی ۔ دین کی اشاعت کی خاطر باہم گفت و شنید کے بعد مولانا موصوف نے فرمایا کہ ، صوفی صاحب ایسا

کوئی مدرسہ ضرور ہونا چاہیئے جہاں سے ہمارے مذہب حق کی بھی تبلیغ ہو سکے۔" شاہ یار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر راضی ہو گئے اور ایک مدرسہ "فیض الرسول" کے نام سے قائم کر کے ٹانڈہ سے ایک مدرس جو غالباً نابینا تھے انھیں بلا کر مقرر کر دیا مگر کوئی ذی استعداد مدرس نہ تھے اس لئے خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔

شاہ صاحب کے اصرار پر مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اس مدرسہ میں درس دینا شروع کیا۔ مولوی محمد عمر اور خلیفہ شیخ المشائخ صوفی محمد صدیق صاحب اس مدرسہ کے پہلے طالب علم ہیں جنھوں نے آپ سے بلا واسطہ تعلیم حاصل کی، مدرسہ روز افزوں ترقی کرتا رہا، یہ وہی مدرسہ ہے جو آج کل دار العلوم فیض الرسول کے نام سے ہندوستان کے چپہ چپہ میں مشہور ہے۔

جب ایک علمی مینار ضلع بستی میں قائم ہو گیا اور روز افزوں اس کی کرنیں تیز سے تیز تر ہوتی رہیں تو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ضلع گونڈہ کا رخ کیا۔ گونڈہ میں قصبہ تلسی پور اس وقت غیر مقلدوں کا اکھاڑہ تھا۔ مولوی عبد التواب کو جو وہاں کے تسلیم شدہ رہبر تھے حاجی رجب علی اور محمد شفیع سرپنچ کے تعاون سے شکست فاش دی۔ اور وہیں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جو آجکل دار العلوم انوار العلوم کے نام سے بڑی ہی شان و شوکت کے ساتھ چل رہا ہے، اس کے علاوہ دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا بازار گونڈہ، دار العلوم فاروقیہ مدہ نگر گونڈہ، مدرسہ عتیق المدارس موجودہ اشاعت الاسلام بڑھنی بازار بستی، آپ کی مسلسل کوشش اور جد وجہد کا نتیجہ ہیں۔ پھر آپ کچھ دنوں کے لئے اراکین دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف کے اصرار پر شیخ الحدیث ہو کر فیض الرسول چلے گئے۔ ایک سال سے زائد نہ رہے اور نیپال کے کچھ معتمد لوگوں کا اصرار ہوا کہ نیپال کے اندر بھی کوئی ادارہ مذہب حق کی اشاعت کے لئے ہونا چاہیئے چنانچہ مولانا نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور

براؤں شریف سے سبکدوش ہوکر دینی عمارت کے قیام کے لئے پھر نگر چلے آئے۔ "دارالعلوم عتیقیہ فیض مصطفٰی" کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اپنے ضعفِ بصارت اور پیرانہ سالی کے باوجود تشنگانِ علوم کو بادۂ دینِ مصطفٰی سے سرشار کیا اور وہیں علالت میں مبتلا ہوکر ۹ر محرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۱ر اکتوبر ۱۹۸۳ء کو وفات پائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ تفسیر و حدیث اور بزرگوں کے اقوال پر اچھی خاصی نظر تھی آپ کی عمر کا اکثر حصہ غیر مقلدین سے متعلق رہا ہے اس لئے آپ نے انھیں سے متعلق ان کے مذہب کی تردید میں متعدد کتابیں اور رسائل لکھے۔ عوام میں مذہبِ حق کے مبلغ، قوم کے ہمدرد اور اربابِ علم و دانش میں اچھے مناظر اور بلند پایہ خطیب کی حیثیت سے مشہور و معروف تھے۔ آپ کی زندگی کا یہ مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے دفتر کی ضرورت ہے۔

مولانا موصوف اگرچہ بستی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما ہوئی مگر انھوں نے عمر کا اکثر حصہ گونڈہ قصبہ تلسی پور میں گزارا اس لئے بعض حضرات انھیں تلسی پوری کے نام سے جانتے ہیں۔ مولانا محمود احمد قادری کے اس بیان پر جو انھوں نے آپ سے متعلق لکھا ہے تذکرہ کا اختتام کر رہا ہوں۔

" گونڈہ، بستی اور ضلع بہرائچ میں علم دین کا اجالا آپ ہی کی ذات سے پھیلا۔ آپ نے غیر مقلدین کے ساتھ مختلف مقامات پر مناظرے کئے اور ان کے رد میں آپ نے متعدد رسالے لکھے۔ آپ کی شخصیت نہایت وجیہ، بارعب، پُر وقار ہے۔"

تذکرہ علمائے اہلسنت ص ۱۸۲

مطبوعہ بہار ۱۳۹۱ھ

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب سے بیعت کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا عبدالرحمٰن تلسی پوری، مولانا عبداللہ

گونڈوی، مولانا عبدالرحیم گونڈوی، مولانا محمد صدیق بستوی اور مولانا شعبان علی جیابی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

آپ ضلع بستی کی انگلی پر گنی جانے والی اہم شخصیتوں میں سے ایک تھے، ذی صلاحیت اور بے حد تجربہ کار تھے، جملہ مروجہ و متداولہ علوم و فنون پر گہری نظر تھی، تصانیف میں "درۂ سلطانی بر فاضل رحمانی"، "خیر الانبیاء"۔ "التحقیقات المرضیہ فی رد تلبیسات الوہابیہ" مطبوعہ اور "المکالمہ علم النحو" (عربی)، حاشیہ ملاحسن غیر مطبوعہ آپ کے علمی کمال اور فنی صلاحیت پر شاہد عدل ہیں۔

مولانا عتیق الرحمٰن خاں صاحب کی اولاد میں دو صاحبزادے قابل ذکر ہیں۔ ایک حضرت مولانا کمال احمد صاحب مرحوم جو مدرسہ فیض مصطفےٰ عتیقیہ کے اہتمام و انصرام کی انجام دہی کر رہے تھے اور والد گرامی کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل میں سرگرم عمل تھے اور دوسرے عالی جناب ڈاکٹر شکیل احمد صاحب (بی یو، ایم ایس) علیگ۔ بڑھنی بازار میں بذریعہ علاج و معالجہ خدمت خلق کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ صاحب تذکرہ سے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے والے حضرات ڈاکٹر صاحب سے رابطہ قائم کر کے سیر حاصل معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔

مولانا عتیق اللہ خان

عتیق اللہ خاں بن محمد خلیل خاں موضع جاتے ڈیہہ پوسٹ دودھارا ضلع بستی میں یکم جنوری ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم ہدایۃ النحو تک مدرسہ رحیمیہ دودھارا میں ہوئی اس کے بعد اجیار تپہ کے مشہور مقام اوجھرا کے ایک پرانے مدرسہ (جس کا قیام ایک روایت کے مطابق دارالعلوم دیوبند سے پہلے ہوا تھا) میں داخل ہو کر کافیہ سے شرح جامی تک تعلیم حاصل کی۔ پھر دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد میں

داخلہ لے کر حضرت مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی کی شاگردی اختیار کی۔ وہاں شرح وقایہ جلد ثانی تک پڑھا اس کے بعد دار العلوم اشرفیہ مبارکپور سے وابستہ ہو گئے ۱۹۵۹ء میں درسِ نظامی کی تکمیل کر کے سند فضیلت حاصل کی۔

موصوف نے موضع سسوا باز ار ضلع بستی میں پہلے پڑھایا، اس کے بعد گجرات کے مشہور شہر ہمت نگر میں دار العلوم مصباح العلوم میں درجۂ مولوی تک تعلیم دی۔ دار العلوم مصطفائیہ ہلدور ا ضلع بڑودہ میں بھی آپ نے تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ ۱۹۷۸ء سے اس وقت تک دار العلوم رضویہ موضع دساواں ضلع بستی میں بحیثیت صدر المدرسین درس و تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے عملِ پیہم اور جہد مسلسل سے مدرسہ کے تعلیمی و تعمیری سلسلہ میں کافی عروج ہوا اور آج بھی آپ بڑی گرم جوشی کے ساتھ دار العلوم رضویہ میں اشاعتِ علوم میں سرگرم ہیں۔

موصوف سلیم الفطرت ہونے کے ساتھ متصلب فی الدین ہیں، بیباک نڈر، حق پرست اور حق گو واقع ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بدعقیدہ لوگوں کے ماحول میں پروان چڑھتے ہوئے انہی کے درمیان تعلیم حاصل کرتے ہوئے نہ صرف راہِ حق پر قائم رہے بلکہ ان سے بر سر پیکار بھی رہے اور تادمِ تحریر ان کا یہ جہاد جاری ہے۔

موصوف ضلع کے ایک اچھے مقرر کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین آپ کا نام سُن کر کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ آپ اس وقت مدرسہ رضویہ دساواں میں بڑی اولوالعزمی کے ساتھ فرائض تدریس و تبلیغ انجام دیتے ہیں۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتیٔ اعظم ہند سے شرفِ بیعت حاصل ہے۔

O

مولانا عزیز احمد اشرفی

مولانا عزیز احمد بن محمد صدیق موضع چرکھوا پوسٹ بھدوکھر بازار ضلع بستی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ مخزن العلوم بھاؤپور میں مولانا عزیز الرحمٰن، مولانا توکل حسین اور مولانا آغا حسن سے ابتدائی عربی، فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف چلے گئے، جہاں انھوں نے درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۹۷۳ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے بعد دار العلوم دیوان شاہ اشرف نگر، درگاہ روڈ، بھیونڈی تھانہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کیلئے آپ کو طلب کیا گیا، وہاں پہنچنے کے بعد آپ صرف دو سال خدمت دین متین کرنے پائے تھے کہ معمولی بخار، مرض الموت ثابت ہوا اور ۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کو اسی معمولی بخار میں مبتلا ہو کر جمعہ کے دن اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مولانا عزیز احمد باصلاحیت مدرس تھے، ہمارے استاذ مولانا محمد زماں اشرفی گونڈوی کا بیان ہے کہ موصوف میرے رفقائے درس میں تھے، ہم دونوں نے ایک نشست میں نحو میر، پنج گنج مکمل اپنے استاد کو سنائی ہیں۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا موصوف کو علم نحو و صرف سے خصوصی دلچسپی تھی، شاید اسی صلاحیت کے پیش نظر فیض الرسول میں آپ کو معین المدرسین مقرر کیا گیا اور شرح جامی اور شرح تہذیب پڑھانے کے لئے دی گئیں۔

راقم الحروف کی ملاقات موصوف سے ہوئی ہے، اخلاق عمدہ اور کریمانہ تھے۔ جن دنوں موصوف سے ملاقات ہوئی تھی اس وقت میں معراج العلوم بھدوکھر بازار میں زیر تعلیم تھا۔

مولانا ابوالقمر عزیز الرحمن

محمد عزیز الرحمن نام ۔ ابوالقمر کنیت ۔ اور عزیز تخلص ہے ۔
اٹو بازار کے قریب موضع بھاؤپور، پوسٹ بھدوکھر بازار ضلع بستی میں ۲۸ر فروری ۱۹۳۴ء کو ایک علمی اور مذہبی گھرانے میں پیدا ئے ہوئے ۔ آنکھ کھولتے ہی آپ کے والد ماجد حکیم صوفی محمد حیات علی[۱] نے آپ کو دینی علوم کی طرف راغب کیا اور خود صوفی صاحب ہی نے آپ کو بسم اللہ خوانی سے لیکر فارسی کی پہلی دوسری وغیرہ تک تعلیم دی ۔ جب عمر کے گیارہویں سال کو پہنچے تو دارالعلوم علیمیہ تلسی پور سے وابستہ ہو گئے ، وہاں تقریباً دو سال تعلیم و تربیت حاصل کرنے میں مصروف رہے ، اس کے بعد شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں حاضری دی اور حضرت کے دولت کدہ پر رہ کر میزان الصرف ، نحومیر ، پنج گنج ، اور پارۂ عم کی تفسیر پڑھی ۔ جب آپ نے مدرسہ مشیریہ میں داخلہ لے لیا تو مولانا محمد طیب صاحب سے تقریباً تین سال تک چند فارسی کتابوں اور قواعد وانش، کی تعلیم حاصل کی ، اس کے بعد شیر بیشۂ اہلسنت

---

[۱] حیات علی بن سلطان علی سند یافتہ عالم دین تو نہیں مگر دینی معلومات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے ، صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب کی مشہور زمانہ تصنیف "بہار شریعت" کے اکثر مسائل انھیں ازبر ہیں ۔ فارسی ادب پر گہری نظر ہے ، پوربی زبان میں نظم و نعت اور بھجن لکھنے میں انھیں کمال حاصل ہے ۔ فارسی زبان میں بھی نعتیں لکھی ہیں ۔
شیر بیشۂ اہلسنت مولانا حشمت علی صاحب کے خاص خلفاء میں ہوتے ہیں ضلع بستی کے بیشتر علاقے بطور خاص ڈومریا گنج تحصیل میں سنیت کی اشاعت آپ ہی کی مرہون منت ہے ۔ اس وقت آپ کی عمر سو کے قریب ہوگی شعر وسخن سے متعلق واقعہ کربلا منظوم "نیا شہادت نامہ"

کا مکتوب گرامی لیکر دار العلوم اشرفیہ مبارکپور حاضر ہوئے۔ داخلہ ہو جانے کے بعد حضور حافظ ملت استاذ العلماء مولانا عبد العزیز صاحب مراد آبادی اور دیگر مشفق اساتذہ کے زیر سایہ چھ سال مکمل تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں سند فضیلت سے سرفراز ہوئے، اس کے بعد حضرت شیر بیشہ سنت کی خدمت میں ایک سال رہ کر تبلیغ و تقریر و مناظرہ کا بھی فن حاصل کیا۔ حضرت نے عروس البلاد بمبئی میں ایک جشن کے موقعہ پر آپ کو آپ کی صلاحیت کے پیش نظر جبہ و دستار سے نواز کر سینے سے لگایا اور خلافت عطا فرمائی، پھر درس و تدریس کی خاطر آپ کو ٹمکہر روانہ کیا، وہاں ایک ماہ رہ کر ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم دی، اور حضور شیر بیشۂ اہلسنت کے دوسرے مکتوب کے پیش نظر آپ ایدوا چلے گئے، منصب صدارت پر فائز ہو کر صرف چار ماہ کام کیا تھا کہ دھنکھر پور کے جلسہ میں بھاؤ پور کے حشمتی بھائیوں اور والد ماجد کے معتقدین نے شیر بیشۂ اہل سنت سے آپ کو مانگ لیا۔ حضرت نے بھاؤ پور میں ایک بزم قادری تشکیل دے کر حسب حیثیت عہدہ دیا اور مدرسہ عربیہ مخزن العلوم کا مہتمم و صدر مدرس دائمی تحریر فرما کر تعلیم و تبلیغ کا حکم دیا۔ ۱۹۷۶ء تک اسی منصب پر قائم رہے، اسی سال کے آخر میں مدرسہ نور العلوم ٹنڈوا میں شیخ الحدیث کے منصب پر آپ کا تقرر ہو گیا، وہاں کچھ ہی سال رہے تھے کہ مدرسہ معراج العلوم کے اراکین کی طلب پر بھدوکھر بازار آ گئے اب اسی ادارہ میں صدر المدرسین کی حیثیت سے تدریسی اور انتظامی امور ساتھ ساتھ سنبھالے ہوئے ہیں۔

موصوف کئی علوم میں اچھی معلومات رکھتے ہیں۔ شعر و سخن میں اس کی اہم صنف نعت گوئی سے گہرا ربط ہے۔ مشکل ردیف و قوافی میں اشعار کہنا آپ کا معمول ہے۔ ساتھ ہی ایسے زود گو ہیں کہ جلسوں میں پڑھنے کے لئے

بوچاشدھ کا۔ کے نام سے چھپ چکا ہے۔ حیات آپ کا تخلص ہے۔

عموماً فی البدیہہ نعت لکھ کر بچوں کو دیا کرتے ہیں۔ یہ آپ کے شعری کمال اور بلند مذاق کی دلیل ہے۔

شعری مجموعے "جام کوثر" اور "سراج منیر" کے نام سے چھپ چکے ہیں اور تجہیز و تکفین کے موضوع پر ایک کتاب زیر طبع ہے۔

مولانا علی احمد بسمل عزیزی

نام علی احمد تخلص بسمل عزیزی۔ گیارہ فروری ۱۹۵۳ء کو سرزمین دھرم سنگھوا بازار ضلع بستی کے ایک متدین خانوادے میں ولادت ہوئی۔ جب آپ چلنے کے لائق ہوئے تو والد محترم مولوی قیام الدین نے مکتب پہنچا کر استاذ کے حوالے کر دیا۔ مکتب اسلامیہ سکری سے مروجہ نصاب کے تحت پرائمری درجات پاس کئے، پڑھنے میں ذہین تھے اور چونکہ اساتذہ سے ان کے والد کے مراسم تھے اس لئے اساتذہ ان پر خاص نگاہ رکھتے۔ ابتدائی فارسی کی کتابیں گھر رہ کر والد مرحوم سے ہی پڑھیں۔ جب مہندو پار ضلع بستی کے مدرسے میں مولانا عباس علی مونگیری فاضل اشرفیہ مدرس ہو کر آئے تو ان کے یہاں حاضر ہوئے پھر سلسلۂ تعلیم کا آغاز فارسی کی پہلی سے کیا۔ جس زمانے میں مہندو پار آپ بغرض تعلیم آئے تھے ان دنوں اہل سنت اور بدمذہبوں کے مابین اختلاف بڑے زوروں پر تھا۔ آئے دن جلسے اور مباحثے ہوتے رہتے تھے اس ماحول میں پہنچ کر مذہبی رجحان میں مزید اضافہ ہوا یہاں تک کہ مولوی کا کورس شروع کرنے کے ساتھ ساتھ ہی مشق خطابت شروع کر دی اور بتدریج مخالفین کے بالمقابل اسٹیج پر آنے لگے۔ اساتذۂ مدرسہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ تقریری سوال و جواب کے میدان میں جب مخالفین کا زور ٹوٹنے لگا تو وہ بیہودہ شاعری پر اتر آئے اور یاوہ گوئی اسٹیجوں پر ہونے لگی

بد قسمتی سے جماعتِ اہلسنت میں اس طرف کوئی شاعر نہ تھا جو ان کا منہ توڑ جواب دیتا، ایسے ماحول میں آپ نے شعر و سخن میں بھی طبع آزمائی شروع کردی، اس طرح ان کی یاوہ گوئی اور بیہودہ شاعری کا جواب بھی ہونے لگا جس کی وجہ سے اساتذہ اور عوام نے بھی خوب پذیرائی کی اور آپ نے مکمل ایک کتاب ترتیب دے دی؛ جب اس کتاب پر تقریظ لکھانے کی غرض سے حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی کی خدمت میں پہنچے تو حضرت نے فرمایا! "بیٹا طالب علمی کے زمانے میں شاعری مناسب نہیں کیونکہ اس طرف توجہ درسیات میں کمزوری پیدا کر دے گی" حضرت کی اس ہدایت سے آپ نے کتاب واپس لے لی، پوری توجہ کے ساتھ درسِ نظامی کی تکمیل میں لگ گئے اپنی ذہانت کی بنیاد پر ہمیشہ امتحانوں میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے، ۱۹۶۹ء سنہ میں دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لے لیا۔ طلبہ کی جماعت میں تدریس کے وقت عبارت خوانی میں پہل کرتے، بیشتر اوقات مطالعۂ کتب میں صرف کرتے۔ خالی اوقات میں اساتذہ کی خدمت میں حاضری دے کر علمی استفادہ کرتے۔ حضور حافظ ملت کا آپ پر خاص کرم تھا۔ درسِ نظامی کے آخری امتحان میں جب نمایاں کامیابی حاصل ہوئی تو حضور حافظ ملت نے خوش ہو کر فرمایا "جاؤ ہر میدان میں کامیاب رہو گے" ۲۲ مئی ۱۹۷۲ء سنہ "کل ہند تعمیری کانفرنس" کے موقع پر آپ کو فضیلت کی سند دی گئی، اور حضور مفتیٔ اعظم ہند، حضور سید العلماء، اور مولانا مشتاق احمد نظامی کے ہاتھوں رسمِ دستار بندی ہوئی۔

فراغت کے بعد وطن کے احباب نے اس بات پر مجبور کیا کہ آپ کو دھرم سنگھوا ہی میں رہ کر دین کی اشاعت کرنی ہے، مگر دفتر کی طرف سے مدھیہ پردیش جانا طے پایا تھا۔ اس لئے احباب سے معذرت طلب کرلی مگر جب ان کا اصرار حد سے بڑھا تو حضور حافظ ملت سے خصوصی اجازت

لے کر دھرم سنگھوا ہی میں قدم جما دیئے اور ۲۹ رمئی ۱۹۷۲ء کو اسی کوردہ خطے میں مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اسی مدرسہ کو آج لوگ دارالعلوم احمدیہ معراج العلوم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مدرسہ کی بنیاد ڈالتے ہی علاقہ کے بد مذہب آپ کے خلاف صف آرا ہو گئے مگر آپ کا وہ کچھ نہ بگاڑ سکے، وہ اپنا کام کرتے رہتے، آپ اپنا کام کرتے گئے ــــ چونکہ یہ جملہ "جاؤ، ہر میدان میں کامیاب رہو گے"... ایک ولی کامل کی زبان حق ترجمان سے نکلا ہوا تھا، لہٰذا ناکامی کا سامنا کیوں کر ہوتا۔ ہر منزل پر کامیابی سے ہمکنار رہے اور مدرسہ کی ترقی میں کافی محنت سے کام لیا۔ آج بھی معراج العلوم کی دو منزلہ شاندار عمارت آپ کی اس انتھک جد وجہد کی غماز ہے موصوف اسی وقت سے لے کر تادم تحریر صدارت کے منصب پر فائز ہو کر اپنے فرائض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں تحریر، تقریر، اور شعر وسخن کا بھی اچھا ذوق رکھتے ہیں۔

مولانا قاری علی حسن نعیمی

نام عبدالرحمٰن بن جان محمد قادری ہے، علی حسن نعیمی سے مشہور ہیں۔ سال ولادت کا یقینی علم نہ ہو سکا۔ ایک روایت کے مطابق تاریخ ولادت دسویں محرم الحرام اور وقت ۱۲ بجے دن ہے۔ موضع بکسر پوسٹ نگر بازار ضلع بستی میں مومن انصار گھرانے میں پیدا ہوئے۔

گاؤں ہی کے پرائمری اسکول میں درجہ پنجم پاس کیا، اس کے بعد پیراگوتم ضلع بستی سے ۱۹۳۹ء میں مڈل پاس کیا۔ دینی علوم کا رجحان ہوا تو آپ نے قصبہ نگر بازار ضلع بستی میں جناب حافظ امام علی اشرفی کی خدمت میں رہ کر ناظرہ اور قرآن پاک ختم کیا۔ ۱۹۴۱ء میں قرآن مقدس کا حفظ کرنا شروع

کیا۔ دو سال کی قلیل مدت میں حافظ بھی ہو گئے اور قصبہ نگر بازار میں شبینہ میں نماز کی ایک ہی رکعت میں ۲۹ ۱/۲ پارے قرآن سنا دیا۔

مولانا موصوف حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ فن تجوید، علم قرارت بروایت حفص و بروایت سبعہ، بروایت عشرہ بطریق دزہ و بطریق طیبہ پر کافی عبور رکھتے ہیں۔

فراغت کے بعد حافظ امام علی کی خدمت میں ابتدائی کتب فارسی اور رسائل دینیہ کا درس لینے کے لئے چند یوم اور گزارنے کے بعد اپنے شہر نگا بازار بستی کی جامع مسجد کے احاطے میں مدرسہ عربیہ میں طلب علم کیلئے داخل ہو گئے، وہاں ۲ سال ۲ ماہ یعنی ۱۹۴۶ء تک عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد وہیں سے آپ ۱۹۴۶ء میں اپنے بھائی بدرالدین کے ہمراہ مراد آباد تشریف لے گئے۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی بارگاہ میں حاضری دی اور دعاؤں کا سہارا لیکر جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لے لیا اور وہاں حضرت مولانا محمد عمر صاحب نعیمی کی سیادت میں آپ اور آپ کے ساتھ مولانا محمد یونس نعیمی (صدر المدرسین دار العلوم فیض الرسول) نے تعلیمی سرگرمیاں شروع کر دیں، مولانا اختصاص الدین نعیمی، مولانا محمد حسین نعیمی، مولانا حبیب اللہ بھاگلپوری، مولانا محمد یونس اشرفی سنبھلی، مولانا وصی احمد بہاری اور دیگر معزز اساتذہ کی صحبت میں رہ کر درس نظامیہ کی تکمیل کی اور ۱۹۵۱ء میں وہیں سے سند و دستار فضیلت حاصل کی۔

تحصیل علم دین سے فراغت کے بعد جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں رہ کر تدریس تعلیم نیز افتاء کا کام انجام دیا۔ فن تجوید میں مزید مہارت پیدا کرنے کیلئے ۱۹۵۲ء میں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں حافظ قاری محمد محب الدین احمد ناروی الہ آبادی کے یہاں پہنچے اور انھیں کی خاص صحبت سے حفص، سبعہ، عشرہ بطریق دزہ اور عشرہ بطریق طیبہ کی تعلیم حاصل کی، اور ۱۹۵۴ء میں

سند قرارت وتجوید حاصل کی۔

قرارت وتجوید کی تحصیل کے بعد آپ نے جامعہ نعیمیہ مراد آباد کا رخ کیا اور مولانا حبیب اللہ نعیمی اشرفی کے ایما پر مسند تدریس گاہ پر گامزن ہو گئے۔ ڈیڑھ سال گرمجوشی کے ساتھ تعلیم دینے کے بعد مرضیٔ مولیٰ کہ اچانک طبیعت خراب ہو گئی اور محترم اساتذہ کے آغوش تربیت وشفقت سے جدا ہو کر چلے آئے اور شفایابی کے بعد اراکین انجمن معین الاسلام کی خواہش پر ۱۹۵۷ء میں مدرسہ کی ذمہ داری سنبھالی مگر حالات نے ساتھ نہ دیا، اس لئے دو سال کے بعد ہی مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ چلے آئے وہاں سے چند ماہ بعد واپس ہوئے تو حضرت شاہ صاحب نے انھیں تدریسی اور تبلیغی خدمات کے پیش نظر دار العلوم منظر اسلام التفات گنج، فیض آباد کے لئے طلب کیا، وہاں پہنچنے کے بعد صرف دس ماہ کام کیا تھا کہ کچھ وجوہ کی بنا پر واپس ہو گئے۔

۱۹۶۱ء میں جناب ضیف اللہ انصاری ساکن بگرامیر سمریاواں بازار ضلع بستی کی دختر نیک اختر سے شادی کی اور اسی سال دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی میں داخل ہو کر درس وتدریس کا منصب سنبھالا، ایک ہی سال پڑھا سکے تھے کہ کچھ اسباب کی بنا پر اس ملازمت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ حضرت شاہ صاحب کو اطلاع ملی تو آپ نے اپنے ادارہ کے لئے طلب کیا اور یکم مارچ ۱۹۶۶ء کو دار العلوم فیض الرسول میں تجوید وقرارت کے استاد کی حیثیت سے آگئے مگر افسوس کہ آپ وہاں چند مجبوریوں کی وجہ سے زیادہ دن نہ رہ سکے اور ۱۹۷۴ء میں مستعفی ہو کر گھر چلے آئے۔

ویسے تو آپ ہر فن سے وابستہ ہیں مگر فن تجوید وقرارت میں خصوصی دسترس رکھتے ہیں، تجوید وقرارت سے متعلق "فیض التجوید"۔ "فیض القرارت"، آپ کی شاندار تصنیف ہیں جو قرارت میں آپ کی مہارت کی دلیل ہیں۔

ذو قعدہ ۱۳۸۶ھ بروز یکشنبہ مبارکہ حضرت مولانا الحاج ابو المسعود

سید مختار اشرف صاحب (محمد میاں)، اشرفی کچھوچھہ مقدسہ (فیض آباد) کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ سید العلماء مولانا سید آلِ مصطفیٰ مارہروی اور حضور مفتی اعظم ہند بریلی شریف سے خلافت و اجازت حاصل ہے۔

۱۹۸۴ء میں دوبارہ فیض الرسول میں پھر تشریف لائے اور تادم تحریر اسی ادارہ میں منصب تدریس پر فائز ہیں۔

مولانا محمد عیسیٰ انصاری

متوسط قد، سانولے رنگ کا چہرہ، دہرا بدن، گفتگو میں خود اعتمادی، بول میٹھے مزاج میں متانت، انتہائی خلیق، لباس میں سادگی، جھکی نگاہیں، خندی پیشانی، بزرگوں میں نیاز مند، احباب میں قہقہہ بر دوش، یہ ہیں مولانا محمد عیسیٰ انصاری بن محمد ادریس یار علوی۔

رموا پور کلاں، پوسٹ کپتان گنج، ضلع بستی میں ایک مذہبی گھرانے میں ۶ر جنوری ۱۹۵۶ء میں ولادت ہوئی۔

تعلیمی سلسلہ کا آغاز آپ نے گاؤں کے مکتب ہی سے کیا۔ منشی خلیل احمد اور مولوی عبد المجید صاحب سے چند ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر ۱۹۶۴ء میں التفات گنج چلے گئے۔ وہاں دار العلوم منظر اسلام میں درجہ پرائمری کی تکمیل کی اور ابتدائی فارسی کی چند کتابیں مولانا محمد سمیع بستوی اور مولانا محمد احمد سکندر پوری سے پڑھیں۔ ۱۹۶۸ء میں وطن مالوف کے قریب کپتان گنج مدرسہ حشمتیہ میں داخلہ لے لیا۔ اور مولانا عبد الرشید صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے گلستاں، بوستاں تک پڑھا پھر تکمیل درس نظامیہ کے لئے ۱۹۷۲ء میں دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف کا رخ کیا۔ وہاں کے مشفق اساتذہ بالخصوص مولانا جلال الدین امجدی کی نگاہ کرم نے مولانا محمد عیسیٰ کو کندن بنا دیا۔ ۶ سال مسلسل رہ کر منقولات و معقولات میں دسترس حاصل کی۔

اسی دوران ۱۹۷۶ء میں الٰہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان پاس کیا پھر ۱۹۷۸ء میں عالم کا امتحان دے کر نمایاں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اسی اثنا میں آپ نے قاری عبد الحکیم صاحب سے فن قرات سیکھا۔ کچھ وقفہ کے لئے دار العلوم فیض الرسول کے حالات آپ کے حق میں ناگفتہ بہ رہے اس لئے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور ۱۹۷۸ء میں پہونچے۔ وہاں ان دنوں راقم السطور بھی زیر تعلیم تھا۔ پہونچتے ہی میرے رفقائے درس میں شامل ہو گئے، جب فیض الرسول کے حالات سازگار ہو گئے تو چار ماہ حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی اور علامہ ضیاء المصطفےٰ اعظمی جیسی قابل قدر شخصیتوں سے استفادہ کر کے یہیں واپس آگئے اور شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفےٰ اعظمی کے یہاں بخاری کا درس لیا۔ کچھ گھریلو پریشانیوں کے پیش نظر وہ اپنے علوم کی تکمیل نہ کر سکے اور ادارہ کی طرف سے مدرس ہو کر دار العلوم ندائے حق جلال پور۔ فیض آباد چلے گئے، پھر وہیں سے آکر ۲۲ محرم ۱۴۰۱ھ میں سالانہ جشنِ دستار فضیلت کے موقعہ پر سند و دستار حاصل کی۔

مولانا محمد عیسیٰ صاحب علوم مروجہ و متداولہ میں فقہ سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ الٰہ آباد بورڈ سے کئی مضامین میں فاضل ہیں۔ بہترین مدرسوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

سال بھر ندائے حق جلالپور میں تعلیم دی پھر یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء میں دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا چلے آئے جہاں حضرت مولانا صوفی نظام الدین صاحب کی نگرانی و رہنمائی میں تادم تحریر درس و تدریس میں مشغول ہیں۔

۱۹۷۴ء میں تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

غ

مولانا غلام حسین یار علوی

غلام حسین بن عبدالجلیل قصبہ نوگڑھ (تحصیل) کے قریب موضع بیدولی میں مارچ ۱۹۵۴ء میں پیدا ہوئے۔ اہل خانہ میں دینی رجحان بے حد تھا اس لئے والدین نے آپ کو دینی علوم کی تحصیل کی طرف مائل کیا۔ ناظرہ قرآن پاک جناب الحاج تجمل حسین صاحب سے پڑھا اور درجہ پنجم موضع امہوا ندولیا کے مکتب سے پاس کیا، اس کے بعد دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف گئے اور وہاں داخلہ لینے کے بعد ابتدائی عربی سے لے کر دورۂ حدیث تک باضابطہ تعلیم حاصل کی۔

جن لوگوں سے کسب فیض کیا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں!

(۱) شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی، (۲) مولانا بدرالدین احمد قادری، (۳) مولانا محمد یونس نعیمی، (۴) مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی، (۳) مولانا محمد حنیف قادری۔

فراغت کے بعد موصوف نے ایک مردم خیز قصبہ شہرت گڑھ ضلع بستی کے ادارہ اہل سنت نورالطیف میں بحیثیت صدر مدرس کام کرنا شروع کیا۔ اور کافی دنوں تک وہیں خدمتِ دین کرتے رہے، آپ ہی کی کوششوں سے اس ادارہ میں گیارہ مدرسین و ملازمین اور ۴۲ بیرونی طلبہ کی تعلیم و تربیت کا مکمل انتظام ہوا۔ آپ ہمہ دم ادارہ کی فلاح و بہبود کے لئے سوچتے رہے درسگاہ کی ایک نئی عمارت تعمیر کرائی۔ اس کے علاوہ آپ ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ یہ ادارہ عظیم درس گاہ میں بدل کر ٹھوس اسلامی تعلیم کی نشر و اشاعت کرے۔

موصوف انتہائی مستقل مزاج ہیں۔ خدمتِ دین کا انتھک جذبہ آپ کے اندر موجود ہے۔ اشاعتِ دین حق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے کی فکر

میں رہتے ہیں۔ شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے ہیں اور تخلص اختر کرتے ہیں۔
موصوف حضرت شاہ محمد صدیق صاحب خلیفہ و سجادہ نشین آستانہ یار علویہ براؤں شریف سے بیعت ہیں۔

مولانا غلام شبیر رضا

پکے رنگ کا گول چہرہ، چہرے پر حلقہ بنائے ہوئی ابھری ناک، متوسط قد، اکہرا بدن، مزاج میں گرمی، جذباتی گفتگو، متواضع۔ یہ ہیں مولانا غلام شبیر رضا حشمتی بن محمد اسحٰق بن محمد قاسم۔
موضع ڈومکم امیا پوسٹ تلوکپور ضلع بستی کے ایک متدین اور پڑھے لکھے خاندان میں آپ کی ولادت ہوئی۔
والدین کو دین اور علم سے محبت و دلچسپی تھی اس لئے بیٹے کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گاؤں کے مکتب مدرسہ حشمت العلوم میں داخل کر دیا گیا جہاں انھوں نے مولوی محمد امین میاں مرحوم سے پرائمری درجات پڑھے۔ اس کے بعد غالباً ۱۹۶۷ء میں مدرسہ مخزن العلوم بھاؤپور میں داخلہ لیا۔ وہاں صرف دو سال ہی مولانا عزیز الرحمٰن کے زیر نگرانی گذارے تھے کہ معراج العلوم بھدوکھر بازار آگئے۔ مولانا طفیل احمد اور مولانا توکل حسین جن کا فیضان علم ان دنوں طلبائے معراج العلوم پر عام و تام تھا، پہونچتے ہی ان کے دامن کرم سے وابستہ ہو کر ہدایۃ النحو و کافیہ تک تعلیم حاصل کی، پھر ۱۹۷۴ء میں اپنے چند رفقاء درس کے ہمراہ مدرسہ ضیاء الاسلام اترولہ پہونچ کر مولانا عزیز الحسن صاحب اعظمی کی شاگردی اختیار کی اور شرح جامی، ترمذی شریف اور فقہ و اصول فقہ کی منتہی کتابوں کا درس لیا۔
دورۂ حدیث کا باضابطہ انتظام نہ ہونے کے سبب دورۂ حدیث کے لئے جامعہ انوار القرآن بلرام پور گونڈہ چلے گئے۔ مفتی زین العابدین شمسی اور مولانا محمد اسلم

بستوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ بخاری و مسلم شریف کا درس بھی لیا، اسی اثنا میں قاری شمساد صاحب سے فن قراءت بھی سیکھا، سالانہ جشن دستار فضیلت کے موقع پر ادارہ نے سنہ ۱۹۸۰ء میں دونوں سندیں تفویض کی۔

مولانا غلام شبیر رضا صاحب فن صرف و نحو سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں اور فقہ سے بھی کم دلچسپی نہیں، درس نظامی کی تکمیل کے بعد ہدایت الاسلام حسن گڑھ میں کچھ دنوں تدریسی فرائض انجام دیئے پھر بھولاپور بستی میں تشریف لے جاکر تقریباً ایک سال دین کی خدمت کی۔ کچھ دنوں مدرسہ مصباح العلوم سمری خانکوٹ میں صدر مدرس کی حیثیت سے اشاعت علم دین میں منہمک رہے۔

حضور شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بچپن ہی میں آپ کے والد نے بیعت کرادیا تھا۔ اسی مناسبت سے آپ اپنے نام کے ساتھ ,, حشمتی ،، لکھتے ہیں۔

مولانا غلام عبدالقادر علوی

مولانا غلام عبدالقادر علوی جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ مطابق فروری ۱۹۵۴ء بانسی سے نو میل پچھم براؤں شریف ضلع بستی میں ایک متدین، متقی اور متمول گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب ۲۸ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک پہنچتا ہے۔

غلام عبدالقادر بن شاہ محمد یار علی بن فخر علی بن خورشید علی بن خان محمد بن عبدالحنان بن عبدالرحمٰن بن خدابخش بن سالار بخش بن محمد علی بن ہدایت علی بن جان محمد بن تاج محمد غازی بن محمد داؤد بن محمد قاسم بن سالار محمد تاج بن سالار بن محمد بن سالار سیف الدین سرخرو بن عطاء اللہ غازی بن طاہر غازی بن طیب غازی بن اشرف غازی بن عمر غازی بن ملک آصف غازی بن شاہ بطل غازی

بن عبدالمنان غازی عرف فریدالدین بن محمد (بن حنفیہ) بن سیدنا علی (ابن طالب (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و علیہم الرحمۃ والرضوان)

آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت سالار سیف الدین سرخرو علیہ الرحمہ کی نسل ہندوستان میں پھیلی۔

ان کے تین صاحبزادے تھے، محمد صالح، ظفرالدین، سالار محمد، ان بزرگوں کی نسل کے لوگ اب بھی بارہ بنکی موضع میرپور قیصر گنج (بہرائچ) براؤں شریف اور موضع اِسنگو تحصیل بانسی ضلع بستی میں آباد ہیں۔

آپ کے آباء و اجداد پہلے تو ہندوستان آکر بارہ بنکی میں قیام پذیر ہوئے پھر وہاں سے ہجرت کر کے میرپور (بہرائچ) میں آباد ہو گئے پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے تقریباً پونے دو سال قبل آپ کے جدامجد جناب خورشید علی صاحب ایک آفت ناگہانی سے گھبرا کر کہیں دوسرے مقام پر سکونت اختیار کرنے کے عزم و ارادہ سے نکلے، ان کے ہمراہ ان کے دو بھائی شمس الدین اور جناب حسن علی بھی شریکِ سفر تھے، برابر کئی دن تک سفر کر کے یہ براؤں شریف کے پاس پہنچے، اتفاقاً وہاں کے ضیاء الدین نامی ایک بزرگ نے ان کی پریشان حالی کو دیکھ کر روک لیا اور میزبانی کی یہ مہمانی اور میزبانی مرضیٔ مولیٰ سے جلد ہی مستقل سکونت میں بدل گئی، شمس الدین صاحب بیراگی گاؤں (بہرائچ) جاکر آباد ہو گئے، دو صاحبان یہیں رہے۔

جناب حسن علی صاحب تو لاولد انتقال کر گئے جب کہ خورشید علی کے تین صاحبزادے فجر علی، اشرف علی، خدابخش پیدا ہوئے۔

جناب فجر علی صاحب کے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ قربان علی، سبحان علی، واجد علی، شاہ محمد یار علی اور منشی محمد نبی رضا (رحمہم اللہ)

جناب فجر علی کے چوتھے صاحبزادے شاہ محمد یار علی تھے جن کا مزار اقدس براؤں شریف میں مرجع عام و خاص ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے دو شادیاں

کی تھیں۔ پہلی بیوی سے (۱) محمد یعقوب، (۲) محمد صدیق احمد (موجودہ جانشین آستانہ یارعلویہ براؤں شریف)، (۳) علی حسین، (۴) مولوی محمد فاروق منیجر دارالعلوم فیض الرسول)۔ (۵) احمد رضا۔ اور دوسری بیوی سے تین صاحبزادے تولد ہوئے (۱) صاحب تذکرہ غلام عبدالقادر ثانی (جب کہ جناب خلیفہ محمد صدیق صاحب کے بڑے صاحبزادے غلام عبدالقادر اول ہیں) (۲) غلام عبدالقادر ثالث۔ (۳) غلام عبدالقادر رابع۔

صاحب تذکرہ مولانا عبدالقادر ثانی کو لوگ محبت میں "بھو بھیا" بھی کہا کرتے ہیں زیادہ آپ اسی نام سے مشہور ہوئے۔

اپنے والد کے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں تعلیم حاصل کی۔ پہلے تو مکتب فیض الرسول میں پرائمری درجات کی تعلیم مکمل کی پھر فارسی و عربی کی تعلیم کا آغاز ایک پروقار تقریب میں والد ماجد شاہ صاحب، حضرت شیخ العلماء علیہ الرحمہ اور دیگر اساتذہ فیض الرسول کی موجودگی میں ہوا اور از ابتدا تا انتہا اسی ادارہ میں رہ کر درسِ نظامی کی تکمیل کی۔

عربی کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا بدرالدین احمد کی تربیت میں حاصل کی، متوسطات اور منتہی کتابوں کا درس مندرجہ ذیل اساتذہ سے لیا۔

حضرت شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی، مولانا بدرالدین احمد رضوی، مولانا عبداللہ خاں عزیزی، مولانا محمد یونس نعیمی، مولانا نعیم الدین صاحب، مولانا مفتی جلال الدین امجدی، مولانا محمد حنیف صاحب،

فن تجوید و قرأت فخر القراء قاری علی حسن نعیمی تلمیذ قاری محب الدین احمد الہ آبادی سے سیکھا۔

۱۳۹۵ھ میں درس نظامی کی تکمیل کی اور اسی سال سالانہ جشن دستار بندی کے موقعہ پر سید العلماء اور ملک کے اکابر علماء و مشائخ کی موجودگی میں سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے اور اسی موقعہ سے سید العلماء علیہ الرحمہ نے

دستار باندھنے کے فوراً بعد ہزاروں کے مجمع عام میں سلسلہ برکاتیہ کی اجازت وخلافت عطا کی اور آپ کے لئے خاص طور پر دعائیں کیں، راقم الحروف اس وقت سراج العلوم میں زیر تعلیم تھا اور حسن اتفاق سے اس تقریب میں موجود تھا۔

مولانا علوی کو سند فضیلت کے ساتھ ساتھ سند تجوید وقراءت بھی تفویض ہوئی موصوف نے فراغت کے بعد بھی حصول علم کا جذبہ جوان رکھا، اور فراغت سے پہلے اور بعد میں آپ نے مندرجہ ذیل امتحانات دیئے۔

مولوی، عالم، فاضل (دینیات)، فاضل (ادب) فاضل (معقولات) فاضل (طب) منشی، کامل (تاریخ ادبیات ایران، ومعقولات) کامل (انگلش) کامل (ہندی)

ان اسناد سے آپ کے علمی ذوق وشوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، موصوف نے یوں تو ہر فن کو محنت اور لگن سے پڑھا ہے مگر منطق سے خصوصی دلچسپی رہی ہے چنانچہ جب آپ نے فراغت کے بعد اسی ادارہ میں بحیثیت استاد (نائب عالیہ) کام کرنا شروع کیا تو اکثر معقولات ہی کی کتابیں زیر تدریس تھیں۔ جب آپ تمام مروجہ درسی کتب پڑھا چکے تو دفعتہً مزاج میں کچھ اس طرح تبدیلی ہوئی کہ بجائے منطق وفلسفہ کے علوم نقلیہ بالخصوص فقہ سے طبیعت مانوس ہوئی اور تمام تدریسی زور اسی پر صرف کرنا شروع کیا، اس فن سے اس قدر مانوس ہوئے کہ ایک سال کی عبوری مدت میں بحیثیت مفتی دار العلوم کے افتا کی ذمہ داری بھی سنبھالی مگر اپنے تبلیغی دوروں اور دیگر مصروفیات کے سبب یہ خدمت ایک سال سے زیادہ نہ انجام دے سکے۔

دار العلوم فیض الرسول میں آپ نے کل دس سال یعنی ۱۹۷۵ء سے لیکر ۱۹۸۵ء تک تدریسی خدمات انجام دیں، لیکن جب ۵ رمضان ۱۴۰۵ھ مطابق جون ۱۹۸۵ء میں دار العلوم کے منیجر مولوی محمد فاروق صاحب کا وصال ہوگیا تو اراکین کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی اور جولائی ۱۹۸۵ء میں دار العلوم کی

تدریسی خدمات سے سبکدوش ہو کر مینجر کے عہدہ پر فائز ہو گئے، تا دمِ تحریر اسی عہدہ پر مامور ہیں۔

مولانا موصوف بہترین مدرس، عمدہ صحافی اور لائق مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ بھارت کی ایک موقر خانقاہ اور باوقار دار العلوم کے معتمد نیز "ماہنامہ فیض الرسول" کے مدیر ہیں۔ اسی حیثیت سے ملک کے نمائندہ اجتماعات، جلسوں، کانفرنسوں میں مدعو ہوتے رہتے ہیں اور اسلام و سنیت کی اشاعت بصمیم قلب کرتے ہیں۔

اشاعت دین حق کی خاطر تبلیغی دورے بھی کرتے ہیں، بیرونِ ہند کا بھی تبلیغی سفر کرتے ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے دفاع میں ہونے والے مناظروں میں بھی پہنچتے رہتے ہیں۔ بھیِن گاواں، سکروی کا مناظرہ جو تاریخی مناظرہ کہے جانے کا مستحق ہے اس میں بھی آپ کی شرکت رہی۔ چوکھڑا، اور بڑھنی جھنڈا نگر کے مناظرے میں بھی آپ کی عمودی حیثیت رہی۔ بارہا آپ نے سیاسی و قومی اجتماعات میں بھی شریک ہو کر موقفِ اہل سنّت کی وضاحت کی ہے۔

مولانا غلام عبدالقادر صاحب حالات کے پیشِ نظر مختلف موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں۔ "درس نظامی اور عصر حاضر کے تقاضے" کے عنوان سے ۱۹۸۴ء میں تنویر الاسلام امرڈوبھا کے زیر اہتمام ایک سیمنار ہوا تھا جس میں راقم بھی مقالہ نگار کی حیثیت سے مدعو تھا، موصوف نے تقاضائے وقت کے پیش نظر اچھا مقالہ پڑھا تھا، اس کے علاوہ ترکی سے شائع شدہ ایک عربی رسالہ "التوسل" کا اردو ترجمہ آپ نے کیا ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

مولانا موصوف مستحکم عزم و ارادہ کے مالک ہیں۔ اسلام و سنیت کی ہمہ گیر پیمانے پر نشر و اشاعت کا عزم رکھتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کے ارادوں کو پیکر عمل اور معرض وجود میں جلوہ گر فرمائے آمین

تمام سلاسل کی اجازت و خلافت آپ کو حاصل ہے۔ سلسلہ قادریہ و چشتیہ میں حضرت سید العلماء کے علاوہ والد ماجد حضرت شاہ سے بھی ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

میں ہی اجازت ملی ہے۔ حضرت شیخ العلماء نے رسالہ مبارکہ "النور والبھار فی اسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء" کی جملہ اجازتیں عطا فرمائی ہیں۔

آپ باضابطہ شاعر تو نہیں البتہ شعر و شاعری کا اچھا مذاق رکھتے ہیں، نعت کا ایک شعر یہ ہے۔

گھٹا سکو گے نہ اپنی طرح سے کہہ کے انھیں
خدائے ارفع و اعلیٰ ہے ان کا جب رافع

مولانا غلام غوث علوی

مولانا غلام غوث علوی ہاشمی یکم فروری ۱۹۵۴ء میں تحصیل بانسی کے مشہور گاؤں موضع براؤں شریف میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب اسطرح ہے۔

"غلام غوث العلوی الہاشمی بن فصیح اللہ بن اصغر علی بن سبحان علی بن فخر علی بن خورشید علی بن خاں محمد بن عبدالحنان بن عبدالرحمٰن بن خدابخش بن سالار بخش بن محمد علی بن ہدایت علی بن جان محمد بن تاج محمد غازی بن محمد داؤد بن محمد قاسم بن سالار محمد تاج بن سالار بن محمد سالار سیف الدین سرخرو بن عطاء اللہ غازی بن طاہر غازی بن طیب غازی بن اشرف غازی بن عمر غازی بن ملک آصف غازی بن شاہ بطل غازی بن عبدالمنان غازی عرف فریدالدین بن محمد (بن حنفیہ) بن سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم وعلیہم الرحمۃ والرضوان۔

آپ نے اپنے تعلیمی دور کا تمام تر حصہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں گزارا، از ابتدا تا دورۂ حدیث وہیں تعلیم حاصل کی اور وہیں سے ۱۹۷۴ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

سند فراغ کے حصول کے بعد تدریسی سلسلہ کی ابتدا صوبۂ گجرات علاقۂ سوراشٹر کے قصبہ اپلیٹہ سے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے آپ نے وہیں مدرسہ

عرفان العلوم سنیہ میں تدریسی سلسلہ کا آغاز کیا۔ جس زمانہ میں آپ نے اس مدرسہ میں تدریسی ذمہ داری قبول کی تھی اس وقت وہ مدرسہ کی شکل میں تھا تعلیم مختصر تھی مگر آپ کی محنتوں اور الحاج محمد یعقوب عثمان رضوی کھاکھو ساکن ایلبیڈہ کی علم دوستی، علماء نوازی اور جذبۂ اشاعت علم دین کے ذریعہ وہ مدرسہ جلد ہی دارالعلوم کی حیثیت حاصل کر گیا۔

سراج العلوم لطیفیہ نسال گڑھ ضلع سلطانپور میں بھی آپ نے کچھ دنوں تدریسی امور انجام دیئے ہیں۔ اس وقت دارالعلوم مسکینیہ دھوراجی گجرات میں مدرس ہیں۔ یہ ایک قدیم ادارہ ہے جو شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا حشمت علی، مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی، مفتی عبدالرشید خاں فتح پوری، مفتی عبدالعزیز خاں فتحپوری، مفتی رفاقت حسین صاحب علیہم الرحمۃ والرضوان اور سلطان الواعظین حضرت علامہ عبدالمصطفی اعظمی، مفتی عبدالجلیل صاحب، مفتی محمد اسلم صاحب رضوی دامت برکاتہم العالیہ کے فیضانِ علم و فن سے بہرہ ور ہو چکا ہے۔

اس ادارے نے عروج و زوال کے مختلف ادوار دیکھے ہیں، اس کی وجہ وہاں کے باشندوں کے قول کے مطابق "دریں خاک بوئے وفانیست" ہے۔ بہر حال مولانا نے اس کی پروا کئے بغیر اپنے شعور اور فکر و فن سے اس مدرسہ کو حتی الوسع ترقی دی اور منصب صدارت سنبھالا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہاں سیکڑوں کی تعداد میں طلباء تحصیل علم دین میں مصروف ہیں۔

مولانا غلام غوث علوی ایک متحرک اور فعال انسان ہیں۔ خدمتِ دین کا جذبہ آپ کے اندر بے حد ہے۔ دھوراجی کے زمانۂ قیام میں انھوں نے طلبہ کو بادۂ علم دین مصطفی سے سرشار بھی کیا اور دوسری کوششیں بھی جاری رکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصف درجن ادارے آپ کی جد و جہد سے عالم وجود میں آئے اور بعض مدارس کی تاسیس بھی آپ کے ہاتھوں ہوئی، جو مدارس آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں ان میں دارالعلوم رضویہ جام نگر، محمود الاسلام پربھاس پاٹن سومنات، دارالعلوم

کوثر الاسلام ، دار العلوم فیض الرحمٰن جوناگڑھ ، مدرسہ فیض نوری ، دار العلوم حبیبیہ جوڑیا بندر ، دار العلوم غوث الاعظم پوربندر بطور خاص قابل ذکر ہیں۔
اول الذکر تین مدارس کی بنیاد آپ ہی کے ہاتھوں ڈالی گئی۔

علم دین کی اشاعت آپ مختلف حیثیتوں سے کر رہے ہیں ، مدارس کا قیام پند و موعظت ، کتب و رسائل کی نشر و اشاعت ، سبھی طریقے اختیار کرتے ہیں، وقت کی نباضی کرتے ہوئے اسلاف کے رسائل اور پیغامات عوام تک پہنچاتے ہیں اور وہ امور بدعت جسے نشانہ بنا کر اہل سنت و جماعت پر طنز کیا جاتا ہے اس کی شدت سے مخالفت کرکے نیست و نابود کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہیں۔

دار العلوم مسکینیہ دھوراجی جہاں اس وقت آپ صدر المدرسین ہیں آپ کے علاوہ دیگر باصلاحیت اساتذہ آپ کی معیت میں کام کر رہے ہیں، اس طرح یہ ادارہ بڑی تیزی کیساتھ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔

جن اساتذہ سے آپ نے کسب فیض کیا اور ترقی کی اس منزل پر پہنچے ہیں ان میں شیخ العلماء حضرت مولانا علامہ غلام جیلانی علیہ الرحمہ ، حضرت مولانا بدر الدین احمد رضوی، حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب ، مولانا محمد یونس نعیمی ، مولانا جلال الدین امجدی ، مولانا صابر القادری نسیم بستوی ، مولانا محمد حنیف قادری، مولانا عبد اللہ خاں عزیزی ، مولانا محمد قدرت اللہ رضوی ، مولانا غلام عبد القادر علوی ، مولانا سید محمد احمد انجم ،

اور مکتب کے اساتذہ میں :

منشی عبد الجبار براؤنی ، مولوی عبد اللہ صاحب ، مولوی محمد امین صاحب براؤنی ، مولوی محمد عمر صاحب براؤنی قابل ذکر ہیں۔

مولانا غلام معین الدین اشرفی

مولانا غلام معین الدین بن محمد سجاد بن عید و خاں ۱۸۹۸ء میں مقام دھورہرہ پوسٹ خلیل آباد ضلع بستی میں پیدا ہوئے۔

ضلع بستی میں کوئی ایسا ادارہ اس وقت نہ تھا جہاں ان کی علمی تشنگی بجھائی جاتی، اسلئے دور دراز مقامات کا سفر کیا اور علمائے دین سے علوم و فیوض حاصل کئے، ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ عالیہ رام پور، اور احسن المدارس قدیم کانپور میں داخل ہوکر مروجہ نصاب کا درس لیا اور مؤخر الذکر ادارہ سے سند تکمیل حاصل کی۔

جن علماء کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا مولانا نثار احمد کانپوری اور مولانا مشتاق احمد کانپوری بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مولانا غلام معین الدین صاحب کے بارے میں کسی ادارے کے اندر باضابطہ تعلیم دینے کا ثبوت نہیں ملتا، البتہ آپ سے مارہرہ شریف کی خانقاہ میں مقیم ہوکر اسی خانوادے کے فرزندوں کی علمی تربیت کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت مولانا سید آل مصطفےٰ صاحب، مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری، مولانا سید مختار اشرف اور مولانا حسن میاں صاحب نے آپ سے علمی استفادے کئے ہیں۔ مسجد ٹاٹ شاہ فیض آباد، اور بہرائچ شریف کی مسجد میں امامت کے اہم فرائض بھی انجام دیئے ہیں۔

جس زمانہ میں آپ مولانا نثار احمد کانپوری کے حلقۂ درس میں تھے، کسی مسئلے کے استفسار کے لئے موصوف نے آپ کو فاضل بریلوی کی جناب میں بھیجا تھا اس وجہ سے آپ کو فاضل بریلوی کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہے۔

محدث اعظم ہند کچھوچھوی سے ساٹھ سال کی عمر میں بیعت و ارادت حاصل کی، مذہب حق کی اشاعت آپ نے ہر طرح کی، اس سلسلہ میں سفر کی صعوبتیں بھی

اور آلام ومصائب کے مراحل سے بھی گزرے۔

مولانا سردار احمد صاحب محدث پاکستان، مولانا احمد یار خاں اور مولانا حشمت علی علیہم الرحمۃ والرضوان سے گہرے مراسم تھے۔

زندگی کے آخری ایام میں آپ کو بخار کا ایسا عارضہ لاحق ہوا جو موت کا سبب بنا، چنانچہ بروز دوشنبہ ۱۹۷۴ء میں ۷۶ سال کی عمر پاکر فوت ہوئے۔

پس ماندگان میں تین صاحبزادے غلام جیلانی، غلام صمدانی، اور غلام یزدانی ہیں۔ ثانی الذکر صاحبزادے مرحوم اور بقیہ حضرات بقید حیات ہیں۔

ق

مولانا حافظ فتح احمد مصباحی

فتح احمد بن محمد عیش بن محمد اسحاق مرحوم مقام مجھوا سیٹھ پوسٹ ٹنڈوا ڈومریا گنج ضلع بستی میں ۲۳ر رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۱ر مارچ ۱۹۶۲ء کو پیدا ہوئے۔

گاؤں ہی کے ایک مدرسہ "گلزار محمدی" میں بروز دوشنبہ رسم بسم اللہ خوانی مولوی محمد لیٰسین جو میاں صاحب سے مشہور تھے ان سے ادا کرائی گئی۔ حافظ عبد الحمید صاحب نے ناظرہ کی تعلیم باضابطہ مکمل کرائی اور حفظ قرآن کا شوق پیدا کیا۔ آپ نے قرآن کی متعدد سورتیں ازبر کیں، اور درجہ پنجم تک مروجہ نصاب کے ساتھ پڑھا۔ اس کے بعد اپنے چچا طفیل احمد کے ہمراہ جامعہ امداد العلوم مٹھنا پہنچے، اس وقت اس ادارہ میں حفظ قرآن کا انتظام نہ تھا ایک ہفتہ بعد حافظ و قاری عبد الرزاق صاحب کا تقرر عمل میں آیا اور حفظ قرآن کا باضابطہ درس ہونے لگا، غالباً یہ سنہ ۱۹۷۱ء ۱۹۷۲ء کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں وہاں مولانا عبد الرحمٰن تمسی پوری منصب صدارت پر رونق افروز تھے، صرف ڈیڑھ سال وہاں رہنے پائے تھے کہ مدرسہ انوار الاسلام مھوا سمی اللہ مال سے جو دیوبندی مکتب فکر کا ادارہ ہے منسلک ہو گئے اور وہاں قرآن کریم کا معتد بہ حصہ حفظ کیا، سند حفظ کے حصول کیلئے براؤں شریف آئے مگر اتفاق یہ ہوا کہ قاری علی حسن صاحب کے چلے جانے کی وجہ سے شعبۂ حفظ ختم ہو چکا تھا، متفرق طور پر اساتذہ سے چھ ماہ تعلیم حاصل کی پھر مھوا واپس آگئے اور یہاں تقریباً ایک سال رہے اس کے بعد سنہ ۱۹۷۶ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے وابستہ ہو گئے، وہاں ایک سال حفظ قرآن کا دور کیا اور فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ سنہ ۱۹۷۷ء حضور حافظ ملت کے پہلے عرس میں سند حفظ اور دستار سے نوازے گئے۔

پھر الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی میں ایک سال اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں آٹھ سال رہ کر باضابطہ درسِ نظامی کی تکمیل کی اور نویں عرس عزیزی کے موقعہ پر ۱۹۸۵ء میں درجہ فضیلت کا امتحان دے کر سند و دستار فضیلت حاصل کی۔ دستار فضیلت سے تاریخ فراغت برآمد ہوتی ہے، ۱۹۸۵ء فن قراءت بھی سیکھا اور ۱۹۸۴ء میں روایت حفص کی سند پائی۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی، حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ اعظمی، حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی، حضرت مولانا عبداللہ خاں عزیزی، حضرت مولانا عبدالشکور گیا دی، حضرت مولانا اسرار احمد اعظمی، حضرت مولانا محمد لیٰسین اختر مصباحی، حضرت مولانا افتخار احمد قادری، حضرت مولانا نصیر الدین پلاموی،

الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی کے اساتذہ میں حضرت مولانا شبیر حسن بستوی اور حضرت مولانا محمد نعمان خاں وغیرہما کے اسمار قابل ذکر ہیں۔

حفظ و قراءت کے اساتذہ میں قاری ابوالحسن صاحب اور حافظ جمیل احمد عزیزی خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ سررشتۂ تعلیم اترپردیش سے منشی، عالم، کامل اور فاضل دینیات کے امتحانات بھی پاس کر چکے ہیں۔

فراغت کے بعد گھر ٹپ دیو بھی میں تدریسی امور کی انجام دہی کے لئے اگست سنہ ۱۹۸۵ء میں تقرر ہوا، تادمِ تحریر اسی محلہ کی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

۱۹۸۲ء کے نصف آخر میں جناب خیر اللہ خاں مینا پرسا اٹوا بازار کی دختر نیک اختر کے ساتھ عقد ہوا۔

بیعت کا شرف شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے حاصل ہے۔

مولانا فتح محمد خان

مولانا فتح محمد خاں بن مجیب اللہ خاں بن حیات اللہ مرحوم موضع دیوریالال، پوسٹ چائی کلاں ضلع بستی میں ۳ر ستمبر ۱۹۲۶ء کو تولد ہوئے۔

ابتدائی تعلیم تو والد گرامی ہی کے زیر سایہ ہوئی لیکن جب آپ کے والد گرامی نے ۱۹۳۲ء میں ایک مکتب کی تعمیر کرائی تو ماسٹر انعام اللہ خاں صاحب ساکن بسڈیلہ ضلع بستی جو اس کے مدرس اول مقرر ہوئے ان سے اردو، ہندی اور ابتدائی فارسی کا درس لیا۔ ۱۹۳۶ء میں ایک مڈل اسکول سے وابستہ ہوگئے، ۱۹۳۹ء میں وہاں سے فراغت کے بعد دینی رجحان کے سبب مدرسہ منظر حق ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں داخلہ لے لیا۔ حضرت مولانا عبدالمجید اور حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز ٹانڈوی سے اکتساب فیض کیا مگر جب وطن کے قریبی گاؤں بسڈیلہ میں دارالعلوم تدریس الاسلام کا قیام عمل میں آگیا، تو وہاں سے چلے آئے اور یہاں سلسلہ تعلیم میں مصروف ہوگئے۔ مولانا فاروق احمد فیض آبادی اور مولانا عبدالرؤف صاحب سے اس ادارہ میں کسب فیض کیا مگر جب آخر الذکر مولانا عبدالرؤف صاحب یہاں سے مستعفی ہوکر میرٹھ گئے، تو آپ بھی انھیں کے ساتھ ہولئے۔ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میں داخلہ لیا اور امام النحو حضرت مولانا علامہ غلام جیلانی میرٹھی شارح بخاری علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا مبین الدین امروہوی نے انتہائی توجہ سے آپ کو پڑھایا، دو سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب سند فراغت پانے کا وقت آیا تو ۱۹۴۷ء کے قیامت آشوب فسادات شروع ہوگئے اور وہاں سے "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارکپور پہنچ کر حضرت مولانا خادم رسول صاحب مدظلہ العالی اور مولانا سمیع اللہ صاحب گھوسوی کے ہمراہ آپ نے سند فضیلت حاصل کی۔

درسیات کی تکمیل کے بعد مولانا فتح محمد خاں نے مختلف مدارس میں درس وتدریس

کا فریضہ انجام دیا۔ الہ آباد، احمد پور یادو، مہراج گنج ضلع گورکھپور، مونگیر (بہار) بھمڑی، جمشید پور ان تمام مقامات پر آپ نے تدریسی امور انجام دیئے اور آخر میں ۱۹۷۱ء میں ہائر سکنڈری اسکول پچپوکھری بازار میں اردو ٹیچر کی حیثیت سے کام کیا مگر تین سال بعد ملازمت ترک کر دی۔

مولانا فرید احمد عثمانی

قاضی فرید احمد عثمانی یارعلوی کی ولادت ننہال میں یار علوی خانوادہ براؤں میں ہوئی پھر بعد میں یہاں سے ترک وطن کر کے تحصیل نوگڑھ میں شہرت گڑھ کے پاس موضع بگلھوا چلے گئے اور پھر وہیں مکمل سکونت اختیار کر لی۔

مولانا کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

فرید احمد بن قاضی عبد المغنی بن قاضی غلام عبد القادر بن قاضی عبد الباسط بسم اللہ خوانی کی رسم مولوی محمد عمر نے ادا کرائی۔ دار العلوم فیض الرسول میں درس نظامی کی ابتدا سے لیکر انتہا تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۶۹ء علمائے فیض الرسول سے درسیات کی تکمیل کر کے سند فضیلت حاصل کی اور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن قادری کے مقدس ہاتھوں دستار فضیلت تفویض ہوئی۔

اساتذۂ دار العلوم میں شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی صاحب اور مولانا بدر الدین احمد صاحب کی آپ پر خصوصی نگہِ التفات رہا کرتی تھی۔

مولانا فرید احمد اچھی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں، علوم متداولہ میں حالات کے پیش نظر عربی ادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں، اشاعت دین کا جذبہ آپ کے اندر بے پناہ ہے، اسی سلسلہ میں آپ نے مقام دبویا میں انتہائی جد وجہد سے ایک مدرسہ بنام مدرسہ عربیہ اہلسنت فیض الرحمٰن کی بنیاد ڈالی اور اسے

چڑھایا اور اس علاقہ کے لوگوں میں آپ نے اس طرح مذہبی رجحان پیدا کیا کہ آپ کا قائم کردہ ادارہ چند ہی دنوں میں اس قدر عروج پذیر ہوا کہ شرح جامی تک باضابطہ تعلیم دی جانے لگی، موصوف اس وقت اپنے قائم کردہ ادارہ میں منصب صدارت پر فائز ہیں۔

مولانا فرید احمد انتہائی سنجیدہ اور متحمل مزاج ہیں۔ خدمت خلق میں شب و روز کا بیشتر حصہ صرف کرتے ہیں اسی وجہ سے اس علاقے کے ہندو مسلم سب آپ سے بیحد متاثر ہیں۔

۲۲ سال کی عمر میں آپ نے شعیب الاولیا حضرت صوفی یار علی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور متبرک دعاؤں سے نوازے گئے۔

ازدواجی زندگی سے متعلق صرف اتنا لکھا جا سکتا ہے کہ خانقاہ یار علویہ میں موجودہ سجادہ نشین مولانا محمد صدیق صاحب کے چھوٹے بھائی علی حسین کی بڑی لڑکی سے عقد ہوا۔

مولانا محمد فضل رضوی

موضع املی ڈیہہ پوسٹ مہنداول ضلع بستی میں ۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ ابتدائی عربی و فارسی سے لے کر کافیہ تک مفتی نظام الدین صاحب کے ظل عاطفت میں دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا میں پڑھا، منتہی کتابوں کا درس دار العلوم منظر حق ٹانڈہ سے لیا اور وہیں سے درس نظامی کی تکمیل کر کے درجہ فضیلت کا امتحان پاس کیا۔

دار العلوم غوثیہ بیروا، بنکٹوا، کیوریا بازار ضلع گورکھپور میں فراغت کے بعد تدریسی سلسلہ شروع کیا، جب آپ وہاں گئے تھے تو اس وقت نہ تو مدرسہ کی کوئی مستقل عمارت تھی اور نہ کوئی خاص آمدنی! آپ نے جد وجہد کر کے

مدرسہ کو ترقی دی، یہ مدرسہ بدمذہبوں کی جھرمٹ میں ہے مگر اس کے باوجود آپ بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ تدریسی امور کے علاوہ وعظ و خطابت کا بھی شغل رکھتے ہیں۔

حضور شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند سے بیعت کا شرف حاصل ہے۔

مولانا مفتی قدرت اللہ رضوی

محمد قدرت اللہ رضوی نام، عارف تخلص، اور والد کا نام الحاج عطا محمد رضوی ہے ضلع بستی کی ایک تحصیل بانسی سے تین میل پچھم ایک چھوٹا سا گاؤں "پرسیا" ڈاکخانہ میٹھول بازار ہے۔ اس کے ایک متمول خاندان میں ولادت ہوئی تاریخ ولادت کا صحیح پتہ نہ چل سکا، البتہ سندوں پر مندرج سنہ ولادت ۱۵ر جولائی ۱۹۴۷ء ہے۔

آپ کے والد صاحب کا بمبئی میں کاروبار تھا چنانچہ بچپن ہی میں آپ کو وہ بمبئی لے گئے اور وہیں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ابتدا میں کچھ دنوں تک بائیکلہ کے پاس ہنس روڈ کے میونسپل بورڈ اردو اسکول میں تعلیم حاصل کرتے رہے، لیکن جب کولی واڑہ ٹانک بندر میں مستقل قیام ہوگیا تو ٹانک بندر کے میونسپل بورڈ اردو اسکول میں داخلہ لے لیا۔ دن کو اردو اسکول میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو ایک شبینہ اسکول میں عربی قواعد بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ چند ماہ میں پارہ عم ختم کرنے کے بعد جب قرآن شریف ناظرہ شروع کیا تو اسے ایک ہی ماہ میں ختم کرلیا۔ اردو اسکول میں بھی آپ درجہ دوم سے ترقی دے کر بہت جلد ہی درجہ سوم میں پہنچا دیئے گئے۔

مختصر یہ کہ اردو کی تعلیم درجہ پنجم تک آپ نے اسی اسکول میں حاصل کی اور ہمیشہ نمایاں کامیابی حاصل کرتے رہے۔ درجہ پنجم پڑھنے کے زمانہ ہی میں ایک شبینہ اسکول میں حضرت مولانا محمد معصوم مالیگانوی مرحوم سے فارسی کی تعلیم بھی شروع کردی، حضرت مولانا مرحوم کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ بہت جلد ہی راہی ملک بقا ہوگئے۔

درجہ پنجم پاس کرنے کے بعد فارسی کی مستقل تعلیم کے لئے "جامع محلہ دودھ بازار" کے ایک عربی اسکول میں داخل ہوئے تھے کہ حضرت مولانا محمد طیب

دانا پوری (مفتی جاورہ) کا سایہ نصیب ہوا اور ان سے فارسی کی پہلی، آمد نامہ فارسی کی دوسری اور گلستان کے چند ابواب پڑھے۔

بمبئی میں تعلیمی نقصان بہت ہوتا اس لئے آپ کے والد گرامی نے آپ کو مولانا اعجاز احمد خاں کے ہمراہ مدرسہ "تدریس الاسلام" بسڈیلہ بھیج دیا۔ وہاں تقریباً سال بھر رہ کر آپ نے گلستاں، بوستاں اور میزان الصرف کی تعلیم حاصل کی۔ پھر وطن سے تقریباً چھ میل ہی کے فاصلہ پر جب گھر والوں کو دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف کی خبر ملی تو آپ کو وہیں بھیجدیا۔

۱۳۷۶ھ میں فیض الرسول سے وابستہ ہو گئے۔ میزان الصرف سے تعلیم کا آغاز کیا اور سال فراغت ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء تک مستقل یہیں رہ گئے بلکہ مزید تعلیم کے لئے ۱۹۶۵ء میں بھی یہیں رہے اور یہیں سے یوپی بورڈ کے امتحانات (مولوی ۱۹۶۲ء، عالم ۱۹۶۳ء، فاضل ۱۹۶۵ء) بھی پاس کئے، اور بورڈ کے بقیہ امتحانات بعد میں پاس کئے۔

شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے، ان کی نگہ کرم ہی کا صدقہ تھا کہ آپ نے دور طالب علمی ہی میں بحیثیت معین المدرسین تفسیر مدارک، ملاحسن، شرح ہدایۃ الحکمۃ، جیسی اہم کتابیں پڑھائیں جو آپ کی علمی استعداد کی بین دلیل ہے۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد بریلی شریف حاضر ہو کر حضرت مولانا مفتی سید افضل حسین سے علم توقیت حاصل کیا اور پھر براؤں شریف واپس آ گئے۔

معقولات کی مزید تعلیم کے لئے مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی مصنف "سیرۃ المصطفیٰ" کی خدمت میں دار العلوم منظر حق ٹانڈہ پہنچے اور قاضی مبارک وغیرہ چند کتابیں ان سے پڑھیں، مدرسہ کا سال تمام ہوتے ہی حضرت کے ایماء پر منظر حق میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہو گیا اور تقریباً سات سال آپ نے وہاں بڑی محنت و جانفشانی کے ساتھ تعلیمی خدمات انجام دیں اور ساتھ ہی ساتھ بورڈ کے امتحانات

انے کی پوری ذمہ داری سنبھالے رہے۔

۲۱ر مئی ۱۹۷۳ء کو جب آپ منظر حق سے مستعفی ہو گئے تو کچھ دنوں وطن میں رہے پھر بمبئی چلے گئے، اور وہیں دار العلوم دیوان شاہ بھیونڈی کی تدریسی خدمات منظور کریں۔ معیاری طلبہ کی کمی کے باعث وہاں طبیعت نہیں لگ سکی اور تین ماہ کے اندر ہی مستعفی ہو گئے۔

جب حضرت مولانا اعظمی صاحب کو آپ کے مستعفی ہونے کی اطلاع ملی تو حضرت نے اراکین مدرسہ منظر حق سے گفتگو فرما کر ایک طالب علم کے ذریعہ آپ کی طلبی کا پیغام ارسال فرمایا۔ دوسری جانب حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی نے یہ خبر پا کر دار العلوم غریب نواز الہ آباد پہنچنے کے لئے اپنا حکم نامہ روانہ فرمایا لیکن قدیم ولی نعمت حضرت شیخ العلماء کی کشش اور مادر تعلیم کا جذبۂ خدمت غالب آیا اور تدریسی خدمت کے لئے آپ نے دار العلوم فیض الرسول کو ترجیح دی اور باقی دو جگہوں سے معذرت کر لی، اس طرح تقریباً نو سال مادر تعلیم سے جدا رہنے کے بعد ماہ نومبر ۱۹۷۴ء میں پھر فیض الرسول میں واپس آ گئے۔

دار العلوم فیض الرسول میں آپ کی تقرری سے دوسرے اساتذہ اور دیگر حضرات بے حد خوش تھے، حضرت شیخ العلماء آپ کی آمد سے بہت مسرور ہوئے، بسا اوقات ایسا ہوتا کہ جب تدریسی مشاغل سے فرصت پا کر آپ اپنے رفیق کار مولانا انجم عثمانی یا حضرت مولانا غلام عبد القادر علوی کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بہت مسرور ہوتے اور اپنے قریب بٹھاتے۔ ایک روز کچھ اسی طرح کی نشست میں فرمایا!

"آپ لوگوں کو دیکھ کر مجھے کچھ اس طرح مسرت ہوتی ہے جیسے کوئی بوڑھا کمزور باپ جب اپنے ہونہار اور خدمت گزار بیٹوں کو دیکھتا ہے تو جوشِ مسرت سے اس کا سینہ پھول جاتا ہے اور اظہار خوشی کے لئے اس کے پاس الفاظ بھی کم پڑ جاتے ہیں۔"

حضرت شیخ العلماء کی دعاؤں اور کرم فرمائیوں ہی کا صدقہ ہے کہ اس وقت دار العلوم فیض الرسول کی تدریسی خدمات کا گیارہواں سال ہے اور ساتھ ہی ساتھ افتار کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ آپ کی اس کارکردگی سے سبھی طلبا رو اراکین خوش ہیں۔

منظر حق ٹانڈہ کی طرح یہاں بھی الہ آباد بورڈ کے امتحانات کی ذمہ داری کا وافر حصہ آپ کے سر ہے۔ امتحان دلانے کے ساتھ آپ نے بھی ۱۹۷۰ء میں منشی، ۱۹۷۲ء میں کامل اور براؤں شریف پہنچ کر ۱۹۷۷ء میں فاضل ادب اور ۱۹۸۰ء میں فاضل معقولات کے امتحانات پاس کر لئے۔

درس و تدریس کے علاوہ تحریر و تقریر سے بھی مولانا موصوف کا گہرا ربط ہے، چنانچہ عربی کی مشہور کتاب "المجتنی" پر آپ نے حاشیہ لکھا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی سیرت و سوانح پر بھی آپ نے ایک کتاب ترتیب دی ہے (دونوں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں) ان کے علاوہ حج و زیارت کے موضوع پر ایک کتاب زیر ترتیب ہے، مزید چند ماہ سے ماہنامہ "فیض الرسول" کے لئے "جواہر القرآن" کے عنوان سے قرآن کی تفسیر لکھنا شروع کر دی ہے جو ماہ بماہ اس رسالے میں شائع ہوتی ہے۔ بہر حال موصوف کا تعلیم و تدریس، تالیف و تصنیف، وعظ و تقریر اور افتار سبھی سے گہرا ربط ہے۔

مولانا قمر الحسن قمر القادری

محمد قمر الحسن بن محمد اسحاق بن مولیٰ بخش انصاری۔ شجرۂ نسب سلسلہ بسلسلہ ایک عظیم شخصیت ولی کامل حضرت ضیار الدین عرف ہمت بابا علیہ الرحمۃ تک جن کا مزار مبارک موضع کیتھولیا ضلع بستی میں مرجع خلائق ہے ساتویں یا آٹھویں پشت میں مل جاتا ہے۔

موضع ڈنڑوا جو ضلع بستی کی بہت ہی مشہور و معروف تحصیل خلیل آباد میں واقع ہے۔ ایک دیندار گھرانے میں یکم اپریل ۱۹۵۵ء کو پیدا ہوئے۔
والدین چونکہ دیندار تھے اس لئے ان کی زندگی کا اثر ہونہار فرزند پر بھی واقع ہوا، ۷ سال کی عمر سے روزہ رکھنا شروع کیا تو پھر کبھی بھی ترک نہیں کیا۔ جب کچھ شعور بیدار ہوا تو رسم بسم اللہ شریف والد ہی نے ادا کرائی۔ پھر چند اسباق پڑھا کر گاؤں ہی کے مکتب میں پڑھنے کے لئے بٹھا دیا، اس وقت وہاں کے مدرس مولوی صحبت علی نے جو دیوریا لعل ضلع بستی کے تھے آپ کی صلاحیت دیکھ کر بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ تعلیم دی، پھر والد گرامی کی رائے کے مطابق ختم قرآن شریف کے بعد گاؤں کے قریب ہی موضع رائے پور چھپیا عرف ٹھوکا کے ہندی مدرسہ میں داخل کر دیا گیا لیکن آپ کی طبیعت میں ہندی اسکول سے اُنسیت پیدا نہ ہو سکی تو والد بزرگوار نے قریب کی مشہور درسگاہ دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ میں داخل کر دیا۔ یہاں حفظ کی رسم بسم اللہ مولانا حافظ عبد الشکور گیاوی نے ادا کرائی، حفظ جلد ہی مکمل کر لینے کے بعد مولوی کے کورس کی جانب مائل ہوئے اور اپنی ذہانت کی بنا پر تھوڑے عرصہ میں گلستاں، بوستاں، میزان الصرف پڑھنا شروع کیا تھا کہ چند وجوہ کی بنا پر اس مدرسہ کو چھوڑ کر انجمن معین الاسلام شہر بستی میں مصروف تعلیم ہو گئے لیکن چھ ماہ بعد تدریس الاسلام میں واپس آکر گلستاں وغیرہ پڑھنے ہی کے ساتھ مولوی کا امتحان دیا، جس میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے، پھر چند ماہ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ روناہی فیض آباد کا رخ کیا، وہاں انہوں نے عالم، کامل اور فاضل درس نظامی سال اول اس ادارے سے پاس کیا، اس کے علاوہ جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل کے امتحانات بھی دیئے۔ پھر بعد میں اساتذہ کی خصوصی عنایات سے مولانا محمد نعمان خاں کی ہدایت پر ہندوستان کی عظیم ترین درس گاہ "الجامعۃ الاشرفیہ"

مبارکپور میں داخلہ لیا اور وہیں فاضل درس نظامی کا کورس مکمل کر کے ۲۸ اپریل ۱۹۷۹ء کو سند و دستار فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ضلع بارہ بنکی کی ایک درسگاہ مدرسہ اہلسنت حشمت العلوم رام پور کٹرہ میں بحیثیت صدر المدرسین مقرر ہو گئے، تدریسی ذمہ داری اگرچہ آپ نے سنبھال لی تھی مگر طلب علم کا شوق دامن گیر رہا، چنانچہ وہاں سے سبکدوش ہو کر ۱۹۸۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے فارسی کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور سکنڈ پوزیشن کے ساتھ پاس کیا اور اسی دوران فاضل ادب اور فاضل دینیات کے امتحان بھی اچھے نمبروں سے پاس کئے۔

دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد میں بھی کچھ دنوں آپ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے ہیں اور اسی دوران اودھ یونیورسٹی فیض آباد سے اردو میں ایم۔ اے کیا اور یونیورسٹی میں پوزیشن حاصل کی۔ اس وقت مغربی بنگال کی سب سے بڑی درس گاہ دار العلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا موصوف نے کثیر اساتذہ سے کسب فیض کیا مگر جن اساتذہ کا آپ پر خصوصی کرم تھا ان کے اسماء یہ ہیں۔

مولانا مفتی عبد المنان صاحب مبارکپوری، مولانا محمد شفیع اعظمی، مولانا ضیاء المصطفیٰ گھوسوی، مولانا اعجاز احمد اعظمی، مولانا عبد اللہ خاں عزیزی، مولانا عبد الشکور گیاوی، مولانا محمد نعمان خاں اعظمی، مولانا شبیر حسن بستوی، مولانا یسین اختر اعظمی وغیرہم۔

مولانا قمر انتہائی ملنسار، زندہ دل، اور خوش مذاق انسان ہیں۔ شعر و سخن، تحریر و تقریر کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ راقم الحروف سے دوستانہ روابط ہیں، شاعرانہ ذوق رکھنے کی وجہ سے قمر تخلص کرتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے بیعت کا شرف حاصل ہے۔

ل

مولانا کاظم علی عزیزی

ابو الفتح محمد کاظم علی بن لعل محمد مقام دیوریالال ۱۹۳۲ء میں ایک متدین غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی، اور عربی، فارسی تعلیم کے لئے آپ نے دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ کا رخ کیا، وہاں داخلہ لینے کے بعد کچھ دنوں تعلیم حاصل کی اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں میرٹھ کی مشہور درس گاہ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میں حاضری دے کر چند ماہ صدر العلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی اور مولانا مبین الدین صاحب امروہوی سے اکتساب فیض کیا۔ دار العلوم اشرفیہ مبارکپور کا تعلیمی شہرہ اور حافظ ملت کے فیضان کرم کا چرچا سن کر شوق واضطراب نے میرٹھ سے اعظم گڑھ پہنچا دیا۔ دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لینے کے بعد حضور حافظ ملت کی شفقتوں اور عنایتوں نے اس قدر متاثر کیا کہ اب دوسری درس گاہ کی طرف دیکھنا تو کیا اپنا وطن مالوف بھی بھول گئے۔

بہر حال درس نظامی کی تکمیل حضرت ہی کے سایۂ کرم میں رہ کر حاصل کی۔ فراغت کے بعد بھی کچھ دنوں مزید تعلیم و تربیت کے لئے حضرت نے روک لیا، اور اپنے رفقائے درس حضرت مولانا بدر الدین احمد گورکھپوری ثم بستوی، حضرت مولانا صوفی نظام الدین اور حضرت مولانا سخاوت علی کی فراغت کے بعد یہ حضور حافظ ملت کی خدمت میں مزید رہے اور منقولات میں مکمل دسترس حاصل کی اور معقولات پر تو اپنے طبعی میلان کی وجہ سے زمانہ طالب علمی ہی میں حاوی ہو گئے تھے، اس طرح بلا شبہہ آپ جامع معقولات ومنقولات ہیں۔ مادر علمی دار العلوم اشرفیہ کے درو دیوار سے محبت والفت اور وہاں کے مشفق اساتذہ سے عقیدت آپ کے دل و دماغ میں ایسی رچی بسی ہوئی تھی کہ جدائی ایک صدمۂ جاں کاہ سے کم نہ تھی۔ خود بیان کرتے ہیں:-

.. قصبہ اتر ولہ ضلع گونڈہ کی چند مقتدر ہستیوں نے مدرسہ ضیاء الاسلام اترولہ کے لئے صدر مدرس کا مطالبہ کیا، اور حضور حافظ ملت کے یہاں درخواست پیش کی۔ حضرت کی نگاہِ انتخاب کاظم علی پر پڑی اور اترولہ جانے کا حکم صادر فرمایا، اس حکم کو سننے کے بعد اور حضور کے دامنِ کرم سے جدا ہونے کے تصور سے دل و دماغ پر کیا گزری اسے الفاظ کے قالب میں ڈھالا نہیں جاسکتا، بس ایسا لگ رہا تھا کہ ماں کی شفقت اور باپ کے پیار سے جدائی ہو رہی ہو، مادر علمی دار العلوم اشرفیہ کے چھوٹنے کا تصور اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے سایۂ کرم سے الگ ہونے کا احساس دل کو غمناک اور نگاہوں کو نمناک بنائے ہوئے تھا، حضرت کی درس گاہ سے دار العلوم اشرفیہ کے گیٹ تک جبرًا لایا گیا، ادھر اراکین ضیاء الاسلام اترولہ گیٹ پر سواری کے منتظر تھے اور رفیقِ محترم حضرت مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی پھولوں کا ہار گلے میں ڈالنے کے لئے آگے بڑھے اور طلباء اشرفیہ کی زبانوں پر وداعی ترانے گونج رہے تھے لیکن میرے دل میں عجیب اضطراب تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ کسی نے پاؤں کو زمین سے باندھ دیا ہے، قدم قدم پر حضور حافظ ملت کی محبت اور جملہ مشفق اساتذہ کی شفقت مانع بن جاتی تھی، کسی طرح اس مادر علمی اور حافظ ملت کے دامنِ کرم سے الگ ہونے کے لئے تیار نہ تھا۔ حافظ ملت کا یہ جملہ اب بھی ذہن و فکر پر پتھر کی طرح نقش ہے کتنا پیارا جملہ ہے ارشاد فرمایا ! "تم کو تبلیغ دین و سنیت کے لئے تیار کیا تھا، اب دین کو تمہاری تبلیغ کی ضرورت ہے اس لئے جاؤ"، یہ فرماکر حضور حافظ ملت نے سینۂ مبارک سے لگایا اور رخصت کیا۔ اہلِ مبارکپور میری بیقراری و اشکباری دیکھ کر حیران تھے کہ آخر کیا ہوگیا؟ اگر یہ مدرسہ سے نکالے جارہے ہیں تو اخراج کا یہ انداز تو نہیں ہوتا۔

غرضیکہ اسٹیشن پہنچ کر گاڑی پر سوار ہوا مگر ڈبہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر جب تک مبارکپور کے درخت نظر آتے رہے دیکھتا رہا۔ دوسرے دن اترولہ پہنچ گیا۔"

مولانا کاظم علی صاحب نے مدرسہ ضیاء الاسلام میں پوری محنت و تن دہی کے ساتھ دو سال تک تعلیم دی جس سے مدرسہ ضیاء الاسلام کا تعلیمی فروغ بھی خوب ہوا، آپ کی پیہم عرق ریزیوں کے پیش نظر مناظر اسلام حضرت مولانا عتیق الرحمن خاں صاحب ناظم انوار العلوم تلسی پور نے اپنے مدرسہ کے لیے حضور حافظ ملت سے درخواست کی اور درخواست منظور ہوگئی۔

۱۹۵۴ء میں انوار العلوم تلسی پور میں تشریف لائے اور یہاں بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب کی نیابت میں چار سال پڑھایا۔ ۱۹۵۷ء میں حضور حافظ ملت ہی کے ایماء پر انوار العلوم علیمیہ (جو محبوب الاولیاء الحاج شاہ تیغ علی علیہ الرحمۃ والرضوان کا قائم کردہ ہے) داموور پور بہار تشریف لے گئے۔ بانی ادارہ کی یہ دلی تمنا تھی کہ یہ ادارہ روز افزوں ترقی کرے اور اس ادارے کے تبلیغی مشن سے مذہب حق کی بھرپور نشر و اشاعت ہو، اس سلسلہ میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء جیسے مولانا محمد سلیمان صاحب اور مولانا احسان علی صاحب شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف کی خدمات حاصل کی گئیں مگر ان حضرات کو وہ جگہ راس نہ آئی جس کی بنا پر وہ حضرات واپس تشریف لے آئے۔ آپ کا بیان ہے کہ میں اپنی علالت کے سبب اس وقت خلیل آباد کے ایک اسپتال میں زیر علاج تھا کہ ناگاہ حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا حکم نامہ مع زاد راہ لیکر ایک صاحب پہنچے اور فرمایا کہ آپ انوار العلوم علیمیہ داموور پور فوراً چلے جائیں، وہاں کے ادارے کو فروغ دینا ہے اور بڑھتی ہوئی بدمذہبیت کا قلع قمع کرنا ہے۔ اس طرح آپ ۱۹۵۷ء میں داموور پور پہنچے۔

موصوف کا بیان ہے کہ اس وقت اگرچہ ادارہ ابتدائی منزل میں تھا

اور آب وہوا بھی اپنے لئے ناسازگار تھی تاہم حافظ ملت اور محبوب الاولیاء کے فیضانِ کرم سے مجھ ناچیز میں ہمت پیدا ہوگئی، انتہائی جانفشانیوں اور پیہم کوششوں اور بزرگوں کی دعاؤں کا یہ اثر ہوا کہ مدرسہ مخالفین کے ہنگاموں کے باوجود صوبہ بہار کی مرکزی درس گاہ اور دارالعلوم بن گیا اور علوم اسلامیہ کا اس قدر فروغ ہوا کہ بیس بیس تیس تیس باصلاحیت علماء حفاظ فارغ التحصیل ہو کر نکلنے لگے اور آپ کے انداز تدریس وتفہیم کا اس قدر شہرہ ہوا کہ دور دراز سے طلبا جوق درجوق آنے لگے حتی کہ داخلہ کی گنجائش نہ رہ گئی۔ کئی اہلِ علم حضرات نے ادارہ کے فروغ کو دیکھ کر آپ کو مبارکباد کے خطوط لکھے۔ بہر حال دارالعلوم علیمیہ داموردرپور کی ترقی اور وہاں سے سنیت کی اشاعت آج بھی آپ ہی کی مساعی جمیلہ کی یادگار ہے۔ وہاں آپ نے تقریباً پندرہ سال درس وتدریس میں گزارے۔

آپ کا بیان ہے کہ کثرت مشاغل اور عدیم الفرصتی نے مجھے نڈھال کر دیا تھا اور اسی دوران بھائی شمس الحق علیمی مرحوم وارکین مدرسہ علیمیہ جمداشاہی کا اصرار تھا کہ سیاح عالم حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب میرٹھی کی یادگار، مدرسہ علیمیہ جمداشاہی ضلع بستی کی ایک عظیم درس گاہ بنایا جائے، چنانچہ حضور حافظ ملت اور مولانا مشتاق احمد نظامی کے ایماء پر مدرسہ علیمیہ جمداشاہی حاضر ہوا۔ کوئی ایسا باضابطہ انتظام نہ تھا جس سے ادارہ کو فروغ دیا جاسکے مطبخ کا قیام عمل میں لاکر طلباء کا مستقل انتظام کر کے اس ادارہ کو سررشتہ تعلیم اترپردیش سے ملحق کرا کے مولوی، منشی، کا امتحان دلایا اور جلسۂ دستارفضیلت کا انعقاد بھی ہوا جس میں چند طلبہ سند فراغت سے بھی نوازے گئے کہ اچانک حضور حافظ ملت کے وصال پر ملال کی خبر جانکاہ ملی جس کی وجہ سے آپ کے دل ودماغ پر کافی اثر ہوا، اور شدید علالت میں مبتلا ہو کر بیٹھ گئے۔

دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ میں ایک شیخ الحدیث کی اشد ضرورت

تھی، اراکین دار العلوم نے آپ کو اس عہدے کی پیش کش کی، ان کے پیہم اصرار پر آپ تیار ہو گئے، وہاں پہنچ کر آپ نے باضابطہ منقولات و معقولات کی تعلیم دینی شروع کی، آپ ہی کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ آج بحمدہ تعالیٰ کثیر تعداد میں طلبہ علوم دین حاصل کرتے ہیں اور ہر سال مولوی، منشی، کامل، عالم، فاضل کے امتحانوں میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کرتے ہیں، فارغ التحصیل طلبہ دستار و سند فضیلت سے بھی نوازے جاتے ہیں۔

مولانا موصوف کو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے شرف بیعت و ارادت حاصل ہے علوم متداولہ پر یکساں عبور ہے مگر معقولات کے بڑے ہی دلدادہ ہیں، منطق و فلسفہ کی کتابیں جھوم جھوم کر پڑھاتے ہیں۔ کچھ فنون کے اندر تو موصوف ضلع بستی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ درس و تدریس مستقل شغل ہے۔ وقت ضرورت وعظ و خطابت کے پروگرام بھی کر لیتے ہیں۔

مولانا حافظ کریم بخش اشرفی

حضرت مولانا حافظ کریم بخش بن منٹھو بن نبھو قصبہ مہنداول کے قریب موضع املی ڈیہا میں غالباً ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم کی تفصیل تلاش بسیار کے بعد بھی نہ مل سکی، البتہ آپ نے ٹانڈہ میں تعلیم حاصل کی اور غالباً وہیں سے سند حفظ حاصل کی، اور درس نظامی کی منتہی کتابوں کا درس لیا۔

مولانا موصوف نے فراغت کے بعد دولت کدہ پر ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ حافظ محمد امین عرف نابینا حافظ، مناظر اسلام مولانا محمد ذکر اللہ رضوی حشمتی، ان کے برادر عزیز مولانا محمد محب اللہ آپ ہی کی درسگاہ کے فیض یافتہ ہیں۔ اس طرح آپ سے اکتساب علم کرنے والوں کی ایک لمبی

فہرست ہے۔ آج بھی آپ کی بارگاہ سے خوشہ چینی کرنے والوں میں سے چند حضرات موجود ہیں اور اپنی زندگی کے آخری ایام گزار رہے ہیں۔

مولانا کریم بخش انتہائی وضع دار پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے۔ رات کا آخری حصہ عبادت و ریاضت کے لئے وقف تھا۔ نماز فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، پھر طلبا کو درس دیتے، تلاوت قرآن پاک آپ کا محبوب مشغلہ تھا، جب بھی فرصت ملتی تلاوت قرآن میں مصروف ہو جاتے، ہفتہ میں کئی کئی ختم قرآن پڑھتے، آپ کے زہد و ریاضت کو دیکھ کر آپ کے دردولت پر ایک بھیڑ جمع ہونے لگی آپ حاجت مندوں کے گھر جاکر بھی دعائے خیر و برکت کرتے۔

مولانا کریم بخش کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ظاہری و باطنی دونوں خوبیوں سے آراستہ کیا تھا۔ تمام اعضاء بھرے بھرے، سینہ چوڑا، بڑی بڑی آنکھیں، دراز قد، کشادہ پیشانی، لمبی ناک ایک طرف قدرے جھکی جھکی، گندمی رنگ، صاف چہرہ،

جو باس آپ زیب تن فرماتے ان میں تہ بند، کرتا اور دو پلیہ ٹوپی سر سے چپکی ہوئی بطور خاص قابل ذکر ہے، پاؤں میں کھڑاؤں کا استعمال کرتے زندگی (جو ضلع بستی میں پرانے لوگ بطور خاص پہنتے تھے) وہ بھی آپ نے زیب تن کیا ہے، اس مخصوص لباس کی آستین کی لمبائی نصف کلائی تک اور لمبائی گھٹنے سے قدرے نیچے ہوتی تھی۔

مولانا موصوف درس و تدریس اپنا شغل رکھنے کے علاوہ خیاطت (درزی گیری) کا پیشہ بھی اپنائے ہوئے تھے، مولانا موصوف کا یہی پیشہ ذریعہ معاش تھا، اس زمانہ میں چونکہ سلائی کی مشین دستیاب نہ تھی اس لئے سلائی کا تمام کام ہاتھ سے کرتے تھے۔

زندگی کے آخری ایام میں آپ مرض دق کے شکار ہو گئے۔ ستر سال کی

عمر پاکر ۱۹۲۵ء میں آپ نے اسی مرض میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

حضرت مولانا کریم بخش کی بزرگی اور للّٰہیت کے بارے میں بزرگوں سے چند اقوال مروی ہیں جن میں سے دو کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا تفسیر القادری بستوی جو اسی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب صوفی عبدالرزاق گورکھپوری ہمارے یہاں تشریف لائے، رات کو قیام کیا، دوسرے دن صبح جب گاؤں کے قبرستان میں فاتحہ پڑھنے گئے تو کہنے لگے کہ "یہاں ایک صاحبِ دل آرام فرما ہیں جو صاحب علم اور صاحب فیض بھی تھے"۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اس گاؤں کے پورب گنج شہیداں ہے جہاں لاتعداد شہداء آرام فرما ہیں۔ حضرت صوفی صاحب کے اس قول کی تصدیق اس جگہ کے نشیب و فراز اور وہاں سے برآمد ہونے والی ٹھیکریوں سے ہوتی ہے۔

دوسرا واقعہ یاد علی ایم۔ اے، بی ایڈ کا ہے۔ ایک مرتبہ وہ کسی وجہ سے پریشان ہو کر قبرستان جاکر اس جگہ لیٹ گئے جہاں قبریں نہیں اور گرمیوں میں جہاں سایہ رہتا ہے، آنکھ لگتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ "کوئی صاحب آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اُجیرا آم کے درخت سے آٹھ قدم کے فاصلے پر مغرب جانب حافظ صاحب آرام فرما ہیں"۔ ان بزرگ نے یہ کہا اور ان کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ کیا۔

مولانا کفایت اللہ خان

متوسط قد، گندمی رنگ کا صاف چہرہ، دوہرا بدن، گول اُبھری ہوئی موزوں ناک، چھوٹی چمکتی آنکھیں، لباس میں سادگی، کردار میں بلندی، مزاج میں سنجیدگی، بزرگوں میں مؤدب، احباب میں دلچسپ، یہ ہیں مولانا محمد کفایت اللہ

خاں صاحب نعیمی بن محمد رئیس خاں۔

۳؍جنوری ۱۹۵۵ء کو اٹوابازار سے تقریباً ۸ کلومیٹر کی دوری پر مشرق کی جانب واقع ایک گاؤں موضع دھوبہی ضلع بستی میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم قریب کے ادارہ امداد العلوم موضع مٹھنا میں حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے لئے آپ کے والدگرامی زمانہ کے حالات کے پیش نظر آپ کو انگریزی تعلیم کی طرف بھیجنا چاہتے تھے مگر چونکہ آپ کا ذہن و دماغ پہلے ہی سے متدین تھا اس لئے آپ دینی علوم کی تحصیل کی طرف لگ گئے، اور حضرت مولانا زین العابدین شمسی کے زیر نگرانی امداد العلوم کے اندر ترمذی شریف تک کی تعلیم حاصل کی، پھر آپ دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم ندائے حق جلالپور فیض آباد تشریف لے گئے جہاں آپ نے حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب امجدی اور مولانا عبیدالرحمٰن صاحب بہاری کے ظل عاطفت میں رہ کر کورس کی تکمیل کی، اور ۱۹۷۶ء میں سند فضیلت تفویض ہوئی۔

۱۹۷۷ء میں حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب کے ایماء پر دارالعلوم ندائے حق اشرفیہ بڑھل گنج آکر خدمت دین میں مصروف ہو گئے، پھر ۱۹۸۰ء کے اوائل میں صدر العلوم بڑاگاؤں گونڈہ اور اسی سال کے اخیر یعنی ار نومبر ۱۹۸۰ء میں جامعہ انوار العلوم تلسی پور میں نائب صدر المدرسین ہو کر چلے آئے اور ابھی تک اسی عہدہ پر فائز ہو کر تبلیغ دین و مذہب میں سرگرم عمل ہیں۔

مولانا محمد کفایت اللہ صاحب استفادہ کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے، مولانا بخش اللہ صاحب صدر مدرس ندائے حق بڑھل گنج اور مولانا سید ظفر احمد مدرس صدر العلوم بڑاگاؤں گونڈہ آپ کے خصوصی شاگردوں میں ہیں۔ تعلیم ہی کے دوران شہزادۂ صدر الافاضل حضرت مولانا سید اختصاص الدین صاحب مرادآبادی کے دست حق پر بیعت کا شرف حاصل کیا ہے۔

مولانا کمال احمد رضوی

کمال احمد سرحد نیپال بڑھنی بازار سے تقریباً چار میل دکھن سمت موضع اکرہرا پوسٹ ڈھیرواتھانہ ضلع بستی ۱۹۳۲ء میں دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے مولانا موصوف مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ پورا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

کمال احمد بن مولانا عتیق الرحمٰن بن ضیاء اللہ بن امیر علی مرحوم۔

ابتدائی تعلیم درس نظامی کی متوسطات تک والد گرامی ہی کے زیر سایہ مدرسہ عتیقیہ تلسی پور میں رہ کر حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل الہ آباد میں حضرت مولانا نظام الدین الہ آبادی کی خدمت میں رہ کر کی، اور فن تجوید و قرأت کا درس قاری محب الدین صاحب سے لیا۔ ۱۹۵۴ء میں سند فضیلت اور سند قرأت دونوں سے سرفراز کئے گئے۔ مولانا ابوذر معانی سابق رجسٹرار سررشتہ تعلیم امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش الہ آباد آپ کے رفقائے درس میں ہوتے ہیں۔

دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف، دار العلوم فاروقیہ مدھ نگر گونڈہ اور مدرسہ چشمۂ رحمت اور نیشنل کالج غازیپور میں تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد اپنے والد کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ عتیقیہ تلسی پور کی ذمہ داری قبول کرلی، عرصۂ دراز تک وہاں پڑھایا۔ جب والد گرامی مولانا عتیق الرحمٰن صاحب وصال فرما گئے تو انھیں کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ فیض مصطفیٰ عتیقیہ جھجی نگر نیپال کے اراکین نے مرحوم کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آپ کا انتخاب کیا، موصوف نے اس مدرسہ میں والد صاحب کے ادھورے کام کو انتہائی جد وجہد کے ساتھ مکمل کرنے کی کوشش کی۔

زندگی نے وفا نہ کی، والد گرامی کی وفات کے کچھ ہی سال بعد خود بھی ۱۹۸۵ء

ہیں خدائے ذوالجلال کے جوار رحمت میں جا بسے اور والد گرامی کا مشن وہیں کا وہیں دھرا رہ گیا۔ مرحوم کے بڑے صاحبزادے جو دارالعلوم فاروقیہ مدھونگر میں استاذ ہیں نیابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مرحوم نے حضور مفتی اعظم ہند سے ۱۹۵۰ء میں بیعت کا شرف حاصل کیا۔

مرحوم کا حلیہ بھی والد صاحب ہی کی طرح تھا۔ مختصر لفظوں میں لمبا قد، دوہرا بدن، ستواں ناک، موٹی لمبی انگلیاں، گندمی رنگ کا صاف چمکتا چہرہ اور خوبصورت آنکھیں۔

موصوف اپنے والد صاحب مرحوم کے سچے جانشین تھے۔ علم و عمل، اور سیرت و کردار میں آپ ان سے کافی مشابہت رکھتے تھے۔

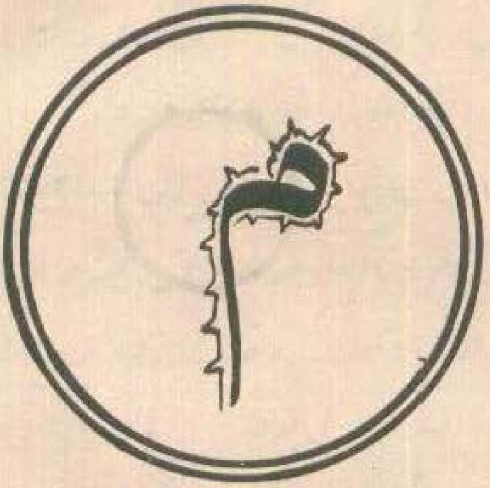

مولانا مجیب اللہ یار علوی

آپ موضع کٹھکپورہ پوسٹ ببھنی ضلع بستی میں پیدا ہوئے، ابتدائی
لیم گاؤں کے مکتب میں درجہ پنجم تک حاصل کرنے کے بعد علوم عربیہ کے حصول
لئے دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا میں داخلہ لیا۔ اور وہاں مولانا
فی نظام الدین جیسی بابرکت شخصیت کے زیر سایہ رہ کر ابتدائی عربی فارسی
شکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کی، درس نظامی کی تکمیل کے لئے الجامعۃ الاشرفیہ
ارکپور پہنچے، دو سال وہاں پڑھنے کے بعد ۱۹۷۱ء میں سند فضیلت
صل کی۔

بکری آراضی بستی میں جب آپ مدرس ہو کر پہنچے تو اس مدرسہ میں نہ
ہنے کی کوئی مستقل جگہ تھی اور نہ طلبا کی رہائش کا کوئی معقول انتظام۔ آتے ہی
یر کا جو سلسلہ شروع ہوا تو عرصہ تک چلتا رہا۔ اس وقت طلبا کی رہائش
لئے ایک شاندار عمارت موجود ہے، اور ادارہ روز افزوں ترقی کی راہ پر
مزن ہے۔

تدریس کے علاوہ اس علاقہ میں آپ تبلیغ مسلک حق کا فریضہ بھی انجام
رہے ہیں جس کی وجہ سے علاقے کے بہت سے لوگوں کو مسلک اہل سنت
امی اور شیدائی بنا دیا۔ آپ وہیں دس سال سے مدرسہ اہل سنت رضاء
اسلام میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شعیب الاولیاء حضرت شاہ صاحب سے شرف بیعت حاصل ہے۔

مولانا محمد مستقیم مصطفوی

پستہ قد، چوڑی ابھری پیشانی، سانولا رنگ، گول رعب دار چہرہ، اکہرا بدن، حلقہ بنائے ہوئے گول ابھری ہوئی ناک، گفتگو میں خود اعتمادی، لب و لہجہ میں متانت ان خصوصیات کے حامل ہیں مولانا محمد مستقیم صاحب مصطفوی بن رمضان علی بن عبد الرحمٰن بن عبد الکریم۔

سندوں پر مندرج تاریخ ولادت کے اعتبار سے ۱۲؍ فروری ۱۹۶۰ء میں اٹوا بازار کے شمالی جانب ۵ کلومیٹر کی دوری پر پوسٹ و مقام جگناد ھام ضلع بستی میں پیدا ہوئے۔ گھرانا بالکل ناخواندہ اور علوم و معارف سے ناآشنا تھا۔ آپ نے تعلیم دین متین کی تحصیل کی طرف توجہ دی اور اس میں کمال حاصل کیا۔ ابتدائی تعلیم نو برس کی عمر تک اپنے قریہ مدرسہ شمس العلوم پٹنہ میں حاصل کی، پرائمری کی تکمیل کے بعد معراج العلوم بھدوکھر بازار میں داخل ہو گئے۔ حضرت مولانا طفیل احمد صاحب حشمتی اور دوسرے خلیق اساتذہ کی سرپرستی میں ابتدائی فارسی کتابوں کی تعلیم حاصل کر ہی رہے تھے کہ ناگاہ ایک حادثہ کی وجہ سے اس مدرسہ کو خیرباد کہہ کر مدرسہ ضیاء الاسلام اترولہ چلے گئے۔ جہاں مولانا عزیز الحسن صاحب جیسے مشفق استاذ کا سایہ نصیب ہوا۔ ابتدائی عربی کتابیں جیسے نحومیر پنج گنج، قلیوبی، وغیرہ مولانا اعظمی ہی کے زیر سایہ رہ کر پڑھیں، مگر وہاں کا ماحول شہری اور مولانا دیہاتی اس لئے مزاج میں ہم آہنگی نہ ہونے پائی بالآخر ضلع بستی کی مرکزی درس گاہ فیض الرسول براؤں شریف چلے آئے اور یہاں مسلسل چھ سال رہ کر اساتذۂ دار العلوم کی صحبت بابرکت میں رہ کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور ۲۲؍ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں علماء کے مقدس جھرمٹ میں عرس یار علوی اور سالانہ جلسۂ دستار فضیلت کی

تقریب کے موقعہ پر علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی کے ہاتھوں سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مزید تحصیل علم کا جذبہ انگڑائیاں لیتا رہا مگر زمانہ نے وفا نہ کی، کچھ دنوں اساتذۂ دار العلوم کی خدمت میں رہے اور علمی تشنگی بجھائی پھر اراکین معراج العلوم بھدو کھر بازار کے پیہم اصرار پر نائب صدر عالیہ کی حیثیت سے ۸ر اپریل ۱۹۸۳ء میں دار العلوم معراج العلوم چلے آئے اور عرصہ تک وہیں محنت ولگن کے ساتھ علم دینِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ واشاعت میں سرگرمِ عمل رہے ۔ اس وقت دار العلوم مسکینیہ دھوراجی گجرات میں مدرس ہیں۔

مولانا محمد مستقیم تمام علوم مروجہ متداولہ بڑی توجہ سے پڑھاتے ہیں، کسی ایک فن کے ساتھ اپنے کو محدود رکھنا عیب تصور کرتے ہیں۔ یہ علم دوستی ہی کا ثمرہ ہے کہ الہ آباد بورڈ کے اکثر امتحانات میں اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی ہے، اور بوقت ضرورت تقریر وتحریر کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں کا ثبوت پیش کیا ہے۔

مولانا محمد مستقیم صاحب کو شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہے جن کی طرف منسوب کرکے اپنے نام کے ساتھ مصطفوی لکھتے ہیں۔

مولانا محمد مستقیم قادری

پستہ قد، ستواں ناک، سانولے رنگ کا چہرہ، اکہرا بدن، چمکتی آنکھیں، گفتگو میں متانت، بلند حوصلہ، یہ ہیں مولانا محمد مستقیم قادری کامل تنویری بن شاہ سرتاج علی بن دریاؤ شاہ۔

مقام بڑھنی پوسٹ کٹھو تیا عالم، ہلور ضلع بستی میں ۱۲ر دسمبر ۱۹۶۱ء کو ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب ہی میں حاصل کی۔ درجۂ پرائمری

اور ابتدائی فارسی کی چند کتابیں مدرسہ عربیہ سراج العلوم بسڈیلہ میں داخل ہوکر مولانا سبیل احمد صاحب سے پڑھیں، درسِ نظامی کی تکمیل کے لئے دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا چلے گئے۔ جہاں آپ نے انتہائی انہماک کے ساتھ مفتی نظام الدین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم تنویر الاسلام، مولانا نعیم الدین گورکھپوری اور مولانا عنایت احمد گونڈوی کے زیر سایہ رہ کر حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول کی منتہی کتابیں پڑھیں، اور ۱۹۷۹ء میں سالانہ جلسہ دستار فضیلت کے موقعہ پر مقتدر علماء کے ہاتھوں سند و دستار حاصل کی۔

تدریسی فرائض کی انجام دہی کے لئے اساتذہ کے ایماء پر مدرسہ صدر العلوم سوابازار چلے آئے، تین سال آپ نے باضابطہ وہاں رہ کر تعلیم دی پھر مستعفی ہو کر مدرسہ اظہر العلوم پرساشیخ آگئے جہاں آپنے صرف ۶ ماہ تعلیم دی۔ اس وقت آپ مدرسہ نور العلوم ٹنڈوا میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے میں مصروف ہیں۔

مولانا محمد مستقیم صاحب ادبی ذوق رکھتے ہیں، شعر و شاعری سے بھی دلچسپی ہے۔ کامل تنویری تخلص فرماتے ہیں۔ ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کانپور، تاجدار کائنات رامپور اور فیض الرسول براؤں شریف میں آپ کے مضامین اور نعتیہ کلام چھپ کر مقبول عام و خاص ہو چکے ہیں۔

مولانا محمد مستقیم صاحب فن خطابت سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ قرب و جوار اور بمبئی میں بھی خطابت کے سلسلہ میں جایا کرتے ہیں۔ عوام میں اسی فن سے وابستگی کی بنیاد پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔

مولانا معین الحق علیمی

متوسط قد، خندہ پیشانی، خوبصورت مسکراتا ہوا چہرہ، لمبے ہاتھ، منکسر المزاج، متواضع، انتہائی خلیق، مزاج شاہانہ، گفتگو حکیمانہ، بزرگوں

میں نیاز مند، احباب میں خنداں و فرحاں، چمکتی آنکھیں، آرام طلب!
یہ ہیں مولانا معین الحق علیمی بن شمس الحق علیمی بن باب اللہ بن عبد الرحیم۔

سندوں پر مندرج تاریخ کے اعتبار سے ۱۵ر مارچ ۱۹۵۹ء میں پوسٹ و مقام جمدا شاہی ضلع بستی میں ولادت ہوئی۔ والد گرامی بزرگانِ دین کے بیحد عقیدت مند تھے اس لئے بیٹے کا پیدائشی نام نذر خواجہ معین الدین رکھا، میں علامہ مشتاق احمد نظامی نے معین الحق تجویز فرمایا۔

ابتدائی تعلیم کمنی کے عالم میں گاؤں کے مکتب میں منشی غریب اللہ فاروقی سے حاصل کی۔ ۱۹۶۸ء میں دار العلوم محمدیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں مولانا سید حامد اشرف اور مولانا شمیم اشرف ازہری کی سرپرستی میں شرح جامی تک باضابطہ تعلیم پائی۔

بمبئی میں آپ کے والد گرامی تجارت کرتے تھے۔ معاشی حالت بہتر تھی، دین و علم سے محبت کے باعث وہ اپنے بیٹے کو ایک بہترین عالم بنانے کی تمنا رکھتے تھے۔ جب دار العلوم محمدیہ میں شرح جامی تک تعلیم ہو گئی تو ۱۹۷۳ء میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے سپرد کر کے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور روانہ کر دیا، جہاں وہ مفتی عبد المنان صاحب کے مکان کو وطن ثانی قرار دے کر دوسرے صاحبزادوں کی طرح رہنے لگے۔ جب راقم السطور نومبر ۱۹۷۴ء میں الجامعۃ الاشرفیہ میں داخل ہوا تو مولانا معین الحق صاحب کی رفاقت حاصل ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ رہ کر درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا اخلاق و کردار کے دھنی ہیں۔

مولانا معین الحق صاحب نے باضابطہ مفتی عبد المنان صاحب، مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب سے کتبِ حدیث، مولانا عبد الشکور صاحب سے منطق و اصول فقہ، مولانا عبد اللہ صاحب سے تفسیر مدارک، مولانا اسرار احمد صاحب سے فقہ، مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا یسین اختر اعظمی سے عربی ادب کی تعلیم حاصل کی۔

راقم السطور کے ہمراہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے بھی تبرکاً شرح جامی بحث فعل

کے چند اسباق پڑھنے کا شرف حاصل ہے، اس مناسبت سے ہماری جماعت کو حضور حافظ ملت کی آخری شاگردی کا سہرا باندھا جائے تو بجا ہے۔ ۲۸ اپریل ۱۹۷۸ء میں عرس عزیزی کے موقعہ پر دستار بندی ہوئی اور تعلیمی سال ۱۹۷۹ء کے اختتام پر سند تفویض کی گئی۔

مولانا معین الحق صاحب ذکی الطبع اور باصلاحیت انسان ہیں، تمام علوم مروجہ متداولہ میں یکساں معلومات رکھتے ہیں۔ عربی ادب سے گہری وابستگی ہے ۱۹۷۹ء فاضل ادب کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہونا عربی ادب کی عمدہ استعداد ہی کا ثمرہ ہے۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد مزید حصول علم کا جذبہ انگڑائیاں لیتا رہا، جامعۃ الازہر میں داخلہ لیکر مزید تعلیم کا جذبہ تھا مگر حالات سازگار نہ ہوئے بالآخر آپ نے اپنے آبائی پیشہ تجارت کو اپنایا اور آجکل اپنے والد گرامی کا قائم کردہ علیمی دربار ہوٹل مصطفی بازار بمبئی میں چلا رہے ہیں۔

مولانا معین الحق صاحب کے دل میں دینی حمیت بے حد موجود ہے، مذہبی امور سے دلچسپی اور دینی مدارس کا تعاون اس کا واضح ثبوت ہے۔ جمداشاہی کا دارالعلوم علیمیہ جسے ان کے والد گرامی شمس الحق علیمی مرحوم نے اپنے مرشد مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی طرف منسوب کرکے قائم کیا تھا مولانا معین الحق اسے بحسن وخوبی چلا رہے ہیں اس کے علاوہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے خاص معاونین میں بھی شمار کئے جاتے ہیں اور ماہنامہ حجاز جدید دہلی کے مجلس ادارت میں بھی ہیں۔

مولانا معظم علی قادری

مولانا معظم علی قادری بن شکر اللہ بن علی بخش مقام املی ڈیہا پوسٹ مہنداول ضلع بستی یوپی میں ۱۹۵۱ء میں پیدا ہوئے۔

گھرانا چونکہ پڑھا لکھا تھا اس لئے والد گرامی ہی کے زیر سایہ ختم قرآن پاک کیا اور معمولی اردو کی تعلیم حاصل کی۔ پرائمری درجات درجہ چہارم تک مدرسہ فیض الاسلام مہنداول سے پاس کئے، فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم سے لیکر عالمیت تک تنویر الاسلام امرڈوبھا میں پڑھا۔ دو سال کامل بریلی شریف منظر اسلام میں رہے اور وہیں درس نظامی کی تکمیل کر کے ۱۹۶۷ء میں سند فضیلت حاصل کی دستار دسند سے نوازے گئے۔

معین الاسلام قصبہ لوہرسن بازار میں ۴ سال اور مدرسہ فیض الاسلام میں ۴ سال حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کی نیابت میں تدریسی خدمات انجام دیئے، مدرسہ عربیہ اہلسنت کٹھیرا اور الجامعۃ السبحانیہ تنہواں میں بھی طالبان علوم کو بادۂ علم دین سے سیراب کر چکے ہیں، اس وقت مؤخرالذکر ادارہ میں تین سال سے زائد عرصہ سے درس و تدریس میں مصروف ہیں۔

مولانا منصور احمد

منصور احمد بن ظہور احمد قصبہ لال گنج ضلع بستی میں ۳؍ مارچ ۱۹۵۹ء میں ولادت ہوئی۔

قصبہ لال گنج ہی میں پرائمری درجات کی تکمیل کی، درس نظامی پڑھنے کے لئے دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۵ء میں وہاں سے منشی کا امتحان پاس کیا، اور متوسطات تک کتابیں بھی پڑھیں۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ قصبہ روناہی ضلع فیض آباد سے وابستہ ہو گئے اور وہاں کے اساتذۂ کرام سے درس نظامیہ وعالیہ کی تکمیل کی۔ ۱۰؍ شعبان المعظم مطابق ۱۷؍ جولائی ۱۹۷۸ء کو علمائے کرام کے مقدس ہاتھوں سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ الہ آباد بورڈ سے عالم و فاضل اور جامعہ اردو سے ادیب ماہر

کے امتحانات بھی پاس کئے، آج کل سررشتۂ تعلیم اتر پردیش سے منظور شدہ مدرسہ معراج العلوم شہر فیض آباد میں صدارت کے منصب پر فائز ہوکر بڑی گرمجوشی کیساتھ خدمتِ دین انجام دے رہے ہیں۔

مدرسہ کے معاملے میں دشمنانِ دین نے آپ کو بہت پریشان کیا۔ آپ کے اور ارکین مدرسہ کے خلاف مقدمہ دائر کردیا مگر جیسا کہ حق ہرجگہ بلند رہتا ہے یہاں بھی سربلند رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں نے خود مقدمہ اٹھالیا اور سرخم کردیا عوام میں واعظ اور نعت خواں کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند کے دست حق پرست پر بیعت ہیں۔

مولانا منور حسین عزیزی

محمد منور حسین عزیزی بن حبیب اللہ بن شاہ محمد مرحوم تحصیل بانسی کے مشرقی مائل بہ جنوبی سمت موضع جھراؤں پوسٹ سوڈانٹر ضلع بستی جولائی ۱۹۵۷ء میں ایک دیندار گھرانہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے دادا شاہ محمد صاحب سے حاصل کی، پھر فارسی پڑھنے کے لئے مدرسہ مظہر العلوم موضع کنونا ضلع بستی چلے گئے، وہاں ایک سال رہنے کے بعد دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا سے منسلک ہوگئے۔ حضرت مولانا سخاوت علی اور مولانا صوفی نظام الدین جیسی محترم شخصیتوں کی شاگردی اختیار کی، مروجہ نصاب کی تکمیل کے بعد اساتذہ کے ایماء پر مبارکپور اعظم گڑھ پہنچ کر الجامعۃ الاشرفیہ میں داخلہ لیکر توجہ اور انہماک کے ساتھ طلب علم میں لگ گئے۔ دو سال رہ کر درسِ نظامیہ کی تکمیل کی اور ۱۹۷۵ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ہتھیا داں گورکھپور میں مدرسہ غوث الاسلام کی بنیاد

ڈالی اور اسے فروغ دیا۔ اس کے علاوہ ریاض العلوم موضع سکھر ضلع بستی، مدرسہ شمس العلوم مہند و پار ضلع بستی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں

مؤخر الذکر مدرسہ کی نشأۃ ثانیہ کی، یہ مدرسہ کسی اختلاف کے سبب بند ہوگیا تھا۔ سنہ ۱۹۷۹ء میں دار العلوم امداد العلوم مٹھنا میں تدریسی فرائض انجام دیئے

اپنے وطن مالوف کے مدرسہ عزیزیہ ضیاء الاسلام کی ادارت و نظامت آپ کا ذمہ ہے، روز و شب اسی ادارہ کو ترقی دینے کی تدبیر کرتے رہتے ہیں، قرب و جوار میں مدرسہ کی نظامت شہرت کا سبب ہے۔

سررشتۂ تعلیم اتر پردیش کے اکثر امتحان میں شرکت کر کے کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ علوم متداولہ میں حدیث، فقہ، اصول فقہ سے گہرا لگاؤ ہے۔ اردو ادب سے بھی اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ افسانے اور غزلیں رسائل و جرائد میں چھپ چکے ہیں، صحافت گوئی مخصوص میدان ہے۔

ن

مولانا نثار احمد عزیزی

نثار احمد بن محبت علی موضع بسڈیلہ پوسٹ چاپیکلاں ضلع بستی میں ۲۵/ جنوری ۱۹۴۳ء کو ایک ترک خاندان میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے ایک مکتب میں حاصل کی۔ عربی و فارسی دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ میں پڑھی، متوسطات کی تعلیم کے لئے مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اعظم گڑھ پہنچے۔ وہاں مولانا اعجاز احمد مبارکپوری کی شاگردی اختیار کی۔ دو سال بعد دار العلوم اشرفیہ میں داخل ہو کر حضور حافظ ملت اور مولانا عبدالرؤف صاحب بلیاوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور وہیں سے درس نظامی کی تکمیل کر کے ۹ شعبان ۱۳۸۵ھ میں سند فضیلت حاصل کی۔

تدریسی خدمات کی ابتدا مدرسہ ضیاء الاسلام ادری اعظمگڑھ سے ہوئی، کچھ دنوں بچلول بازار ضلع گورکھپور میں بھی طالبان علوم نبوت کی تعلیم و تربیت کی مساعی جمیلہ کرتے رہے۔ پھر انجمن اسلامیہ ضلع بستی میں چند ماہ رہ کر موضع "بڑھیا" ضلع گونڈہ تدریس کی غرض سے جا پہنچے۔ وہاں آپ کی منکسر المزاجی و بردباری سے طلبہ اور عوام سبھی متاثر ہوئے، تدریسی خدمات میں آپنے ایک مخصوص مقام بنا لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ میں آپ کو بلا لیا گیا۔ اس وقت مؤخر الذکر ادارہ میں رہ کر تدریسی خدمات کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں عالم کا امتحان دے کر کامیابی حاصل کی۔

ویسے تو عموماً خود نمائی شہرت کا سبب بننے میں کسی قدر دخیل ہوا کرتی ہے مگر آپ اس سے بہت دور ہیں، یعنی "من" کی دنیا میں ڈوب کر سراغ زندگی پانے کی کوشش سے اتنی مہلت ہی نہیں جو اس سطحیت کا مظاہرہ کر سکیں، اسی وجہ سے کسی حد تک گمنامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں تاہم ارباب

بصیرت سے آپ کی شخصیت پوشیدہ نہیں ہے۔

حضور حافظ ملت سے شرفِ بیعت حاصل ہے اس لئے عزیزی نسبت اور شعر و سخن میں دلچسپی رکھنے کے ناطے نثار تخلص فرماتے ہیں۔

مولانا نظام الدین بستوی

نظام الدین صاحب یکم جولائی ۱۹۵۷ء بمقام کساری نزد بسڈیلہ اپنے ننہال میں پیدا ہوئے والد کا نام حمید اللہ ہے جو بفضلہ تعالیٰ تادم تحریر بقید حیات ہیں۔ پانچ سال کی عمر میں گاؤں ہی کے مولوی دلدار صاحب نے رسم بسم اللہ خوانی کرائی اور بڑی محنت اور توجہ سے مکتب کی تعلیم دی، پھر میلانِ طبع کے پیش نظر والد ماجد نے بستی کی معروف و مشہور درس گاہ تدریس الاسلام بسڈیلہ میں داخل کر دیا جہاں آپ نے مولانا اعجاز احمد ادروی، مولانا عبد الشکور گیاوی، مولانا محمد نعمان خاں اور مولانا محمد یوسف سے متوسطات تک تعلیم حاصل کی، اسی دوران مولانا انور علی سے ملاقات ہوئی جو دار العلوم برکاتیہ گہرہ ضلع بستی میں بزم علم و ادب کی زینت بنے ہوئے تھے ان کے اخلاق و مروت نے دار العلوم برکاتیہ میں کھینچ لیا۔ ایک سال کا عرصہ گزارنے کے بعد آپ مدرسہ مسعود العلوم چھوٹی تکیہ، بہرائچ تشریف لے گئے، اور سال مکمل کرنے کے بعد فیض آباد رونا ہی کی درس گاہ جامعہ اسلامیہ چلے آئے اور وہیں تعلیم کی تکمیل کی اور مدرسہ فیض العلوم بخشی پورہ بہرائچ صدر مدرسی کے عہدہ پر فائز ہو کر بہرائچ چلے آئے، چند ماہ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ احباب اور خصوصاً مولانا بدر القادری مصباحی کے اصرار اور مشورے سے فیض العلوم کو خیر باد کہا اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لیکر دورۂ حدیث میں شرکت کی اور سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

اشرفیہ سے فراغت کے بعد پھر تدریس کا کام باضابطہ شروع کیا، اور

قصبہ سدھور ضلع بارہ بنکی کی درسگاہ دار العلوم بحر العلوم سدھور میں دو سال تک درس دیا، اسی زمانہ میں باقتضائے حالات آپ نے "انجمن رضائے مصطفےٰ" قائم کی اور نوجوانانِ نو کو منظم کر کے نہایت حکیمانہ انداز میں انھیں تعمیر ملت کے رخ پر لگایا آپ جب تک سدھور میں رہے اس انجمن کی قیادت فرماتے رہے اور اس انجمن کے ذریعہ اسلام و سنیت کی ہر طرح خدمت کی پھر آب و دانہ کھینچ کر بمبئی لایا اور اب تقریباً چار سال سے مدرسہ حنفیہ قلابہ بمبئی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور اسی مدرسہ کی ملحقہ مسجد "حنفیہ" میں خطیب و امام بھی ہیں۔

مولانا نظام بستوی باضابطہ مشاعروں میں شرکت تو نہیں کرتے البتہ تسکینِ قلب کے لئے عمدہ اشعار کہہ لیتے ہیں۔ احباب کی نجی محفلوں میں اشعار پڑھ کر سنانا اور شاعرانہ ذوق کی تسکین فراہم کرنا محبوب مشغلہ ہے۔

آپ کا مجموعۂ کلام "افکار نظام" کے نام سے جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار سے شعر و شاعری سے آپ کے ربط و تعلق اور زبان و بیان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

محبت کی بے تابیاں کہہ رہی ہیں ۔۔۔ سکوں بس ملیگا مدینے کے اندر

یاد آرہی ہے ساقیٔ کوثر کی چشم ناز ۔۔۔ لطف آرہا ہے مجھ کو شراب طہور کا
جب دل میں ہے تصورِ سرکار سر گھڑی ۔۔۔ پھر کیا سوال اٹھتا ہے نزدیک و دور کا

مولانا صوفی نظام الدین رضوی

محمد نظام الدین بن نصیب اللہ بن یعقوب علی بن محمد اسحٰق ۔ اجیار تپہ کے مشہور و معروف گاؤں "اگیا" میں ۱۵؍ جنوری ۱۹۲۸ء کو ترک گھرانے میں

ولادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے ایک مکتب میں حاصل کی۔ قرآن مجید اور چند فارسی ابتدائی کتابیں دوسرے مکتب فکر کے ادارہ میں پڑھیں۔ بستڈیہ میں دار العلوم تدریس الاسلام کا قیام عمل میں آتے ہی اس میں داخلہ لیا اور مولانا محمد فاروق احمد فیض آبادی جو اس ادارے کے مدرس اول تھے اُن سے میزان سے شرح جامی تک اور فقہ میں شرح وقایہ تک پڑھا۔ ابتدائے درس ہی سے مولانا کاظم علی صاحب (موجودہ شیخ الحدیث تدریس الاسلام) مولانا سخاوت علی خاں (سابق شیخ الحدیث تنویر الاسلام امرڈوبھا) کی معیت حاصل رہی پھر ۱۹۴۷ء میں انھیں دونوں حضرات کے ساتھ مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ پہنچے۔ وہاں داخلہ لینے کے بعد خوش قسمتی سے حضرت مولانا غلام جیلانی مصنف بشیر القاری فی شرح البخاری۔ مولانا الحاج مبین الدین امروہوی کی نگرانی میں حصول علم کا موقع ملا۔ وہاں ایک سال اکتساب علم کرنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارکپور سے وابستہ ہو گئے۔ چار سال کی قلیل مدت میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ، مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی، مولانا الحاج عبد المصطفیٰ اعظمی، شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اور دیگر ذی وقار اساتذہ سے معقولات و منقولات کی تکمیل کی۔ ۱۹۵۲ء میں آپ کو سند فضیلت تفویض ہوئی۔

مولانا علی احمد صاحب مبارکپوری جنھیں دار الاقامہ کی نگرانی سپرد کی گئی تھی آپ کے متعلق فرماتے ہیں۔

"پورے تعلیمی دور میں صبح سویرے طلبا کو بیدار کرتا تھا مگر جب بھی گیٹ کھولتا تو مولانا نظام الدین بستوی کو یا تو وضو سے فارغ پاتا یا وضو کے لئے جاتے دیکھتا۔"

فراغت کے بعد قصبہ ہنداول ضلع بستی میں مدرس ہو کر آئے کچھ دنوں

آپ نے وہاں سلسلہ تدریس جاری رکھا مگر مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی اور مولانا مبین الدین امروہوی کے ایما پر دار العلوم شاہ عالم احمد آباد تشریف لے گئے۔ لگاتار ۵ سال وہاں تدریس کا کام انجام دیا۔ آپ کا بیان ہے کہ "عاشق رسول اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے فقیر کے دل میں جو ایک والہانہ عقیدت پیدا ہوئی یہ حضرت مولانا مبین الدین امروہوی مدظلہ کی دین ہے۔"

اسی پانچ سالہ قیام میں حضرت ہی کی بارگاہ سے یہ ذہن بھی ملا کہ جو باتیں بیان کی جائیں وہ حوالہ کے ساتھ بیان کی جائیں۔ کیونکہ مولانا مبین الدین صاحب کا یہ دستور تھا کہ جو باتیں وہ بیان کرتے اُسے فوراً کھول کر دکھا دیتے تھے، یہ انھیں کے فیض تربیت کا ثمرہ ہے کہ آج حضور اعلیٰ حضرت کے اشعار جو کسی حدیث یا آیت قرآنیہ یا بزرگوں کے اقوال کے ترجمان ہیں انھیں مدلل بیان کرنے جاتا ہوں۔

فیض العلوم قصبہ ہنداول میں بھی آپ نے تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ مولانا محمد ادریس صاحب نائب ناظم الجامعۃ الاشرفیہ نے آپ سے اسی ادارہ میں شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔

ضلع گونڈہ میں پچپڑوا بازار کے قریب ہی موضع بشنپور ٹنٹنوا کے ایک صوفی عبد المجید صاحب جو ان دنوں دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا بازار میں مدرس تھے ان کا بیان ہے:

"میں ضلع بستی میں ایک عالم کی شہرت سُن کر انھیں اپنے ادارہ کے لئے لینے گیا ابھی اس جگہ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ راستہ ہی میں مدرسہ فیض الاسلام ہنداول کے اراکین اور ایک عالم دین کو باہم گفت و شنید کرتے دیکھا تو میں سلام کرکے ایک کنارے بیٹھ گیا ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اس عالم دین کے لب و لہجہ اور انداز گفتگو میں ایک مقناطیسی اثر دیکھا جس نے میرے ذہن و فکر پر مسلط ہو کر مجھے اسیر کر لیا اب میرا ارادہ بالکل بدل

گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ فیض رحمانیہ کے اراکین نے جس عالم کے لئے مجھے بھیجا ہے اب وہاں نہ جاؤں گا بلکہ جیسے بھی ہو اس نورانی شکل وصورت والے عالم دین ہی کو لے کر جاؤں گا۔ تھوڑی گفتگو کے بعد ”مَنْ جَدَّ وَجَدَ“ کے پیش نظر صوفی عبدالمجید صاحب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اس کے بعد تقریباً ۱۹۵۹ء یا ۱۹۶۰ء میں آپ بحیثیت صدر المدرسین دار العلوم فیض رحمانیہ پچپڑوا بازار تشریف لائے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں سے طالبان علوم اسلامیہ کو اپنے ظاہری و باطنی فیوض سے مسلسل چار سال تک فیض یاب کرتے رہے پھر اچانک مرکز سنیت بریلی شریف سے آپ کے مشفق استاذ مولانا مبین الدین صاحب کا حکم نامہ آ پہونچا کہ بریلی شریف کی عظیم درسگاہ کی خدمت قبول کرتے ہوئے فوراً آجاؤ، اور ادھر سے ہمدرس رفیق مولینا سخاوت علی صاحب دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا نے بذریعہ خط شدید اصرار کیا کہ ”فروغ علوم نبوت میں میری معاونت کیجئے“۔ چونکہ موصوف کے سامنے ایک کشمکش کی صورت پیدا ہو گئی تھی اس لئے اپنے استاذ گرامی کی خدمت میں صورت حال تحریر کرتے ہوئے فیصلہ چاہا۔ مولانا مبین الدین صاحب نے ان کے دیرینہ باہمی روابط کے پیش نظر اجازت مرحمت فرمائی، چنانچہ آپ ۱۴ اپریل ۱۹۶۳ء میں دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا پہنچے اور مولانا سخاوت علی کی نیابت میں انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ اشاعت علوم اسلامیہ میں سرگرم عمل ہو گئے۔ تشنگان علوم سیکڑوں کی تعداد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درس قرآن وحدیث لیتے ہیں، اور یوپی بورڈ سے ملحقہ امتحانات مولوی، منشی، کامل، عالم، فاضل میں کثرت سے شرکت کرتے ہیں۔ کچھ نامساعد حالات کے پیش نظر جب مولانا سخاوت علی کو تدریسی خدمات سے سبکدوش ہونا پڑا تو دار العلوم کے ارباب حل وعقد کے پیہم اصرار پر منصب صدارت اور شیخ الحدیث کے عہدہ کو سنبھالنا پڑا۔ آج بھی اسی شان و شوکت کے ساتھ اس فریضہ کو بحسن

وخوبی انجام دیتے ہیں۔ تمام مخلص مدرسین اور معاونین کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ ہر سال رسم دستار فضیلت ادا کی جاتی ہے اور طلبہ فارغ التحصیل ہو کر علوم حقہ کی اشاعت وترویج میں لگ جاتے ہیں۔

آپ کی شخصیت ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ بحمدہ تعالیٰ آج پوری دنیائے سنیت میں آپ کی ذات گرامی ایک عظیم نعمت کی حیثیت رکھتی ہے اور آپ کے کردار وعمل کے جائزے کے بعد شائقین علوم نبوت کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ خدا برتر ہمیں ایسا ہی عالم باکمال اور پابند شرع بنائے۔

آپ کی دعوت وتبلیغ کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ آج بھارت کے گوشے گوشے میں موصوف کے مواعظ حسنہ کی انفرادیت کا ڈنکا بج رہا ہے اور وہ لوگ جو فضائے اسلام میں اختراعی وخودساختہ اصول وضوابط پیش کر کے پراگندگی پھیلاتے رہتے ہیں آپ کے دلائل وبراہین حقہ کے سامنے لاجواب نظر آتے ہیں۔ جلد، صفحہ، باب اور فصل جیسے مسلسل حوالہ جات کا لوہا مخالفین بھی مانتے ہیں۔ دنیائے سنیت میں آپ کی شخصیت "الفضل ما شھدت بہ الاعداء" کی مصداق بنی ہوئی ہے۔

صوفی صاحب کے احباب واقارب نے آپ سے بار بار عرض کیا کہ اپنے ان روشن بیانات کو کتابی شکل دے دیجئے تاکہ یہ انمٹ ہو جائیں اور امت محمدیہ اس سے بیش از بیش بہرہ ور ہو سکے نیز اہل سنت کے عقائد ومعمولات کو آیات ربانی، ارشادات نبوی اور بزرگوں کے عرفانی اقوال سے مبرہن کر کے صفحۂ قرطاس پر لایا جائے تاکہ عقل وخرد کے فرزانوں کو مسلک حق کی پختگی اور مضبوطی سے آشنائی ہو سکے۔ مگر آپ نے طبعی منکسر المزاجی سے یہی فرمایا "یہ کام متبحر علمائے ملت کا ہے مجھ جیسا بے بضاعت انسان کیا لکھ سکتا ہے۔" مگر "کل امر مرھون باوقاتہ" کے پیش نظر آپ کے فرزند ارجمند مولانا حبیب الرحمٰن کا عزم مصمم ہے کہ پہلے ان نورانی مضامین کو رسائل

وجرائد کی زینت بنائیں گے پھر کتابی شکل دیں گے۔
۱۹۵۱ء میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند سے داخلہ سلسلہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مولانا نعیم اللہ خان

متوسط قد، اکہرا بدن، سانولا رنگ، مزاج میں قدرے گرمی، زبان میں روانی، دماغ فلسفیانہ، لب ولہجہ صوفیانہ، بزرگوں کے عقیدت مند۔
یہ ہیں مولانا محمد نعیم اللہ خاں بن عیش محمد خاں عرف باقر خاں بن عنایت اللہ خاں مرحوم، آپ تپہ اجیار کے ایک مشہور ومعروف قریہ بڈیلہ میں ۱۲؍دسمبر ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے۔
مزاج میں دینی رنگ ہونے کے ناطے آپ نے طلب علم دین کی رغبت ظاہر کی تو ماسٹر منشی دار صاحب سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دار العلوم تدریس الاسلام بڈیلہ میں آپ کو داخل کر دیا گیا، جہاں آپ نے حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب ادروی اور دیگر قابل قدر اساتذہ کے زیر سایہ رہ کر کافیہ تک پڑھا، مزید حصول علم کا جذبہ مسلسل انگڑائیاں لیتا رہا۔ ان دنوں دار العلوم اشرفیہ کی تدریسی خدمات کا شہرہ تقریبا پورے ملک میں پھیل چکا تھا، اس لئے کافیہ تک پڑھنے کے بعد آپ اشرفیہ مبارکپور میں داخل ہو گئے، اس وقت حافظ ملت، مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب علیہما الرحمۃ، مولانا مظفر حسن ظفرادیبی صاحب اور وہاں کے دیگر قابل قدر اساتذہ کی خدمت میں رہ کر درس نظامی کی تکمیل کر کے سالانہ جشن دستار فضیلت کے موقع پر سند فراغت حاصل کی۔ مزید

حصولِ علم کے لئے آپ ۱۹۶۴ء میں اورنٹیل کالج معروف بمدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوئے، وہاں صرف ایک سال رہے اور ۱۹۶۵ء میں اسے خیرباد کہہ کر چلے آئے۔ مدرسہ عالیہ میں قیام کے دوران مولانا نظام الدین صاحب الہ آبادی کے شاگرد خاص رہے جس کا لازمی نتیجہ یہ رہا کہ وہاں کی آخری ڈگری میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور تمام طلبا میں امتیازی شان حاصل کی۔

مولانا نعیم اللہ خاں صاحب کی علمی قابلیت کے پیش نظر تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لئے آپ کا تقرر اہل سنّت وجماعت کی مرکزی درسگاہ منظر اسلام بریلی شریف میں نائب صدر المدرسین کے عہدہ پر ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۹ء میں ہو گیا عرصہ دراز تک بڑی دلچسپی سے کام کیا۔ اس وقت صدر المدرسین کی حیثیت سے مدرسہ کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں۔

مولانا نعیم اللہ خاں کو تعلیم وتعلم سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔ آپ نے اپنی پوری صلاحیت اسی میں صرف کر دی ہے۔ امتحان درس نظامی کے علاوہ عالم، فاضل، کامل الٰہ آباد بورڈ اور روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے ایم اے بھی پاس کر چکے ہیں۔ اشرفیہ کے علاوہ مدرسہ عالیہ رامپور سے بھی فاضل درس نظامی کی سند حاصل کی ہے۔

علوم متداولہ میں سب کو بڑی دلچسپی سے پڑھاتے ہیں مگر منطق و فلسفہ اور فن مناظرہ سے خصوصی لگاؤ ہے۔ صلاحیت کا بیشتر حصہ اسی میں صرف کیا ہے اور اس فن میں اپنا ایک اعلیٰ مقام پیدا کیا ہے لیکن ان دنوں اپنے پیرومرشد حضور مفتی اعظم ہند کی آخری دعا کے پیش نظر اپنی تمام تر توجہ علم قرآن علم حدیث اور علم فقہ کی طرف مبذول کر چکے ہیں اور اسی کے رموز ونکات کے حل کرنے میں تمام تر اوقات بسر کرتے ہیں۔

درس وتدریس کے علاوہ شعروشاعری سے بھی رغبت رکھتے ہیں مگر

غزلیہ اشعار کہنے کے علاوہ نعت رسالت مآب اور قصیدہ گوئی سے زیادہ دلچسپی ہے۔ فن خطابت سے بھی واقفیت ہے مگر اس فن میں قبول عام حاصل نہیں جس کا سبب غالبًا تدریسی اور معقولی رنگ کا غلبہ ہے جب کہ عوام کو آسان تر زبان و بیان سے دلچسپی ہوتی ہے۔

مولانا نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ طالبانِ علومِ حق کی تشنگی بجھانے میں صرف کر دی ہے، اسی بنا پر مولانا کی علمی وادبی صلاحیت ابھر کر سامنے نہ آسکی پھر بھی آپ نے عدیم الفرصتی کے باوجود "اسلامی جمہوریہ اور غیر جمہوریہ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے جو ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی۔

مولانا نعیم اللہ خاں صاحب اپنے ہم عصر علماء میں کافی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

آپ سے تحصیل علم کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ مولانا صفی احمد بہاری وارد حال لندن، مولانا حبیب الحق بہاری، مولانا سمیع محمد بستوی، مولانا انور علی بہرائچی اور مولانا محمد ایوب صاحب قابل قدر شاگردوں میں سے ہیں۔

بتایا جا چکا ہے کہ مولانا موصوف فن مناظرہ سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں آپ نے اپنی اسی صلاحیت کی بنیاد پر موضع پکری بستی سے وہابیت کا قلع قمع کر کے ایک ادارہ مدرسہ رضاء الاسلام کے نام سے قائم کیا جو آپ کی حمایت و سرپرستی میں تبلیغ حق اور اشاعت دین میں سرگرم ہے، اس کے علاوہ آپ نے دورِ طالب علمی یعنی طلاحسن پڑھنے کے دوران ضلع بستی موضع جوری میں مولوی ابوالوفا شاہجہاں پوری سے بدعت کے موضوع پر مناظرہ کر کے انھیں شکست فاش بھی دی ہے۔ یہ مناظرہ آپ کے علاقہ اور قرب وجوار میں شہرت اور نیک نامی کا سبب بنا۔

مولانا محمد نعیم رضوی

متوسط قد، فربہ و پھرتیلا بدن، لمبا مگر موزوں، ہنس مکھ گندمی رنگ کا چہرہ، ستواں ناک۔ لمبی داڑھی، مزاج میں سادگی، کم گو، یہ ہیں مولانا محمد نعیم رضوی بن عبدالرحمٰن عرف سیتو بن عبدالکریم۔ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۱ء میں مقام و پوسٹ جگنا دھام ضلع بستی میں پیدا ہوئے۔ بچپن کا اکثر حصہ گزر جانے کے بعد طلب علم کی طرف توجہ کی اور مدرسہ شمس العلوم موضع پٹنہ میں داخلہ لے کر مولانا محمد رفیق قاسمی اور ماسٹر لیث محمد صاحب سے پرائمری کی تکمیل کی۔ جب والدین نے آپ کا تعلیمی رجحان دیکھا تو عربی تعلیم کیلئے راقم السطور کی نگرانی میں مدرسہ معراج العلوم بعد وکھریا بازار میں داخل کر دیا جہاں موصوف نے مسلسل پانچ سال رہ کر مولانا طفیل احمد صاحب سے حدیث و تفسیر مولانا محمد زماں اشرفی سے نحو و صرف اور مولانا عبدالرب نعیمی سے بلاغت و عروض اور فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۷۴ء میں معراج العلوم میں ہنگامہ کی وجہ سے مدرسہ ضیاء الاسلام جامع مسجد اترولہ ضلع گونڈہ چلے گئے، ۲ سال رہ کر مولانا عزیز الحسن صاحب اعظمی کے زیر نگرانی شرح جامی تک تعلیم حاصل کی پھر جب مولانا عزیز الحسن انوار ملت چھترپارہ میں صدر مدرس ہو کر آئے تو مولانا محمد نعیم صاحب بھی ان کے ہمراہ چلے آئے اور یہیں تکمیل کی۔ ۲۶ر مئی ۱۹۸۳ء کے اجلاس میں شرکت فرمانے والے خصوصی مہمان و خطیب مولانا مشتاق احمد نظامی کے ہاتھوں دستار و سند سے نوازے گئے۔

تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ انوار ملت ہی میں ضرورت کے

پیش نظر ستمبر ۱۹۸۲ء میں تقرر ہوگیا اور آج بھی وہیں تدریسی خدمات میں سرگرم عمل ہیں۔

مولانا محمد نعیم فن طبابت سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے استاذ خاص مولانا عزیز الحسن صاحب اعظمی چونکہ طبابت میں کافی درک رکھتے تھے اس لئے انھوں نے بھی اس کی طرف رغبت کی اور اسے بھی ضروری سمجھ کر دیگر فنون کے ساتھ ہی ساتھ سیکھ لیا اور علاج و معالجہ بھی شروع کر دیا اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہیں۔

مولانا محمد نعیم صاحب نحو و صرف سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں اور اشاعتِ دین حق کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ مزاج چونکہ صوفیانہ ہے اور ہاتھ میں شفا بھی ہے اس لئے بخوبی دعا اور دوا دونوں سے خدمتِ خلق کرتے ہیں۔

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل ہے جس کی وجہ سے رضوی لکھتے ہیں۔

مولانا نور محمد قادری

مولانا نور محمد ۲۰ر جولائی ۱۹۵۰ء کو پوسٹ و مقام اوجھا گنج تحصیل لہرہا ضلع بستی میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ نور محمد بن مولوی محمد زکریا لطیفی بن عباد اللہ بن شکر اللہ مرحوم۔

خاندانی روایت کے مطابق ۴ سال ۴ ماہ ۴ دن بعد والد ماجد سے بسم اللہ خوانی کی۔ اس کے بعد دینیات کی ابتدائی تعلیم مدرسہ فیضان الاسلام اوجھا گنج میں داخل ہو کر مولوی بہار الدین مرحوم سے حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں مولانا حکیم محمد بشیر صاحب اور الحاج مولانا عبد الرؤف فیض آبادی سے

وابستہ ہو گئے۔ ان حضرات سے فارسی ادب پڑھا اور حکیم صاحب سے حکمت میں معلومات فراہم کی۔ ۱۳۹۸ھ میں دار العلوم فیض الرسول پہنچ کر درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی، مولانا بدر الدین احمد مصنّف سوانح اعلیٰ حضرت و مفتی جلال الدین احمد امجدی مصنف انوار الحدیث اور دیگر اساتذہ سے اکتساب فیض کر کے سند فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مشفق استاذ شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی کے ایماء پر یکم دسمبر ۱۹۷۸ء میں مدرسہ تنویر الاسلام امرڈوبھا میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے پہنچے۔ اب تک اسی ادارہ میں مولانا صوفی نظام الدین صاحب کی نگرانی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ ہر فن سے گہرا ربط ہے۔ علم طب میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ فاضل درس نظامی کے علاوہ سررشتہ تعلیم اتر پردیش سے دینیات و معقولات میں بھی فاضل ہیں۔

موصوف کو تقریر سے دلچسپی کم ہے۔ تحریر سے کافی شوق رکھتے ہیں مگر تدریسی مصروفیات کے باعث زیادہ کام نہیں کر پاتے، پھر بھی اس وقت "دلائل النبوۃ" کا ترجمہ زیر قلم ہے۔

مولانا موصوف کا حلیہ کچھ اس طرح ہے۔ پستہ قد، سانولا رنگ، دوہرا بدن، چہرے میں ہلکے نقوش، سنجیدہ ذہن و دماغ۔

شیخ العلماء سے ۱۳۹۲ھ میں سند متصل اور شرفِ بیعت حاصل ہے جس کا ذکر "النور والبہاء فی الاحادیث النبویۃ وسلاسل الاولیاء" میں موجود ہے۔

و

مولانا وارث جمال

متوسط قد، عظیم الجثہ، صاف گندمی چمکتا چہرہ، دبی ہوئی ناک، گفتگو ادیبانہ، یہ ہیں مولانا وارث جمال بستوی۔

وارث جمال قادری بن محمد حنیف یار علوی اٹوا بازار سے بارہ ۱۲ کلومیٹر جانب مشرق کھنڈسری باندھ سے متصل موضع بڑھیا میں ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی کے مکتب میں مولوی عبدالمعید مرحوم سے حاصل کی، اس کے بعد غالباً ۱۹۶۲ء میں عربی و فارسی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں داخل ہوئے۔ نحو میر، و پنج گنج تک تعلیم حاصل کی ہی تھی کہ خود گاؤں میں ایک عربی ادارہ بنام مدرسہ غوثیہ فیض العلوم عمل میں آگیا۔ قرب مکانی کے سبب والد گرامی نے اسی مدرسہ میں داخل کردیا۔ متوسطات تک حضرت مولانا صوفی محمد صدیق نیپالی اور مولانا عبدالجبار صاحب اشرفی بستوی سے تعلیم حاصل کی۔ متعینہ نصاب کی تکمیل کے بعد ایک مجمع عام میں مولانا ارشد القادری کے ہاتھوں مولوی کی دستار حاصل کی اور مابقی علوم کی تکمیل کے لئے دوبارہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف چلے گئے، وہیں سے صدرالعلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں میرٹھ حاضری دی اور حضرت اقدس سے خصوصی طور پر کافیہ، شرح جامی بحث اسم، اور مرقاۃ کا درس لیا۔ وہاں پر مولانا سید محمد کلیم اشرف جائسی آپ کے رفیق درس ہوئے جس سے تعلیمی انہماک میں کچھ اور ہی اضافہ ہوگیا اور باہمی خلوص و محبت کا اس قدر اثر ہوا کہ اب بھی ایک دوسرے کا دیدار ان کے لئے روحانی و قلبی مسرت کا باعث ہے۔

میرٹھ سے واپسی کے بعد دار العلوم فیض الرسول ہی میں داخل ہوئے اساتذہ نے بے پناہ خلوص و محبت کا مظاہرہ کیا۔ شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ کا آپ کے اوپر کرم خاص رہا۔ مدارک التنزیل کے چند اسباق آپ نے شیخ العلماء ہی سے پڑھے۔

یہاں دو سال گزارنے کے بعد دورۂ حدیث کے لئے ۱۹۶۹ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ پہنچے اور جلد ہی اساتذہ کی نگاہ میں مقبول ہو گئے الجامعۃ الاشرفیہ کے متعلق اپنا تأثر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"اشرفیہ میں ایک خاص بات جو محسوس کی وہ یہ کہ پڑھنے والے طلبہ کے لئے اساتذہ بڑے ہی شفیق، کریم النفس، وسیع الاخلاق اور مروت ہی مروت تھے۔ دو برس میں اشرفیہ میں رہا اور وہ برس میری حیات کا قیمتی سرمایہ ہیں۔"

ان کا تعلیمی سفر مدتوں جاری رہنے کے بعد شعبان ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء کے ابتدائی عشرہ میں ختم ہوا۔ رسم دستار بندی کے موقع پر اسی سال الجامعۃ الاشرفیہ میں مقدس علماء کی جھرمٹ میں سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ تعلیمی رجحان ہونے کے ناطے فراغت کے بعد ہی اپنے گاؤں کے ادارے میں بحیثیت استاد ایک سال تعلیم دی، اساتذہ اور صاحبان علوم و معارف آپ کی صلاحیت کے معترف ہیں۔ صلاحیت مزید نکھارنے کے لئے مولانا مفتی عبد المنان صاحب قبلہ خود اپنے قرب خاص میں رکھنا چاہتے تھے مگر کچھ مجبوریوں کے تحت یہ ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

مولانا وارث جمال کے والد گرامی ایک بہترین تاجر کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ باپ کا اثر بیٹے کے اندر سرایت کر گیا۔ تجارتی امور کے سلسلہ میں بمبئی پہنچے اور اس وقت اسٹینلس اسٹیل کا کاروبار کرتے ہیں لیکن عالمانہ وضع قطع اور علمی شغف بھی

برقرار ہے اور علمی طبقوں میں ایک عالم دین کی حیثیت سے متعارف ہیں آل انڈیا تبلیغ سیرت کے ایک سرگرم رکن ہیں۔

مولانا وارث جمال کے اندر لکھنے پڑھنے کا شوق پہلے ہی سے تھا۔ دوران تعلیم ہی آپ نے دو کتابیں "اسلام اور شادی" "محمود غزنوی تاریخ کے آئینے میں" تالیف کی تھیں جو اپنے وقت پر شائع ہو کر مقبول خاص وعام ہوئیں۔ اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی شاعری پر ایک کتاب "امام شعر وادب" اور آپ کے پاک وبے غبار ترجمے پر خالص تحقیقی انداز میں "انوار کنز الایمان" نامی کتاب مرتب کی جو علمی حلقوں میں کافی مقبول ہوئی۔ مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ کی تحریک خاکساران حق پر "کل ہند تحریک خاکساران حق" مرتب کی، اس کے علاوہ اہم علمی مواد مضامین اور مقالے کی صورت میں "پاسبان" الہ آباد "فیض الرسول" براؤں شریف، "استقامت" ڈائجسٹ کانپور، "ماہنامہ نوری کرن" بریلی۔ ہفتہ روزہ اور دوسرے اہم جرائد میں "ترجمۂ اعلیحضرت کا تقابلی جائزہ" "کشف المحجوب اور اس کے تراجم" "سلطان العلوم" "رکن الدین ابو الفتح" "حافظ الحدیث امام الفقیہ حضرت امام جعفر طحاوی" "متھرا کا پنڈت، دیوتا کی شکتی کے عنوان سے شائع ہو کر خراج وداد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

بمبئی جیسے مشینی شہر میں کاروبار میں مصروف رہ کر بھی علمی وابستگی برقرار رکھنا مولانا موصوف کی علم دوستی کا بین ثبوت ہے۔

مولانا محمد وکیل چشتی

متوسط قد، ہنس مکھ چہرہ، صاف گندمی رنگ، چہرہ پر حلقہ بنائے ابھری ہوئی

نازک، تکلم میں مزاح، اکہرا بدن، اُلجھے ہوئے بال، پستی داڑھی، یہ ہیں مولانا محمد وکیل بن شہادت حسین بن ریاست حسین

اصل تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ سندوں پر تاریخ پیدائش ۸/ جنوری ۱۹۵۶ء مندرج ہے۔ موضع پکھولی مائی پوسٹ سہنا تحصیل ڈومریا گنج، ضلع بستی میں ولادت ہوئی۔

گھر میں دینی رجحان ہونے کی وجہ سے والد گرامی نے گاؤں کے مکتب میں دینی تعلیم کے لئے منشی محمد یسین صدیقی کے حوالے کر دیا۔ وہاں انھوں نے پرائمری کی تکمیل کی اس کے بعد دار العلوم مخزن العلوم بھاؤ پور چلے آئے جہاں مولانا محمد حلیم، مولانا سمیع اللہ اور مولانا عبد الجبار کے زیر عاطفت رہ کر تین سال کی قلیل مدت میں کافیہ تک پڑھا۔ مزید تحصیل علم کے لئے ۱۹۷۲ء میں دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف کا رخ کیا۔ داخلہ کی تکمیل کے بعد شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی، اور مولانا بدر الدین صاحب گورکھپوری جیسی جلیل القدر شخصیتوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور تقریباً ۶ سال رہ کر باضابطہ درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۹۷۷ء میں سالانہ جلسہ دستار فضیلت کے موقعہ پر سند فراغت حاصل کی۔

مولانا محمد وکیل صاحب کو ہر فن سے لگاؤ ہے کسی ایک فن کو اپنا میدان مخصوص کرنا عیب تصور کرتے ہیں۔ الہ آباد بورڈ کے جملہ امتحانات میں شرکت علم دوستی کا نتیجہ ہے۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد دار العلوم فیض الرسول ہی کے توسط سے مولانا محمد وکیل صاحب مدرسہ نور العلوم بانسی (بستی)، میں تدریسی فرائض انجام دینے چلے گئے۔ وہاں مسلسل دو سال پڑھایا مگر سرزمین راس نہ آئی اس لئے مدرسہ نور العلوم سے سبکدوش ہو کر مدرسہ نور اللطیف شہرت گڑھ (بستی) چلے آئے کچھ ہی دنوں سلسلہ تعلیم و تعلم برقرار رکھ پائے تھے کہ یکم اپریل ۱۹۷۹ء میں مدرسہ فیضان الرسول شیو ہروا میں نائب عالیہ کے عہدہ پر تدریسی فرائض کی

انجام دہی کے لئے بلالیا گیا اور آج بھی اسی ادارہ میں اشاعت علم دین میں سرگرم عمل ہیں۔

تدریسی امور کے علاوہ خطابت سے بھی شغف ہے مگر زیادہ دلچسپی تدریسی خدمات ہی سے ہے، اس لئے خطابت میں کوئی قابل قدر عزت و شہرت نہیں حاصل کر سکے۔

شہزادۂ شیخ المشائخ صوفی محمد صدیق صاحب سے بیعت کا شرف حاصل ہے اسی مناسبت سے مولانا محمد وکیل صاحب اپنے نام کے ساتھ لفظِ چشتی لکھتے ہیں۔

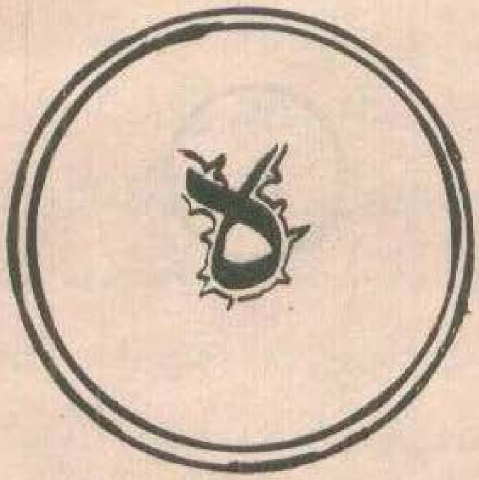

مولانا محمد ہارون مشاہدی

لمبا قد، دوہرا بدن، پر گوشت چہرہ، سانولا رنگ، لمبے ہاتھ میں موٹی موٹی انگلیاں، رعب دار چہرہ، ستواں ناک، چہرے پر گھنی داڑھی، گفتگو میں خود اعتمادی، اعضاء میں صلابت، آواز میں نرمی، یہ ہیں مولانا محمد ہارون بن آندھی، بن نامدار مرحوم۔ شمالی ہند سرحد نیپال کے قریب ۱۹ کلومیٹر دور ضلع بستی میں مقام پرسا بزرگ پوسٹ جگنادھام میں ولادت ہوئی صحیح تاریخ ولادت کا پتہ نہ چل سکا، البتہ سندوں پر مندرج تاریخ ولادت ۲۱ر جنوری ۱۹۶۳ء ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب کو مجھ سے کئی اعتبار سے قرب حاصل ہے، نسبی طور پر میرے چچازاد بھائی ہیں اور اس کے علاوہ ایک عرصہ تک ساتھ میں تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے قریب ایک موضع پٹنہ کے مدرسہ شمس العلوم میں مولانا عبد الحمید اور مولانا محمد رفیق قاسمی سے درجہ پنجم تک حاصل کی، پھر مدرسہ معراج العلوم بجدوکھر بازار میں غالباً ۱۹۶۹ء میں داخلہ لیا جہاں مولانا طفیل احمد اور مولانا محمد زماں اشرفی سے کافیہ تک تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۴ء میں مدرسہ معراج العلوم کے ناساعد حالات کے پیش نظر آپ وہاں سے مدرسہ فیضان الرسول شیوتھروا گئے اور پھر وہاں سے ضیاء الاسلام بڑی مسجد اترولہ میں داخلہ لیا۔ مولانا عزیز الحسن صاحب اعظمی کے انداز تفہیم اور اخلاق کریمانہ سے آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ جب وہ مدرسہ انوار ملت چھتر پارہ صدر مدرس ہو کر آنے لگے تو آپ انھیں کے ہمراہ چھتر پارہ آ گئے جہاں آپ نے تقریباً تین سال رہ کر جون ۱۹۸۰ء میں سند فضیلت

حاصل کی۔

مولانا محمد ہارون صاحب فراغت کے بعد ہی چھتر پارہ کے قریب مدرسہ اہلسنت حشمت العلوم میں ادارہ کی طرف سے مبعوث ہو کر چلے گئے اور تادم تحریر وہیں صدارت کے عہدہ پر فائز ہو کر دین متین کی خدمت میں سرگرم عمل ہیں۔

مولانا محمد ہارون بہترین دل و دماغ کے مالک ہیں۔ استاد ہی کی طرح تفہیم کا انداز بھی بہتر پایا ہے۔ مافی الضمیر بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر لیتے ہیں۔ نحو و صرف سے خصوصی لگاؤ ہے۔ درسِ عالیہ میں عالم، فاضل دینیات اور ادیب بھی کر چکے ہیں نیز اس کا سلسلہ اب بھی بدستور جاری ہے۔

حضرت مولانا مشاہد رضا خاں شاہزادۂ شیر بیشۂ سنّت کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے کی وجہ سے مشاہدی لکھتے ہیں۔

مرتب کتاب

عجب دردا است جانم را نمی دانم کہ چوں گریم
دلا! خوش شو کہ تا بر حال خود یک لحظہ خوں گریم

غلام یحییٰ انجم

میں اپنے کو اس لائق ہرگز نہیں سمجھتا کہ علماء کی فہرست میں اپنے کو شمار کروں یا کرایا جاؤں مگر ہوا یوں کہ میرے کچھ دیرینہ احباب اس بات پر مُصر تھے کہ علمائے بستی میں تمہارا تذکرہ ناگزیر ہے، چنانچہ انھوں نے میرا تذکرہ قلم بند کرنے کی تمنّا ظاہر کی اور بعض دوستوں نے تو لکھ کر روانہ بھی کر دیا۔ ان تذکروں میں اظہار محبت اور کہتر نوازی کا غلبہ زیادہ تھا اس لئے ان کا شامل کرنا "اپنے منھ میاں مٹھو بننا" کے مترادف ہوتا اس لئے اس سے گریز کرتے ہوئے احباب کے اصرار پر اپنے بارے میں چند جملے علماء کی فہرست کے آخر میں اس امید پر شامل کتاب کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ

تذکروں سے مرے دل شاد کرے گی دنیا
میں نہ ہوں گا تو مجھے یاد کرے گی دنیا

سرحد نیپال سے سولہ کلو میٹر جنوب ڈومریا گنج تحصیل میں اٹوا بازار کے قریب موضع پرسا بزرگ پوسٹ جگناد ھام ضلع بستی میں ایک غریب، پاکباز اور دیندار گھرانے میں میری پیدائش ہوئی چونکہ خاندان میں تاریخ ولادت محفوظ رکھنے کا رواج نہیں تھا اس لئے اس کا صحیح پتا نہ چل سکا سندوں پر مندرج

تاریخ ولادت ۱۶ اکتوبر ۵۸ ۱۹ء ہے جو تقریباً صحیح ہے۔

میرے جد اعلیٰ "نامدار" کے تین فرزند تھے، بڑے فرزند تو اس وقت اللہ کو پیارے ہو گئے جب میری عمر دس گیارہ سال کی تھی، دو فرزند ابھی بقید حیات ہیں۔ میرے والد الحاج علی رضا صاحب ان میں سب سے چھوٹے ہیں۔ بزرگوں کی روایت کے مطابق میرے جد اعلیٰ کی زندگی انتہائی افلاس اور تنگدستی کے عالم میں گزری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک وقت کا کھانا کھانے کے بعد دوسرے وقت کا بس خدا ہی حافظ! اللہ پر توکل اور صبر و قناعت کے سہارے زندگی گذر رہی تھی لیکن میرے والد محترم کے زمانہ میں گھر کے معاشی حالات سدھرتے گئے اور اب بحمدہ تعالیٰ اس بستی کے خوشحال گھرانوں میں شمار ہوتا ہے۔

میرے والد صاحب سے چار لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، ایک میں اور دوسرے میرے بڑے بھائی ماسٹر حبیب اللہ صاحب جو ان دنوں ایک ہندی پرائمری اسکول میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

جب میں کوئی پانچ سال کا تھا اسی وقت گھر کا مذہبی ماحول دیکھ کر طبیعت پڑھنے کی طرف راغب ہو گئی تھی، ادھر بڑے بھائی بھی انگریزی علوم کی تحصیل میں منہمک تھے ادھر میری بھی بسم اللہ خوانی کی رسم کمسنی کے عالم میں ادا کرادی گئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مدرسہ شمس العلوم جو میرے موضع سے تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر موضع پٹنہ ضلع بستی میں واقع ہے میں وہاں پڑھنے جاتا تھا۔ برسات کے موسم میں جب راستے کی نالیاں پانی سے بھر جایا کرتی تھیں تو کچھ احباب جن میں عتیق اللہ بطور خاص شامل ہیں مجھ پر کرم فرماتے اور سہارا دے کر نالیاں پار کرادیتے، الغرض اسی طرح ۶۳ ۱۹ء سے مدرسہ شمس العلوم ملحقہ انجمن تعلیمات دین بستی میں تعلیمی سلسلہ شروع

ہوا اور ۱۹۶۹ء تک لگاتار چلتا رہا، ہر سالانہ امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی، اس زمانہ میں علوم جدیدہ ہندی، حساب، جغرافیہ وغیرہ سے اس وجہ سے زیادہ ربط تھا کہ بھائی صاحب یہی علوم پڑھتے تھے ان سے کچھ رہنمائی مل جاتی تھی اس وجہ سے دیگر علوم کے اعتبار سے ان مضامین میں اچھے نمبر ملتے رہے۔ جن اساتذہ کے زیر سایہ میں نے درجہ پنجم تک تعلیم حاصل کی ان میں ماسٹر محمد لیث خاں نعیمی، مولانا عبدالحمید اور مولوی محمد رفیق قاسمی کے اسمار قابل ذکر ہیں۔

درجہ پنجم کی تکمیل کے بعد یہ مسئلہ درپیش تھا کہ دینیات کی تعلیم حاصل کی جائے یا انگریزی علوم کی، ماحول کے پیش نظر فیصلہ کرنا بظاہر مشکل تھا مگر گفت وشنید کے بعد تحصیل علم دین ہی کی رائے راجح قرار پائی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک شخص کے توسط سے تقریباً سات کلومیٹر جنوب موضع بھدوکھر بازار میں اس وقت پہنچا جب کہ وہاں کا ادارہ "مدرسہ معراج العلوم" زیر تعمیر تھا اور ایک مخیر اور دیندار شخص کے مکان میں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا اس مدرسہ میں بحسن وخوبی باضابطہ طور پر داخل ہوگیا مگر والدین کی فرقت اور ماحول کی اجنبیت نے مجھے چین سے رہنے نہیں دیا اور ایک ہی ہفتہ میں مَیں گھر واپس آگیا، اس کے بعد عربی تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم فاروقیہ مدہ نگر ضلع گونڈہ اور انگریزی تعلیم کی خاطر مڈل اسکول اٹوا بازار میں داخلے کی کوشش کی مگر مالک قضا وقدر نے علم دین ہی کی تحصیل قسمت میں لکھی تھی پندرہ بیس دنوں بعد گھوم پھر کر پھر مدرسہ معراج العلوم واپس پہنچا اور اس طرح پڑھنے میں مصروف ہوا کہ پورے پانچ سال وہیں گزار دیئے۔

جب میں دوسری بار مدرسہ معراج العلوم بھدوکھر بازار پہنچا تو اس وقت اس ادارے کے منتہی طلبا شیخ سعدی کی مشہور زمانہ کتاب گلستاں اور بوستاں پڑھ رہے تھے میں بھی پڑھنے میں مصروف ہوا اور چند ماہ میں فارسی کی پہلی

اور دوسری ختم کر ڈالی اس کے بعد چند دنوں میں گلزار دبستاں پڑھ ڈالی، اس طرح ایک سال کی قلیل مدت میں ادارے کے اساتذہ نے مدرسہ کے منتہی طلبار کی فہرست میں میرا نام بھی درج کر لیا۔ اس وقت اگرچہ میری عمر کم تھی مگر اپنی محنت اور ذہانت کی بنا پر ان کی صف میں بیٹھنے لگا تھا۔

استاد محترم حضرت مولانا طفیل احمد صاحب حشمتی ان دنوں مدرسہ معراج العلوم میں مدرس اعلیٰ تھے میری محنت کی وجہ سے میرے اوپر بڑی توجہ رکھتے تھے اور اپنے بچوں کی طرح میرے ساتھ بھی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ یہ حضرت مولانا ہی کے الطاف کریمانہ کا ثمرہ ہے کہ میں ان مراحل سے گزر رہا ہوں۔ حضرت مولانا کی زبان سے بارہا یہ کہتے ہوئے سنا کہ "غلام یحییٰ اور میرے بچوں کے درمیان صرف نسبی اور خونی رشتے کا فرق ہے" حضرت مولانا نے مدرسہ معراج العلوم کی ابتدائی تعلیمی زندگی سے لے کر الجامعۃ الاشرفیہ تک مجھ پر جو عنایات و نوازشات کی ہیں وہ ہرگز فراموش کرنے کے قابل نہیں۔

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام وگر گشادہ جبینم گل بہار توام

حضرت مولانا انتہائی خلوص و محبت کے ساتھ معراج العلوم میں پڑھاتے اور اپنے دولتکدہ پر بھی شبینہ تعلیم کا انتظام فرماتے، یہ مراعات تمام طلبہ کو یکساں حاصل تھیں لیکن مدرسہ معراج العلوم کی عمارت میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہو گیا اور غالباً ۱۹۷۲ء میں جب مولانا محمد زماں اشرفی اور مولانا عبد الرب نعیمی کا تقرر ہو گیا تو موصوف کے دولت کدے پر رات میں تعلیم کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور مدرسہ ہی میں اس کا انتظام کر دیا گیا ان حضرات کے تقرر سے مدرسہ کا تعلیمی معیار بلند ہو گیا۔ مولانا محمد زماں اشرفی سے نحو و صرف اور مولانا عبد الرب نعیمی سے حدیث، تاریخ اسلام اور حضرت مولانا طفیل احمد صاحب سے تفسیر و عقائد کے علاوہ فارسی ادب

کی تعلیم بھی حاصل کی۔

اس زمانہ میں جس قدر پڑھنے کا شوق تھا اب اُس کا عشر عشیر بھی نہیں رہ گیا ہے۔ اس زمانہ میں کتاب سے اس قدر محبت تھی کہ کبھی میرا ہاتھ کتاب سے خالی نہ رہتا، راستہ چلتے وقت بھی کتاب کا مطالعہ جاری رہتا چنانچہ حضرت مولانا سے جب میرا کوئی پتا پوچھتا تو فرماتے "مدرسہ میں چلے جاؤ جس لڑکے کے ہاتھ میں کتاب ہوگی وہی غلام یحییٰ ہوگا" یہ حضرت مولانا کا بارہا کا آزمایا ہوا تھا اس لئے وہ یہ جملہ بڑے ہی اطمینان اور یقین کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔

بچپن میں علوم و فنون دونوں کی تحصیل کا شوق یکساں تھا۔ فن خطاطی سیکھنے کا شوق تقریباً بچپن ہی سے تھا، اس کی تکمیل بھی حضرت مولانا ہی کے زیر تربیت ہوئی۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت مولانا مدرسہ کی سالانہ رپورٹ کی کتابت کے لئے برسات کے موسم میں ندی، نالے پار کرتے ہوئے ۱۵ کلو میٹر دور بڈھی ضلع بستی کے موضع بیر ہوا میں مولانا عبدالخالق خلیق بستوی کے پاس پہنچے۔ انھوں نے راستہ کے مصائب کی پروا کئے بغیر یہی کہا کہ "مولانا اس وقت کام زیادہ ہے معذرت خواہ ہوں" پھر بعد میں کسی صورت سے راضی ہوئے مگر پہلی گفتگو سے دل پر ایک عجیب دھچکہ لگا اور وہیں میں نے عزم کرلیا کہ ایک سال کے اندر مجھے بھی کاتب بن جانا چاہئے۔ اسی سفر میں مولانا خلیق بستوی سے فن کتابت سے متعلق اظہار خیال کیا، موصوف نے کچھ شرائط کے ساتھ میری بات مان لی اس طرح میں ہر ہفتہ پھر بعد میں ہفتہ میں دو دن ہر موسم میں کلو میٹر کا سفر پیدل طے کرکے جاتا اور اصلاح لیتا۔ اس طرح حضرت مولانا کے توسط سے ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی، مولانا خلیق بستوی نے بڑے خلوص و محبت کے ساتھ مفردات اور مرکبات کی تکمیل کرائی اور چھوٹے حروف

مبارکپور جاکر شمس الحق بلیاوی سے سیکھا جوان دنوں "فتاوی رضویہ" کی کتابت کے لئے آئے تھے یہ واقعہ ۱۹۷۴ء کا ہے۔

مولانا کرم حسین ددھندھرا جب کانپور احسن المدارس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وطن تشریف لائے تو کچھ دنوں عارضی طور پر معراج العلوم میں موصوف کو تدریسی خدمات انجام دینے کا موقعہ ملا، موصوف چونکہ شعر وسخن کا اعلیٰ مذاق رکھنے کے ساتھ صاحب ترنم بھی تھے اس لئے موصوف کی مجلسوں سے اس فن کا شوق بھی دامن گیر ہوا، ترنم چونکہ خداداد شئی ہے لہذا اس کے حصول سے جد وجہد کے بعد بھی محروم رہا، ہاں اُلٹے سیدھے اشعار کہنے لگا اس وقت تخلص "اشرف" رکھتا تھا مگر بعد میں مولانا موصوف کے ایماء پر "انجم" کر لیا۔ مولانا خود بھی اچھے شاعر تھے، تخلص "اختر" فرماتے تھے اس وقت جو بھی شعر کہتا مولانا موصوف سے ہی اس کی اصلاح لیتا مگر جب وہ سبکدوش ہو کر دوسری جگہ چلے گئے تو صوفی حیات علی حیات اور مولانا عزیز الرحمٰن عزیز سے اصلاح لینے لگا۔ اس زمانہ کی ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں۔

"لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نام محبت ۔ معلوم جو ہوتا ہمیں انجام محبت
خود اُڑ کے چلے آتے ہیں گلشن سے عنادل ۔ صیاد لگاتا ہے جہاں دام محبت

۱۹۷۴ء تک مدرسہ معراج العلوم بھدوکھر بازار سے وابستہ رہا، چند سال دوران تعلیم ہی معین المدرسین ہو کر اسی ادارے میں ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم بھی دی۔ اسی سال ایک مختصر سی بات پر اراکین اور اساتذہ میں کچھ ایسا اختلاف ہو گیا کہ ادارہ ایک طویل مدت کے لئے بند کر دیا گیا۔ میرے رفقاء درس کچھ تو براؤں شریف چلے گئے اور بعض حضرت مولانا عزیز الحسن اعظمی کی صلاحیت کا شہرہ سن کر مدرسہ ضیاء الاسلام اترولہ پہنچے اور میں حضرت مولانا کے مشوروں کا منتظر رہا۔ بہر حال اسی سال کے آخر میں نومبر کے مہینہ میں شرح جامی تک

پڑھانے کے بعد مجھے اور میرے ایک ساتھی مولوی جمیل احمد قادری کو حضرت مولانا محمد زماں اشرفی کے حوالہ کیا کہ وہ ہمیں لے جاکر "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارکپور میں داخل کردیں اور ساتھ ہی ساتھ مدرسے کی طرف سے میرے لئے پچاس روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ وظیفہ کا یہ سلسلہ اشرفیہ پہنچنے کے بعد صرف ایک سال جاری رہ سکا۔ جب معراج العلوم سے وظیفہ ملنا بند ہوگیا تو الجامعۃ الاشرفیہ سے بیس روپیہ ماہوار ملنے لگا جو سال فراغت تک چلتا رہا۔

۲۰ر نومبر ۱۹۷۴ء کو الجامعۃ الاشرفیہ میں جماعت رابعہ میں داخلہ ہوا۔ داخلہ کی تکمیل کے تقریباً دس یوم بعد اعظم گڑھ ایوان ادب کی طرف سے طلبہ میں ضلعی خوش نویسی کے مقابلے کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں ضلع کے ہر مکتب فکر کے مدارس سے دو دو طالب علم مقابلہ میں شرکت کے لئے مدعو کئے گئے تھے اشرفیہ میں میرا داخلہ چونکہ نیا تھا اس لئے مقابلہ میں حصہ لینے والوں میں میرا نام پیش نہ ہوسکا۔ مولوی خورشید احمد جو غالباً چھٹی جماعت کے طالب علم تھے یقیناً اچھا لکھتے تھے مگر فن سے نا آشنا تھے ان کا نام منظور ہوگیا تھا ادارہ کے ارباب حل عقد کو کسی طرح جب اس کا علم ہوا کہ میں بھی اس فن سے تھوڑا بہت ذوق و شوق رکھتا ہوں تو کرم فرمایا کہ اعظم گڑھ جانے کی اجازت دیدی اس طرح میں اعظم گڑھ پہنچا مگر رہا مقابلہ میں شرکت کا مسئلہ تو وہ بڑا اہم تھا اس لئے کہ جس کا نام ادارے کی طرف سے منظور تھا صرف وہی شریک ہوسکتا تھا۔ جب میں نے شرکت کی درخواست پیش کی تو حسن اتفاق سے مقابلہ کے انچارج میرے ہم نام تھے اس لئے شاید درخواست منظور کرلی گئی، اور میں مقابلہ میں شریک ہوا، مندرجہ ذیل شعر پر خوش نویسی کا مقابلہ تھا۔

گل مرقع ہے ترے چاک گریبانوں کا
شکل معشوق کا انداز ہے دیوانوں کا

اس شعر کے کل دس نمبر مقرر کئے گئے تھے جس میں ۸ نمبر مجھے ملے اور بقیہ لوگوں

کو ۶، ۷، ۔ اس طرح اس مقابلہ میں میری پہلی پوزیشن رہی۔ جب ادارے کے ذمہ داروں اور اساتذہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا اور دعاؤں سے نوازا، اور انجمن کی طرف سے منعقدہ دداعیہ جلسے میں کتب و جرائد اور کچھ روپے نقد انعام ملے۔ مختصر یہ کہ اس طرح الجامعۃ الاشرفیہ میں ایک ماہ کے اندر ہی میں عام طور سے متعارف ہوگیا۔

مبارکپور کا ادبی ذوق انتہائی قابل قدر ہے، آئے دن محافل، مجالس اور شعری نشستیں منعقد کر کے لوگ ادب نوازی کا ثبوت دیتے ہیں، ادبی مجالس کی قیادت وہاں کے بزرگ شعراء فراز مبارکپوری مصنف "حرارتیں" اور ایوب مبارکپوری فرمایا کرتے تھے۔ درسیات میں جب یکسوئی ہوئی تو مشق سخن بھی جاری کر دی اور مذکورہ دونوں بزرگوں سے اصلاح لینے لگا۔ ان بزرگوں کی عنایات و نوازشات اب بھی رہ رہ کے یاد آتی ہیں۔ مبارکپور کی ادبی مجالس میں میری شرکت اور اس میں کامیابی انھیں دونوں حضرات کی مرہون کرم ہے۔ نعتوں کی اصلاح مولانا سید شمیم گوہر فرماتے تھے جو ان دنوں ماہنامہ "اشرفیہ" کے مدیر اعلیٰ تھے۔

میرا ذوق ادب سے ہمیشہ اچھا رہا۔ خواہ اردو ادب ہو یا فارسی یا عربی۔ انہی صلاحیتوں کے پیش نظر جب جماعت کی جانب سے مشقی جلسے منعقد ہونے لگے تو اناؤنسری کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی جسے میں فضیلت کے سال تک بحسن و خوبی انجام دیتا رہا۔ انتظامی امور میں حسن عمل دیکھ کر ۱۹۷۸ء میں کچھ احباب نے انجمن اہلسنت و اشرفی دارالمطالعہ جو الجامعۃ الاشرفیہ کے طلبا کی ایک باوقار اور سنجیدہ تنظیم ہے اس کے جنرل سکریٹری کے لئے میرا نام پیش کر دیا اگرچہ میرے مقابلے میں اس کے امیدوار اور بھی لوگ تھے مگر میرے ہی نام کا انتخاب عمل میں آیا جب کہ اس انجمن کے صدر

حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ اعظمی شہزادہ صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت علیہ الرحمہ منتخب ہوئے۔ یہ عہدہ سنبھالتے ہی مصروفیت میں خاصا اضافہ ہوگیا۔ سارا وقت یا تو پڑھنے میں صرف ہوتا یا پھر انجمن کے حساب وکتاب میں۔ کچھ احباب تو ان تمام امور کی ذمہ داری سنبھالنے کی وجہ سے بے حد مصروف دیکھ کر انجم کے بجائے "انجمن" کہا کرتے تھے۔

جس زمانہ میں میرا داخلہ ہوا تھا اس وقت میری جماعت میں کل ۵۲ طلبہ تھے لیکن سال فراغت میں صرف ۳۲ رہ گئے، ان میں بیشتر طلبہ باصلاحیت تھے۔ اکثر اوقات مطالعہ کتب میں صرف کرتے تھے شاید اسی وجہ سے شیخ الجامعہ نے ایک موقعہ سے میری جماعت کے بارے میں بڑے پُر مسرت اور حوصلہ افزا کلمات کا اظہار فرمایا تھا۔ انتظامی امور اور تمام درسی مصروفیتوں میں رہ کر اشرفیہ کی چہار دیواری میں ساڑھے چار سال کی طویل مدت میں درس نظامی کی تکمیل کرلی۔ ۱۹۷۸ء میں سند قرأت حفص تفویض ہوئی اور ۱۹۷۹ء میں فضیلت میں ۹۰ فی صد نمبر حاصل کئے جو ایک مثالی ریکارڈ ہے، اور مندرجہ ذیل اساتذہ سے کسب فیض کرکے سند فضیلت حاصل کی۔

(۱) حضور حافظ ملت مولانا عبد العزیز مرادآبادی[لہ] سے شرح جامی بحث فعل کے آخری اسباق۔ (۲) بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی سے بخاری، مختصر المعانی، حمد اللہ

لہ حضور حافظ ملت سے شرف تلمذ کا موقع اس وقت میسر آیا جب حضرت مولانا عبد اللہ خاں عزیزی ایک سال کیلئے دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا ادارہ کی طرف سے بھیجے گئے تھے اس وقت اساتذہ کی قلت کی وجہ سے حضور حافظ ملت بھی درس دینے لگے تھے یہ ۱۹۷۵ء کا زمانہ ہے، انھیں ایام میں شرح جامی بحث فعل کے آخری اسباق پڑھ کر ۳؍ جون بروز شنبہ حضرت کی نیک دعاؤں کے ساتھ اس بحث کو اختتام تک پہنچانے کا موقع ملا۔ ادارہ میں درس لینے کے اعتبار سے ہم لوگ حضور حافظ ملت کے آخری شاگردوں میں۔ حافظ ملت نے مجلس انتظامیہ اور ادارہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب ہونے کے ایک

(۳) حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی سے تفسیر بیضاوی، توضیح تلویح ، (۴) حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ قادری سے مسلم شریف (۵) حضرت مولانا عبداللہ خاں عزیزی سے تفسیر مدارک ، ہدیہ سعیدیہ ، (۶) حضرت مولانا حافظ عبدالشکور گیاوی سے نور الانوار، ملاحسن، حسامی (۷) حضرت مولانا اسرار احمد اعظمی سے شرح وقایہ، ہدایہ اولین (۸) حضرت مولانا علی احمد مرحوم سے سراجی ، (۹) حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی سے المعلقات السبع، دیوان حماسہ، دیوان متنبی (۱۰) حضرت مولانا افتخار احمد اعظمی سے مقامات حریری، منشورات، البیان والتبیین ۔ فن تجوید و قرارت کے استاد حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب ہیں اور شمس العلماء قاضی شمس الدین جونپوری مصنف قانون شریعت الجامعۃ الاشرفیہ کے منصب صدارت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر جانے سے پہلے ان سے شرح عقائد کے ابتدائی مباحث پڑھ کر شرف تلمذ حاصل کیا ۔

عرس حافظ ملت علیہ الرحمہ یعنی سالانہ جشن دستار فضیلت کے موقعہ پر فراغت کے سال ہم لوگوں کا عجیب حال تھا۔ تمام رفقائے درس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے ، یہ سوچ سوچ کر کلیجہ منھ کو آرہا تھا کہ جس در و دیوار کے سایہ میں ہم نے زندگی کا گراں مایہ حصہ گزار دیا ہے وہ یکلخت ہم سے چھوٹا جا رہا ہے ۔ جشن میں ہزاروں کا مجمع تھا متعلقین سند فضیلت کے حصول پر خوشیوں سے جامے میں نہ سماتے تھے اور ہم لوگ مادر علمی کی جدائی سے مضطرب تھے ، ایسے عالم میں سابقہ روایات کے مطابق اہل مبارکپور کی عنایات و نوازشات کا شکریہ بھی ادا کرنا تھا۔ رفقائے درس میں کوئی ایسی اضطرابی کیفیت میں اس امر کی

عرصہ بعد اپنا تدریسی سلسلہ بند کر دیا تھا اور تلمیذ صدر الشریعہ خیر الاذکیا حضرت علامہ قاضی شمس الدین جعفری علیہ الرحمہ کی خدمات صدارت مدرسین اور منصب شیخ الحدیث کیلئے حاصل کرلی تھیں ۱۲ انجم

انجام دہی کے لئے تیار نہ ہوا ساتھیوں کی نمناک نگاہیں میری طرف اٹھیں اور مبارکپور کی جناب میں شکریہ ادا کرنے کے لئے کہا۔ میں نے جشن میں صبر وسکون اور ضبط غم کے ساتھ ایک لمبی وداعیہ نظم پڑھی جس کے چند بند ذیل میں پیش ہیں :

پھر رہا تھا در بدر لے کر چراغِ آرزو ۔۔۔ بادۂ راحت سے خالی تھا ایاغِ آرزو
اشرفیہ میں جو آیا ہیکے داغِ آرزو ۔۔۔ بس گیا خوشبوئے عرفاں سے دماغِ آرزو
ہو گیا سرسبز فضل حق سے ہر قلب وجگر
پی کے جام علم وفن سب ہو گئے اہل نظر

جستجوئے علم میں یوں خاک چھانی کو بکو ۔۔۔ اٹ گیا گرد سفر سے ہو گیا ژولیدہ مو
رحمت حق نے دیا ہے مژدۂ لا تقنطوا ۔۔۔ اشرفیہ میں بر آئی میرے دل کی آرزو
چشمۂ علم وادب سے تشنگی اب دور ہے
فیض حافظ سے یہاں ہر اک بشر مسرور ہے

تیری الفت کا مبارکپور لاکھوں شکریہ ۔۔۔ اور استادوں کی ہر شفقت کا لاکھوں شکریہ
حافظ ملت تیری عظمت کا لاکھوں شکریہ ۔۔۔ مادر علمی کی اس عظمت کا لاکھوں شکریہ
السّلام اے مخزن علم وادب عقل وہنر
السّلام اے مادر علمی کے تاباں بام ودر

دیکے ہاتھوں میں ہمارے رشتہ حبل المتیں ۔۔۔ بخشا لطف حافظ ملت نے فیضان یقیں
اللہ اللہ ایں نگاہ آں امام المتقیں ۔۔۔ جن کو دستار فضیلت سے نوازیں فخر دیں
کیوں نہ انجم ان کا ہو روشن دماغِ آرزو
روز محشر تک رہے سرسبز باغِ آرزو

فراغت کے موقعہ پر مبارکپور کے عمائد اور دوسرے احباب ومتعلقین نے خطوط کی شکل میں مبارکباد پیش کئے، بزرگوں نے نیک دعاؤں سے نوازا، اور ترقیٔ درجات کے لئے دعائیں کیں۔ مبارکپور کے استاذ شاعر جناب ایوب

مبارکپوری نے ان الفاظ میں تہنیت پیش کی

راہِ طلب میں منزلِ سنت ہوئی نصیب ۔ دینِ نبی کی آپ کو عزت ہوئی نصیب
"بستی" کو چھوڑ کر جو بیاباں میں آئے تھے ۔ دیوانگانِ علم کی وحشت ہوئی نصیب
انجم سے ماہتاب بنے پھول سے چمن ۔ اس سرزمیں پہ آپ کو عزت ہوئی نصیب
ایوانِ اشرفیہ میں زانو جو تہہ کیا ۔ شہرت ہوئی نصیب شرافت ہوئی نصیب
علم و عمل کا درس جو پایا جناب سے ۔ خاکِ قدوم حافظ ملت ہوئی نصیب
انجم کلاہِ فخر مبارک ہو آپ کو ۔ دستار جب بندھی تو فضیلت ہوئی نصیب

ایوب کامیاب ہوئے انجم سعید ؔ
تحصیل علم دیں سے فراغت ہوئی نصیب

رفقائے درس میں مولانا معین الحق علیمی (بمبئی) اور حافظ ڈاکٹر انوار الحق (پرتاپ گڑھی) کے علاوہ حافظ قمر الحسن قمر القادری کا مجھ پر احسان عظیم ہے جنھوں نے مزید طلب علم کا حوصلہ عطا کیا اور اس سلسلہ میں ہمارے وہ احباب جو ان دنوں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے ان سے مراسم پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔

علم دین سے فراغت کے فوراً بعد کئی اہم اداروں کے اراکین نے تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لئے پیش کش کی جن میں جامعہ امداد العلوم مٹھنا بستی، مدرسہ نور العلوم ٹنڈوا بستی، مدرسہ اظہار العلوم جہاں گیر گنج فیض آباد، مدرسہ فیضان الرسول شیوہروا بستی، جامعہ اشاعت الاسلام بڑھنی بازار بستی (اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں دو سال گزارنے کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے ذمہ داران نے بھی شعبہ ادب کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے گفتگو کی تھی) مگر چونکہ درس و تدریس کا بالکل ارادہ نہیں تھا اس لئے سب سے معذرت طلب کرلی، لیکن جب کئی ماہ گزر گئے تو ضرورت معاش کے تحت حضرت مولانا طفیل احمد صاحب کے مشورے سے کئی شرطوں کے ساتھ چند سہولیات کے پیش نظر جامعہ

اشاعت الاسلام بڑھنی بازار میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ انھیں شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب میرا داخلہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہوجائیگا تو آپ مجھے تدریسی خدمات کی انجام دہی سے معذور سمجھیں گے بالآخر ہوا یہی کہ صرف دس یوم تدریسی شغل اختیار کرنے کے بعد ہی داخلہ کی اطلاع ملی میں نے اراکین سے معذرت طلب کی اور اپریل ۱۹۸۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے منسلک ہوگیا۔

اہل خانہ ہر چند کوشاں تھے کہ اب تعلیمی سلسلہ بند کر کے مستقل ملازمت کی جائے، گھر کے حالات بھی سلسلۂ تعلیم برقرار رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے مگر حوصلہ کا احترام بھی ضروری تھا، والدین کی محبت آڑے آئی تھی۔ وہ کسی طرح مجھے اپنے سے جدا کرنے کے لئے راضی نہ تھے، بہر حال ہزار ہا کوششوں اور منت و سماجت کے بعد والدین نے میری عرضداشت قبول کرلی اور نیک دعاؤں کے ساتھ ایک بار پھر ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے مجھے حصول علم کے لئے بھیج دیا۔ میں عزم محکم لے کر یونیورسٹی پہنچا اور ایم۔ اے (عربی) میں داخلہ کی تکمیل کرائی۔

جس زمانہ میں میں علی گڑھ آیا تھا اس زمانہ میں مسلم یونیورسٹی جن حالات سے دوچار تھی اس کا بیان موجب تطویل ہے۔ پروفیسر علی محمد خسرو وائس چانسلری کے فرائض ۵ سال مکمل کر کے جاچکے تھے اور سید حامد صاحب نئے وائس چانسلر منتخب ہو کر آنے والے تھے، اس زمانہ میں وائس چانسلر کی خدمات پروفیسر محمد شفیع صاحب صدر شعبۂ جغرافیہ انجام دے رہے تھے، اس وقت یونیورسٹی کی کیا حالت تھی وہ ناقابل بیان ہے، مختصر یہ کہ یونیورسٹی کا تعلیمی سال بہت ہی لیٹ چل رہا تھا، کسی طرح ۱۹۸۱ء میں ایم۔ اے عربی کا کورس مکمل کر کے سند حاصل کی، دوران تعلیم پروفیسر مختار الدین احمد صدر شعبۂ عربی سے تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر ریاض الرحمن شیروانی سے تنقید، ڈاکٹر حامد علی خاں سے نظم اور ڈاکٹر عبد الباری سے تاریخ ادب عربی، اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا درس لیا۔

ایم۔ اے عربی کے طلبہ کو ساتھ میں بی، ٹی ایچ کا کورس کرنے کی مراعات حاصل تھی، اس سہولت کے پیش نظر میں نے بھی ایم۔ اے فائنل کے ساتھ شعبۂ دینیات میں بی، ٹی ایچ کے کورس میں داخلہ مکمل کر لیا، مزید اس میں دو سال لگا کر اس نصاب کی تکمیل کی۔ پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری، ڈاکٹر قاری رضوان اللہ مرحوم، پروفیسر محمد تقی امینی، حافظ ڈاکٹر عبد العلیم خاں، مولانا اسد اللہ، مولانا مفتی محمد رضا انصاری، اور ڈاکٹر زین الساجدین وغیرہم سے اکتساب فیض کیا۔ ۱۹۸۲ء میں فائنل امتحان دے کر نمایاں کامیابی حاصل کی، میری صلاحیت کے پیش نظر یونیورسٹی نے دو سال وظیفہ (میرٹ اسکالرشپ) منظور کیا اور اعلیٰ کامیابی پر یونیورسٹی نے یونیورسٹی میڈل (چاندی کا تمغہ) تفویض کیا، اور انہی صلاحیتوں کے سبب ۱۹۸۳ء میں شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں جزوقتی تدریسی فرائض کی ذمہ داری بھی ایک سال کے لئے سپرد کی گئی جسے میں نے بحسن وخوبی وقت متعینہ تک انجام دیا۔

فروری ۱۹۸۴ء میں ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین قادری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۶۲ء) مصنف "صحیح البہاری" کے فرزند ارجمند پروفیسر مختار الدین احمد صدر شعبۂ عربی کے زیر نگرانی پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا۔ پروفیسر صاحب نے تحقیقی کام کے لئے موضوع "کتاب المقفی الکبیر۔ تحقیقہ و تدوینہ" تجویز کیا۔ جو مصر کی تاریخ پر بہت اہم اور جامع کتاب ہے اور اب تک شائع نہیں ہوئی۔ مقریزی کتاب مکمل نہ کر سکے۔ صرف ۱۶ جلدیں لکھ سکے تھے کہ ۸۴۵ھ میں اپنے خالق سے جا ملے۔ اس کتاب کی تین جلدیں استاذ محترم کو لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کی لائبریری میں اور ایک جلد پیرس کے کتب خانہ میں ملی، اس کے فوٹو انھوں نے حاصل کر لئے اور ایک جلد جو اہم علماء و مصنفین مصر کے حالات پر مشتمل ہے میرے کام کرنے کے لئے مخصوص کر دی۔ خدا کا شکر

کہ مقالہ ۱۹۸۶ء میں مکمل ہوگیا جامعہ علی گڑھ میں پی ایچ ڈی کے لئے ایم ۔ فل (ماسٹر آف فلاسفی) کرنا ضروری ہوتا ہے۔ میرے ایم فل کا موضوع "نویں صدی کے کچھ اہم مورخین" - ایک تنقیدی مطالعہ" تھا، پروفیسر موصوف کے زیر نگرانی جولائی ۱۹۸۵ء میں ماسٹر آف فلاسفی کا مقالہ مقررہ عنوان پر یونیورسٹی کو پیش کر کے ۳۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو جلسۂ اسناد کے موقعہ پر سند حاصل کی۔

پرائمری درجات کے علاوہ اب تک مختلف زبانوں میں جتنے امتحانات میں کامیاب ہوا ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱- ادیب سکنڈ ڈویژن ۲- ادیب ماہر فرسٹ ڈویژن
۳- ادیب کامل سکنڈ ڈویژن ۴- منشی (طب) فرسٹ ڈویژن
۵- منشی انگریزی پاس ۶- کامل فرسٹ ڈویژن
۷- مولوی سکنڈ ڈویژن ۸- عالم سکنڈ ڈویژن
۹- فاضل عربی ادب فرسٹ ڈویژن ۱۰- فاضل معقولات سکنڈ ڈویژن
۱۱- سند قرارت حفص ۱۲- فضیلت فرسٹ ڈویژن فرسٹ پوزیشن
۱۳- ایم۔ اے (عربی) فرسٹ ڈویژن سکنڈ پوزیشن
۱۴- بی ٹی ایچ فرسٹ ڈویژن فرسٹ پوزیشن
۱۵- ایم۔ فل (عربی) ۱۶- پی۔ ایچ۔ ڈی

درس و تدریس کے علاوہ خطابت و صحافت سے بھی گہری وابستگی ہے، موجودہ زمانہ کے لحاظ سے صحافت کو میں خطابت پر ترجیح دیتا ہوں اسی وجہ سے خطابت کی مصروفیت کم کر کے خارجی اوقات کا بیشتر حصہ خیال و فکر کو الفاظ کا جامہ پہنانے میں صرف کرتا ہوں۔ اب معیاری رسائل وجرائد میں درجنوں ادبی مضامین اور تحقیقی مقالات چھپ چکے ہیں۔ آل انڈیا گورکھپور سے بھی متعدد بار اپنے خیال وفکر کی ترجمانی کر چکا ہوں اس کے علاوہ درس نظامی کے جدید تقاضے سے

متعلق آل انڈیا سمینار امرڈوبھا بستی، حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی دور جدید کی عبقری شخصیت سے متعلق آل انڈیا سمینار الہ آباد۔ اور تصوف اور اسلامیات سے متعلق آل انڈیا سمینار علی گڑھ کے علاوہ اور بھی متعدد کل ہند سیمناروں میں بحیثیت مقالہ نگار شرکت کا موقع ملا ہے۔

شعر و سخن سے لگاؤ اگرچہ ایک عرصہ سے ہے مگر صحافت کے مقابلے میں میرے نزدیک شاعری کی حیثیت ثانوی ہے۔ طبیعت میں وارفتگی پیدا ہوتے اور موسم خوشگوار ملنے پر دو چار شعر کہہ لیتا ہوں۔ اصناف شعر میں نظم، نعت، غزل پر طبع آزمائی کی ہے "ایک نعتیہ مجموعہ" نقش آخرت "کے نام سے ۱۹۷۹ء میں الہ آباد سے طبع ہو چکا ہے۔ غزل کے چند اشعار یہ ہیں۔

یہ ناز یہ غرور یہ جبیں بر جبیں مزاج — کس خاک سے بنا ہے یہ انسان نہ پوچھئے
جو واقف اسرار گل و یاسمن نہ ہو — اس بے خبر سے حال گلستاں نہ پوچھئے
انجم نشاط و عیش سے سرشار تھا کبھی — اب مجھ سے میرا حال پریشاں نہ پوچھئے

ساحل پہ ایک شخص پیاسا ہی مر گیا — دریا کی بے رخی کا وہ منظر عجیب تھا

میں بستیوں میں سمٹ کر ہی رہ گیا انجم — ترقیوں کے مری جب سے حوصلے ٹوٹے

بنا انسانیت کی ڈال دی جس ذات نے انجم — اسے اہل خرد سرمایۂ آدم سمجھتے ہیں

ہر لفظ ترا یار دل آزار بہت ہے — جو بچ کے نکل جائے وہ ہشیار بہت ہے

محبت، دردمندی، سخت کوشی عزم مستحکم — بغیر اس کے ہمیں کچھ زندگی اچھی نہیں لگتی

دل کی ہر اک بات دل میں رہ گئی اچھا ہوا　　راز داروں پر بھروسہ ہے یہاں کچھ بھی نہیں

میری وحشت کی یہ تاثیر بھی دیکھے کوئی　　بن گیا پھول جو مجھ تک کبھی آیا پتھر

۱۱ر شوال سنہ ۱۳۹۰ھ کو شہزادۂ شیر بیشۂ سنّت حضرت مولانا مشاہد رضا خاں خلیفہ و سجادہ نشین آستانہ حشمتیہ پیلی بھیت کے دست پر بیعت کا شرف حاصل کر چکا ہوں ازدواجی زندگی سے متعلق کچھ نہ لکھنا اس داستان کو بے کیف بنانا ہے، اس سلسلہ میں صرف اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ علاقائی رسم و رواج کی وجہ سے کمسنی یعنی ۱۲ سال کی عمر میں جس وقت میں معراج العلوم بھدوکھر بازار ضلع بستی میں زیر تعلیم تھا میرے والدین نے میرا عقد عالی جناب نعمت حسین صاحب مقام مڑلا مہر، بسکوہر بازار ضلع بستی کی بڑی صاحبزادی کے ہمراہ کر دیا اور رخصتی اس وقت ہوئی جب میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے درس نظامی کی تکمیل کر چکا زندگی کے خوشگوار لمحات غالباً صرف ایک سال یا ڈیڑھ سال گزرنے پائے تھے کہ رفیقۂ حیات کو علالت و بیماری لاحق ہوئی جو زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی، ہزار ہا علاج و معالجہ کے باوجود ایک ناقابل انکار حقیقت کے تحت شدّت مرض کی تاب نہ لاکر ۲۴ر ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۸ر جنوری سنہ ۱۹۸۴ء کو اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئیں انا للہ و انا الیہ راجعون تغمدھا اللہ برحمتہ الواسعۃ۔

مرحومہ نیک شریف خاتون تھیں، عزت نفس کا انھیں بے حد پاس تھا، شرم و حیا جو عورتوں کا گرانمایہ زیور ہے اس سے وہ خوب آراستہ تھیں۔ میرے دوران تعلیم ہزار ہا مصیبتیں برداشت کر کے انھوں نے سلسلہ تعلیم برقرار رکھنے کے لئے ہر قسم کے مواقع فراہم کئے۔ مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ کہ جب چین کا وقت آیا تو وہ ہمیں داغ مفارقت دے کر چلی گئیں۔ اللہ تعالیٰ

مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے (آمین) مرحومہ کی انہی کرمفرمائیوں کے پیش نظر اس پیکر غم نے ماسٹر آف فلاسفی کے مقالہ کا انتساب ان کی طرف کیا ہے۔ [1]

دوسرا عقد عالی جناب ماسٹر محمد الیاس صاحب مہراج گنج ترائی ضلع گونڈہ (ہیڈ ماسٹر جونیر ہائی اسکول گلہریا ضلع گونڈہ) کی چھوٹی دختر نیک اختر کے ہمراہ ۷ر شوال المکرم ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۶ر جون ۱۹۸۶ء کو مقدس علماء کی جھرمٹ میں ہوا۔ خدائے تعالیٰ یہ شادی میرے لئے خانہ آبادی کا سبب بنائے آمین

"پیغام جشن شادی مبارک" سے شادی کا سنہ ۱۹۸۶ء برآمد ہوتا ہے۔

اب میں یہ دو شعر جو میری زندگی کی صحیح تصویر ہیں ان پر اپنی بے کیف داستان کو ختم کرتا ہوں۔

نالہ ما صورتے بگرفت بلبل ساختند　　لختہائے دل بہ یکجا جمع شد گل ساختند
آنچہ کم از طاقتِ ماشد بہ تمکینش فزود　　صبر ما بردند و در ختمش تغافل ساختند

---

[1] یہ مقالہ نویں صدی ہجری کے حوالے سے "مصری مؤرخین" ایک تنقیدی مطالعہ فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کی مالی امداد کے ساتھ "المجمع الاسلامی مبارکپور کے ذریعہ شائع ہو گیا ہے ۱۲

"علمائے بستی" جلد دوم زیر ترتیب

ضلع بستی کے وہ تمام علمائے کرام جن کا تذکرہ جلد اول میں کسی وجہ سے شائع نہ ہوسکا یا وہ نئے فارغین جن تک میرے خطوط نہیں پہونچ سکے یا خط پہونچا مگر عدیم الفرصتی کی وجہ سے نہ تو جواب دے سکے اور نہ تعارف ہی ارسال کر سکے ان سے میری مخلصانہ درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل عناوین کی روشنی میں جلد از جلد اپنا تعارفی خاکہ ارسال کریں۔

۱۔ نام و نسب اور مکمل پتہ۔ ۲۔ جائے پیدائش و تاریخ پیدائش۔
۳۔ ابتدائی تعلیم سے لیکر انتہائی تعلیم تک کا تفصیلی ذکر۔
۴۔ تدریسی خدمات ۵۔ زندگی کا اہم کارنامہ۔
۶۔ تصنیف و تالیف ۷۔ بیعت و خلافت
۸۔ شعر و سخن ۹۔ موجودہ مشغلہ
۱۰۔ مستقبل کے عزائم

پتہ: غلام یحییٰ انجم، شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، (یوپی) ۲۰۲۰۰۱

مصری مؤرخین

مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم بستوی صاحب کی وہ کتاب جس پر انہیں ام فل کی ڈگری حاصل ہوئی ــــــــ علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری شریف، علامہ شمس الدین سخاوی اور نویں صدی ہجری دوسرے بلند پایہ مؤرخین کا تحقیقی تذکرہ ۔ قیمت غیر مجلد ۱۵/- ، مجلد عمدہ کاغذ ۲۵/-

ناشر

المجمع الاسلامی، محمد آباد گوہنہ اعظم گڑھ ۲۷۶۴۰۳

المجمع الاسلامی کی مطبوعات

کتاب	قیمت
اسلامی اخلاق و آداب۔ صدر الشریعہ اعظمی	۲۲/-
باغی ہندوستان علامہ فضل حق خیرآبادی	۲۵/-
رحیل، (اردو) انقلابی نظمیں، از بدر القادری	۱۲/-
امام احمد رضا اور رد بدعات (یٰسین اختر)	۴۰/-
کلام رضا تحقیق و تجزیہ۔ نظیر لدھیانوی	۵/-
عرفان رضا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش اعوان	۴/-
حقوق والدین۔ امام احمد رضا قدس سرہ	۳/-
برأت علی از شرک جاہلی "	۲/۵۰
تقدیر و تدبیر "	۲/۵۰
احادیث شفاعت "	۱/
دعوت میت (تیجہ سوم وغیرہ) "	۱/-
رسوم شادی "	۳/-
اہمیت زکوٰۃ و فوائد صدقات "	۳/-
فلسفہ اور اسلام (پہلی اشاعت) "	۵/-
حقوق العباد (بندوں کے حقوق) "	۳/۵۰
صحابہ کا عشق رسول۔ محمد اکرم (ریاض)	۱۱/-
نور الایمان۔ عبد الحلیم فرنگی محلی / افتخار احمد	۱۱/-
فضائل قرآن۔ مولانا افتخار احمد قادری	۱۶/۵۰
تذکرہ میلاد رسول۔ ابن کثیر / افتخار احمد قادری	۲/-
مستشرقین کا تعصب۔ علوی مالکی / "	۲/-
جشن میلاد " یٰسین اختر	۲/-
امام احمد رضا کے وصایا۔ حسنین رضا / "	۳/-
نور و نار پروفیسر مسعود احمد	۶/-
اب لا	۲/۵۰
مفسرین، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	۱۵/-
امام اہلسنت پروفیسر مسعود احمد زیر طبع	
گناہ بے گناہی	
فیصلہ مقدسہ بر اشعار حدائق بخشش سوم	۱/-
عقائد علماء دیوبند (حافظ ملت)	۲/-
خلافت صدیق و علی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ	زیر طبع
ذبیحہ اولیا "	"
بادۂ حجاز (مجموعۂ نعت) مولانا بدر القادری	"
فیض الحکمۃ ترجمہ ہدایۃ الحکمۃ۔ احمد القادری	۵/-
جد الممتار (حاشیہ شامی) اعلیٰ حضرت	۵۶/-

دیگر خاص مطبوعات

کتاب	قیمت
درس البلاغہ مع تعیین "عروض" مولانا محمد احمد مصباحی	۳/۷۵
ندائے یا رسول اللہ۔ اعلیٰ حضرت / شرف قادری	۸/-
مزارات پر عورتوں کی حاضری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ	۳/-
اذان قبر "	۲/-
ارشادات اعلیٰ حضرت اول۔ محمد عبد المبین نعمانی	۷/۵۰
انتخاب اعلیٰ حضرت "	۴/۵۰
پنجسورہ مع ترجمہ رضویہ "	۲۰/-
جام رحمت (مجموعۂ نعت) "	۲/۵۰
نوائے نعت "	۵/-
اسلامی معاشرت مفتی رضوان الرحمٰن	۳/۵۰
امام احمد رضا ارباب دانش کی نظر میں۔ یٰسین اختر	۱۲/-
مجاہد ملت کی مجاہدانہ عزیمت "	۱/۵۰
مسنون دعائیں محمد عبد المبین نعمانی	۲/-
انوار فضائل قرآن "	۲/-

رابطہ کا پتہ:- المجمع الاسلامی، فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، اعظم گڑھ ۲۷۶۴۰۳